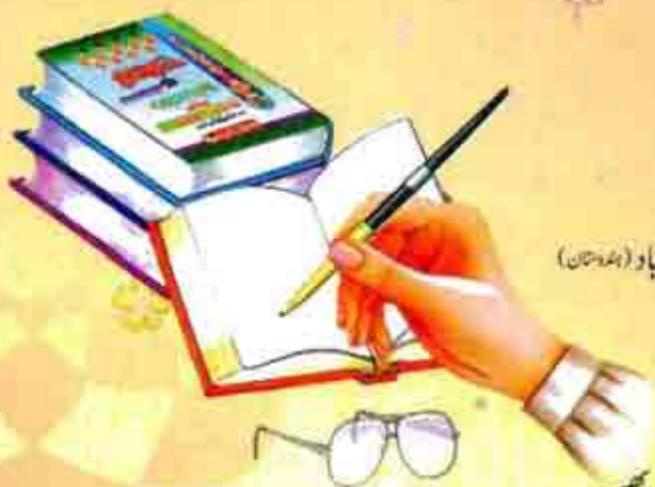


مجموعہ مقالات علمیہ

دربارہ

ایک مجلس کی تین طلاقیں



مشمولہ

کارروائی سیمینار

منعقدہ نومبر ۱۹۷۳ء - احمد آباد (ہندوستان)

شہادت کامل

دعوت فکر و نظر

از مولانا کریم شاہ ازہری آف بحیرہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (القرآن الحكيم)

مجموعہ مقالاتِ علمیہ

دوبارہ

ایک مجلس کتین طلاق

مشتمل پر

○ کارروائی سمینار منعقد نومبر ۱۹۷۳ء - احمد آباد (ہندوستان)

○ شبہات کا حل

○ دعوتِ فکر و نظر - از مولانا کریم شاہ ازہری آن مجاہد

ناشر

زعمانی کتب خانہ
حق سٹیٹ
اردو بازار
لاہور فون ۳۲۱۸۶۵

فہرست مضامین

| صفحہ نمبر | مضامین | نمبر شمار |
|-----------|--|-----------|
| ۳ | دیباچہ | ۱ |
| ۵ | پیش لفظ | ۲ |
| ۹ | مجلسِ مذاکرہ کی متفقہ رائے | ۳ |
| ۱۱ | سوالنامہ | ۴ |
| ۱۳ | سیمینار کی کارروائی | ۵ |
| ۱۷ | مقالہ (مولانا محفوظ الرحمن صاحب) | ۶ |
| ۲۷ | مقالہ (مولانا عروج قادری صاحب) | ۷ |
| ۴۹ | مقالہ (شمس پیر زاہد) | ۸ |
| ۷۲ | مقالہ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی) | ۹ |
| ۸۳ | مقالہ (مولانا انصار احمد صاحب ندوی) | ۱۰ |
| ۹۷ | مقالہ (مولانا عبدالرحمن صاحب) | ۱۱ |
| ۱۱۴ | مقالہ (مولانا حامد علی صاحب) | ۱۲ |
| ۱۷۵ | خطبہٴ صدارت (مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب) | ۱۳ |
| ۱۸۰ | طلاق کے معاملہ میں احتیاط کی ضرورت | ۱۴ |
| ۱۸۵ | اعتراضات کے جوابات | ۱۵ |
| ۱۹۵ | جماع کا غلط دعویٰ | ۱۶ |
| ۲۰۵ | مدیرِ تبلیغ کے اعتراضات کا لیے لاگ جائزہ | ۱۷ |
| ۲۱۷ | مقالہ "شعوبتِ نکر و نظر" (مولانا کریم شاہ) | ۱۸ |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض ناشر

تیسرے دن اور نامناسب تین طلاق“ جس کا پریشان کن رواج ہو چکا ہے) کے مسئلے پر ایک چھ سال پہلے (نومبر ۱۹۶۲ء) ہندوستان کے مشہور شہر احمد آباد رجسٹرار کاٹھیاواڑ میں ایک مجلس مذاکرہ (سینار) کا اہتمام کیا گیا جس میں حنفی اور اہلحدیث کے چند جید اور دردمند علماء شامل ہوئے تھے۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب دیوبندی مدظلہ العالی سربراہ ندوۃ المصنفین دہلی نے صدارت فرمائی تھی۔

اس سینار میں اس موضوع پر متعدد تحقیقی مقالے پڑھے گئے اور آخر میں بطور محاکمہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس مجلس مذکورہ کی روداد بعض مندرجہ اضافوں کے ساتھ اسلامک لیسٹریج سنٹر احمد آباد نے ایک مجلس کی تین طلاق — کتاب سنت کی روشنی میں نامی کتاب کی صورت (اکتوبر ۱۹۶۲ء) میں چھاپ دی تھی۔

علی ہند پاکستان میں بھی گذشتہ کئی سال اوپر دعوت فکر و نظر“ عنوان کے ہمارے ملک کے بہت افاضل اہل علم جناب مولانا کرم شاہ صاحب ماضی جامعہ زہرف پور نے بھی جو (ضعیف کی شاخ) بریلوی کتب خانہ کے ایک روشن خیال عالم اور ممتاز راہ نمائیں اس مسئلے میں ایک مفصل اور ذیلی تفصیلی مقالہ لکھی اور مندی دستوی شائع کر دیا۔

ان مقالات میں اس اہم متنازعہ مسئلے کے سارے متعلقہ پہلو اور ہر کتب خانہ کے لائل پورٹی تفصیل سے آگے ہیں۔ بنا بریں علمی مقالات اور تحریروں کا یہ مفید مجموعہ جمعیتہ الطہریہ لاہور افادہ عام کی غرض سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے اور قبول فرمائے۔ آمین

رحمۃ اللہ علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً

خاکسار: محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیالی۔ امیر جمعیتہ اہل حدیث لاہور شہر

(۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

مسلمان جن معاشرتی مسائل سے دوچار ہیں ان میں سب سے ابھرا ہوا مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاق کا ہے جس کو ایک طرف عوام کی جہالت اور نادانی نے اور دوسری طرف علمائے دین کے اختلافات نے کافی مشکل اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں اور بعد میں جب اسے معلوم ہوا کہ طلاق منغلظ ہو گئی ہے تو وہ پچھتانے لگا کہ اس سے یہ کیسی حرکت سرزد ہو گئی۔ خاص طور سے جب وہ اپنے بیوی بچوں کے مستقبل پر غور کرتا ہے تو اسے بڑی پریشانی ہوتی ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ کسی وقت غصہ میں تین طلاق کے الفاظ زبان سے نکل جانے پر طلاق منغلظ بائٹہ پڑتی ہے تو وہ ہرگز یہ الفاظ زبان سے نہ نکالتا۔ یہ صورت حال کم و بیش ہر جگہ پائی جاتی ہے اور ایک وقت کی تین طلاقوں کے نتیجے میں کتنی ہی زندگیاں تباہ اور کتنے ہی خاندان برباد ہو جاتے ہیں یا پھر حلالہ کرنے کا ناجائز اور گھناؤنا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس لئے اکٹھی تین طلاقوں کا مسئلہ سنجیدہ غور و فکر، تحقیق اور شریعت کے دائرہ میں موزوں حل کا تقاضا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر تطلقیات ثلاثہ کے موضوع پر ۲، ۵، ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء کو اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کی طرف سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔

سیمینار میں جو مقالات پیش کئے گئے تھے ان کو اور بحث و تمحیص کے بعد مجلس مذاکرہ مستفقتہ طور پر جس نتیجے پر پہنچی تھی اسے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے، تاکہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر سامنے آسکیں اور لوگوں کے لئے کسی نتیجے پر پہنچنا آسان ہو جائے۔ اس کا یہ منشاؤں ہرگز نہیں ہے کہ کسی کی تحقیق، رائے یا مسلک کو زبردستی لوگوں پر تھوپ دیا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ملت جن مسائل سے دوچار ہے ان کا حل نکالنے اور اختلافات کی خلیج کو کم کرنے کے لئے تحقیق کا انداز اختیار کرنے، مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء

اور مفکرین کو ایک جگہ جمع کرنے اور بحث و تمحیص کے ذریعہ کسی متفقہ نتیجہ پر پہنچنے کے طریقہ کو نظرِ استحسان دیکھا جائے گا اور اس کی پوری طرح حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

انہی میں ایک مضمون ”طلاق دینے میں اصلاح و احتیاط کی ضرورت“ کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ اس سے معاشرتی اصلاح میں مدد ملے جس کی شدید ضرورت کا اظہار مجلسِ مذاکرہ نے بھی اپنے متفقہ بیان میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ملت کے لئے اقداریت کا ذریعہ بنائے۔

حبیب الرحمن
اقبال وردق والا (ایڈووکیٹ)
کنوینز اسلامک ریسرچ سنٹر، احمد آباد

نوٹ:۔ زندگان کے طلاق نمبر میں مقالات کے تعلق ہو جانے کے بعد جو اعتراضات سامنے آئے ان کا مدلل جواب چند مقالہ نگار حضرات نے دیا ہے، اس کو بھی اس کتاب کے انہی میں شامل کر دیا گیا ہے۔

پیش لفظ

ازہ شمس پیرزادہ

تین یکجائی طلاقوں کے ایک یا تین واقع ہونے کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو قرونِ عاقبت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا بالکل عجیب بات نہیں ہے اور نہ اس سے کسی قسم کی گسراہی لازم آتی ہے بشرطیکہ یہ اختلافات شرعی دلائل پر مبنی ہوں اور خواہشات کا ان میں کوئی دخل نہ ہو۔ ایک وقت کی تین طلاقوں نے جو معاشرتی مسائل پیدا کر دیئے ہیں اور اسلام کے معاشرتی نظام کی جو غلط تصویر دنیا والوں کے سامنے پیش کر دی ہے، اس کے پیش نظر اس اختلافی مسئلہ پر از سر نو غور کرنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا دین و ملت کے مصالح کا صریح تقاضا ہے۔

اسی تقاضے کے پیش نظر ایک مجلس کی تین طلاق کے موضوع پر احمدیاد میں ایک سمینار منعقد کیا گیا تھا تاکہ ابتدائی طور پر اہل علم کی ایک مختصر سی مجلس باہمی مذاکرہ اور بحث و تمحیص کے ذریعہ مذکورہ مسئلہ کا حل تلاش کر سکے۔ الحمد للہ اسلٹاک ریورج سنٹر احمد آباد کی یہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی اور سمینار کے ذریعہ مسئلہ کے مختلف گوشے، موافق و مخالف دلائل اور مجلس کی متفقہ رائے جو اس اختلافی مسئلہ کے حل حیثیت رکھتی ہے سامنے آگئی۔ قدر دانوں نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس تاخیر کا اظہار کیا کہ اس قسم کے سمینار دیکراہم دینی و ملی مسائل مثلاً رویت ہلال کا مسئلہ، الشوریس کا مسئلہ وغیرہ پر بھی منعقد ہونے چاہئیں۔ لیکن جو حضرات اپنے مخصوص مزاج اور افتادِ طبع کی بنا پر وسعتِ ذہنی کا ثبوت نہیں دے سکتے انہوں نے حسب معمول اس مسئلہ کو بھی بحث و جدال کا موضوع بنا کر مناظرانہ انداز کی بحث شروع کر دی۔ یہی اس بحث میں الجھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، کیونکہ جو مقالات سمینار میں پیش کئے گئے تھے ان کا منشا تحقیق کرنا اور اپنے نتیجہ فکر کو پیش کرنا تھا نہ کہ اپنی بات اُلٹے سیدھے طریقہ سے منوانا۔ اس لئے اعتراضات سے ہم اسی حد تک تعرض کرنا چاہتے ہیں جس حد تک کہ مسئلہ کی تسبیح کے لئے تعرض کرنا ضروری ہے۔

مجلس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ:

”ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ معلقہ بانہ ہونے کا مسئلہ اجماعی اور قطعی نہیں ہے۔ اس میں

سلف ہی کے زمانہ سے اختلاف موجود ہے:

اس پر بعض گوشوں سے یہ اعتراض سامنے آیا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی نہیں بلکہ اجماعی ہے۔ لیکن مسئلہ سے متعلق جب الجھی ہوئی بحثیں، محدثین کی جرح و قدح اور نصوص کی تعبیر و تشریح میں علماء و فقہاء کے اختلافات سامنے آتے ہیں تو اجماع کے دعوے کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے اور یہ آسانی یا اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے جس میں راویوں کے اختلاف کے لئے پوری گنجائش موجود ہے۔

اسلامک ریسرچ سنٹر نے مقالہ نگار حضرات کو جو سوالنامہ بھیجا تھا اس میں ایک سوال اجماع کے بارے میں بھی تھا:

”کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے منقطع ہونے پر اجماع کا اجماع ہے؟“

اس سوال کا جواب مدلل طور پر ہر مقالہ نگار نے دیا ہے۔ ان جوابات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں سلف ہی کے زمانہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ لہذا اجماع کا دعویٰ کر کے لوگوں کو موعوب تو کیا جاسکتا ہے، لیکن اجماع ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کتنے ہی مسائل میں اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ اجماعی نہیں ہوتے۔ چنانچہ امام احمدؒ سے یہ قول منقول ہے کہ:

وما یدعی فیہ الرجل الاجماع ہوا الذنب۔ جو مسئلہ میں آدمی اجماع کا دعویٰ کرتا ہے اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے۔
من ادعی الاجماع فہو کذاب لعل الناس جو شخص بھی اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ ممکن ہے لوگوں نے
قد اختلفوا۔ ما یدریہ۔ ولم ینتہ الیہ اختلاف کیا ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو۔ اس کے بجائے
قلیل، لانہم الناس اختلفوا۔ سے بڑا کہنا چاہیے کہ: لوگوں کے کسی اختلاف کا بہین علم نہیں ہے۔

(علم اصول الفقہ، لیب الوصا غلطاً۔ ص ۴۹)

امام شوکانیؒ نے بھی امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

من ادعی وجوب الاجماع فہو کاذب۔ جو وجوب اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

(ارشاد الفول ص ۶۴)

پھر اجماع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجماع صریح اور دوسرا اجماع سکوتی۔ اجماع صریح یہ ہے کہ وقت کے تمام مجتہدین کسی بات پر متفق ہو جائیں اور ان میں سے ہر مجتہد صریح طور سے اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اصل طبع سکوتی یہ ہے کہ وقت کے بعض مجتہدین اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکیں اور بقیہ مجتہدین سکوت اختیار کریں۔

اکثر میں چیز کو اجماع کہا جاتا ہے وہ اجماع سکوتی ہی ہوتا ہے۔ لیکن اجماع سکوتی سے شرعی مجتہد قائم نہیں ہوتی۔ چنانچہ حنفی اصول فقہ کی کتاب نوامیہ الانوار میں ہے:

وَيَسْتَفْتِي هَذَا الْجَمَاعَةَ سَكُوتًا وَهِيَ مَقْبُولَةٌ عِنْدَنَا ۝ اے اجماع سکوتی کہا جاتا ہے جو ہمارے یہاں مقبول ہے،
وفیہ خلاف الشافعی۔

لیکن امام شافعی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

(نور الانوار۔ ص ۲۱۷)

الاستاذ عبدالوہاب خلاف لکھتے ہیں:-

پہلی قسم جو اجماع مرتع کی ہے، وہی اجماع حقیقی ہے اور جمہور کا مسلک اسی کے مجتہد شرعیہ ہونے کا ہے۔ دوسری قسم یعنی اجماع سکوتی تو ایسا اجماع اعتباری ہے کیونکہ سکوت اختیار کرنے والے کے بارے میں یقینی طور سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس سے متفق ہے۔ اس لئے یقینی طور پر اتفاق اور اجماع کا انعقاد ثابت نہیں ہوتا۔ اس بنا پر اس کے مجتہد ہونے میں اختلاف ہوا ہے۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک ایسا اجماع مجتہد نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا کہ یہ راضف چند مجتہدین کی ہو۔

(علم اصول الفقہ۔ ص ۵۱)

فقہ الزکوٰۃ کے مصنف یوسف القرضاوی اسی اجماع کو لائق احترام قرار دیا ہے جو متیقن ہو۔ اور وہ اجماع میں کا محض دعویٰ کیا جائے تو اس کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

اس سے اگر ہم کسی دلیل کی بنا پر اختلاف کریں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ فی الواقع اجماع نہیں ہے۔

(فقہ الزکوٰۃ۔ ج ۱، ص ۲۶)

موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں:

شریعت میں تغیر نہیں ہوتا لیکن فقہ میں تغیر ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت اللہ کی وحی ہے لیکن فقہ فقہوتی اور فضا لوگوں کا عمل ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ۔ ج ۱، ص ۲۲)

اجماع کے سلسلہ میں فقہاء نے جو شرائط بیان کی ہیں وہ بھی بڑی سخت ہیں۔ مثلاً کسی ایک مجتہد کے

اختلاف کو بھی اجماع میں مانع تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ نور الانوار میں ہے:

وَالشَّرْطُ اجْتِمَاعُ الْكُلِّ وَخِلَافُ الْوَاحِدِ صَالِحٌ ۝ سبکاً متفق ہونا شرط ہے۔ اگر ایک سے بھی اختلاف کیا تو وہ اجماع

کتاب الاکثر (نور اللوار۔ ص ۲۱۹) اسی طرح مانع ہو گا جس طرح کہ اکثریت کا اختلاف مانع ہوتا ہے۔
 عملہ شہوتانی لکھتے ہیں:-

”اگر ایک مجتہد نے بھی اختلاف کیا ہو تو جمہور کے نزدیک ناجامع ہوگا اور نہ محبت“ (اشفا القول ص ۵۵)
 پھر ثبوت اجماع کے لئے جمہور کے نزدیک شرط یہ ہے کہ تو اسے ثابت ہو۔ اہل مدینہ کے اجماع کو
 بھی جمہور محبت تسلیم نہیں کرتے۔

ان تصریحات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مسئلہ پر اجماع ثابت کر دیکھنا آسان
 نہیں ہے، اور اگر کسی اجتہادی مسئلہ میں اجماع سکوتی کا ثبوت مل بھی جائے تو اس کے محبت ہونے ہی پر جب
 اجماع نہیں ہے تو اس سے شرعی محبت کس طرح قائم ہوگی؟

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر نہ قرآن کی کوئی صریح نص
 ہے، نہ کوئی ایسی حدیث جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی، اور نہ ہی اجماع ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ قرآن و سنت کے نصوص کی
 تفسیر اور اجتہاد و استنباط سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں اختلاف چلا آ رہا ہے اور ایک مسلک
 مستقلاً اہل حدیث کے نام سے موجود ہے جو ایک وقت کی تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق تسلیم کرتا ہے۔
 اگرچہ مسلمانوں کو برحق تسلیم کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پانچویں مسلک کو بھی برحق تسلیم نہ کیا جائے جبکہ
 اس کی پشت پر علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم جیسے مجتہدین ہوں۔ لہذا ہر قسم کی تنگ نظری اور مسلکی
 عصبیت کو طلاق منغلظہ دیتے ہوئے لوگوں کے سامنے اس مسئلہ کو اس طور سے پیش کرنا چاہئے کہ یہ
 ایک اختلافی مسئلہ ہے اور دلائل دونوں طرف ہیں۔ اگر کوئی شخص تین یکجائی طلاقوں کو ایک قرار دینے والے
 مسلک کو اختیار کرتا ہے تو اس کی پوری گنجائش اسلام کے اندر موجود ہے اور اس سے کوئی گمراہی
 ہرگز لازم نہیں آتی۔

ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ پر مجلس مذاکرہ کی متفقہ رائے

اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد (گجرات) کی دعوت پر احمد آباد میں ۲۴، ۲۵، ۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء کو ایک مجلس میں تین طلاق کے موضوع پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ اس مجلس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب صدائل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے فرمائی۔ مفتی صاحب موصوف کے علاوہ اس مجلس میں درج ذیل علماء کرام نے شرکت فرمائی:-

(۱) مولانا محفوظ الرحمن صاحب (فاضل دیوبند) مدرس مدرسیت العلوم الیگاہوں

(۲) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی، میرٹھ برہان، دہلی

(۳) مولانا مختار احمد صاحب ندوی ناظم جمعیت اہل حدیث بمبئی

(۴) مولانا عبدالرحمن صاحب ابن شیخ الحدیث مولانا عبد اللہ صاحب رحمانی

(۵) مولانا سید احمد صاحب عروج قادری میر ہانہ نامہ زندگی رام پور (یو پی)

(۶) مولانا سید حامد علی صاحب سکریٹری جامعہ اسلامی ہند دہلی

(۷) مولانا شمس پیرزادہ صاحب امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر اسٹیٹ

اسلامک ریسرچ سنٹر نے ان حضرات کے علاوہ متعدد دوسرے علماء کرام کو بھی مدعو کیا تھا، مگر وہ اپنی مختلف معذوریوں کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔

اسلامک ریسرچ سنٹر نے ان حضرات کی خدمت میں ایک سوالنامہ بھی ارسال کیا

تسا جو صفحہ منسلک پر درج ہے۔

یہ مجلس مذاکرہ ”گجرات چیمبر آف کامرس ہال“ احمد آباد میں منعقد ہوئی جس میں مذکورہ بالا سات حضرات نے اپنے تحقیقی مقالے پیش فرمائے۔ ان مقالات میں مسئلہ مذکورہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب و سنت کی روشنی میں مدلل بحث کرتے ہوئے اپنا اپنا نقطہ نظر واضح کیا گیا تھا۔ مقالات میں مختلف فقہی نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی تھی۔

صدر مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی اپنی مصروفیات کے باعث

مقالہ مرتب نہ کر سکے تھے اس لئے انہوں نے مقالات کی خواندگی کے اختتام پر تقریر کی شکل میں اپنے خیالات پیش فرمائے جس میں دوسرے قیمتی مشوروں کے علاوہ نقطہ اتفاق تلاش کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ تقریر کے بعد مسئلہ مذکور پر بحث و تحقیق کا آغاز ہوا جس کے بعد مجلس مذاکرہ متفقہ طور پر حسب ذیل نتیجہ پر پہنچی :-

- ۱۔ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاق منقطعہ بائنہ ہونے کا مسئلہ اجماعی اور قطعی نہیں ہے۔ اس میں سلف ہی کے زمانے سے اختلاف موجود ہے۔
- ۲۔ فقہی جزئیات و تفصیلات سے قطع نظر مندرجہ ذیل دو صورتوں کے بارے میں مجلس مذاکرہ کی رائے یہ ہے:

(الف) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے طلاق، طلاق، طلاق کہتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی، میں نے طلاق کا لفظ تاکید کے لئے دہرایا تھا تو اس کی اس بات کو یاد کیا جائے گا اور یہ طلاق، طلاق منقطعہ بائنہ شمار نہ ہوگی۔

(ب) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے "تھے تین طلاق" مگر وہ حلفیہ بیان دیتا ہے کہ میری نیت تین طلاقیں دینے کی نہیں تھی، میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تین طلاق کا لفظ کہے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لئے میں نے تین طلاق کے الفاظ استعمال کئے تھے، تو اس کی بات باور کی جائے اور یہ طلاق، طلاق منقطعہ بائنہ شمار نہ ہوگی۔

۳۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو طلاق کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا طریقہ بدعت و معصیت اور عورت کے حق میں ظلم و زیادتی ہے۔ طلاق کے اس غلط طریقہ سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہئے اور طلاق دینا ضروری ہی ہو تو ایک طلاق پر بس کرنا چاہئے اور یہ طلاق بھی عورت کی پائی کی حالت میں دینی چاہئے جس میں شوہر نے اس سے مقاربت نہ کی ہو۔

تخط

- ۱۔ محفوظ الرحمن ۲۔ سعید احمد اکبر آبادی ۳۔ مختار احمد ندوی ۴۔ سید احمد قادری ۵۔ عبدالرحمن رحمانی
- ۶۔ حامد علی ۷۔ شمس پیرزادہ ۸۔ عتیق الرحمن عثمانی (صدر مجلس مذاکرہ)

تَطْلِيقَاتِ ثَلَاثَهٗ

سوالنامہ

[سیدنا میں حصہ لینے والوں کی خدمت میں ایک سوالنامہ روا کر گیا تھا تاکہ وہ اپنے مقالہ اس کی روشنی میں مرتب فرمائیں۔ مذکورہ سوالنامہ کا مضمون درج ذیل ہے۔]

عام طور سے لوگ جہالت اور شرعی احکامات سے ناواقفیت کی وجہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں جب طلاق کے منغلظ ہونے کا فتویٰ ملتا ہے تو وہ پھپھکتے لگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میری نیت میں طلاق دینے کی نہیں تھی، محض تاکید کے طور پر طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرایا تھا اور کوئی کہتا ہے کہ تین طلاق کے الفاظ میں نے اس لئے استعمال کئے تھے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

پھر ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو منغلظ قرار دینے کے بعد حلالہ کرنے کی قبیح صورتیں تجویز کی جاتی ہیں اور ناروا حیلے تلاش کئے جاتے ہیں۔ اس صورت حال نے ایک طرف تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں مشکلات پیدا کر دی ہیں اور دوسری طرف مسلم پرسنل لا اور اسلامک نظام معاشرت کے مخالفین اس صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کا سہارا لے کر دین پر حرف زنی کرتے ہیں۔ اس لئے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مسئلہ کا کوئی حل تلاش کرنا ہے۔

مجلس مذاکرہ کے لئے جوہر، ۵، اور ۶ نومبر ۱۹۸۶ء کو احمد آباد میں منعقد ہو رہی ہے۔ آپ جو مقالہ مرتب فرمائیں گے اس میں اپنے نقطہ نظر کو مدلل طور پر پیش کرنے کے ساتھ درج ذیل سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمائیں تو مناسب ہوگا۔

(۱) کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرانے سے یعنی بیک وقت طلاق، طلاق طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہو کہ

- میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی؟
- (۲) کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے، لفظ "تین" کی صراحت کے ساتھ لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین کا لفظ جب تک استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک؟
- (۳) کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے منعظہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو ان علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔
- (۴) آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلہ کا کیا حل ہے؟ اسے ایک شمار کیا جانا چاہئے یا تین؟

محمد حبیب الرحمن
اقبال ورق والا ایڈوکیٹ
کنوینز اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد

سیمینار کی کارروائی

ستمبر ۲۰۲۰ء میں اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر تطبیقاتِ ثلاثہ کے موضوع پر ایک سیمینار کرنے کا فیصلہ کیا اور بلک کے سلیجے ہوئے علمائے کرام کو دعوت نامے جاری کر دیئے جن کے جوابات بہت حوصلہ افزا موصول ہوئے۔ متعدد علماء نے اراکین سنٹر کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے جدید حالات و ضروریات زمانہ کے پیش نظر فقہی مسائل میں غور و فیصلہ کی شدید ضرورت کا اظہار کیا۔

سیمینار کے لئے ۲۷، ۲۸، ۲۹ نومبر ۲۰۲۰ء کی تاریخیں مقرر کی گئیں۔ جوں جوں تاریخیں قریب آتی گئیں احمد آباد کے نوجوان مستعدی سے انتظامات میں لگ گئے اور ایک ٹیم ورک کی طرح کام شروع کر دیا۔ سیمینار کے لئے گجرات پیمبر آف کامرس کا شاندار ہال Engage کیا گیا تھا، جہاں نشست کا نہایت معقول انتظام اور پُر سکون ماحول تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مقررہ تاریخ کو مدعو علماء، حضرات تشریف لے آئے جن کا قیام احمد آباد کی نہایت عزیز اور علم دوست ہستی جناب منسل صاحب کے وسیع مکان میں رہا۔

سیمینار ۲۷، ۲۸، ۲۹ نومبر کو انعقاد پذیر ہوا جس میں حصہ لینے والوں کے اسم گرامی درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت
- ۲۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ”بہارِ حیات“ دہلی
- ۳۔ مولانا سید احمد عروج قادری صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ”زندگانی“ راسپور
- ۴۔ مولانا مختار احمد ندوی صاحب صدر جمعیت اہل حدیث بمبئی
- ۵۔ مولانا سید حامد علی صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند
- ۶۔ مولانا محفوظ الرحمن قاسمی صاحب استاذ مدرسہ بیت العلوم الیگازوں
- ۷۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب
- ۸۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب امیر جماعت اسلامی بہار اشتر

صدارت کے فرائض مولانا مفتی قلیق الرحمن صاحب نے انجام دیئے، مذاکرہ کا انتہاج مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جناب حبیب الرحمن صاحب امیر جماعت اسلامی احمد آباد نے مذاکرہ کی غرض و نیت بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ یوں تو متعدد مسائل ہیں جو جدید حالات و ضروریات زمانہ کے پیش نظر مسلم عوام کے لئے اچھے اور پشیمانی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہم نے ایک مجلس میں تعین طلاق کے مسئلہ کو فوقیت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ کی صحیح واقفیت نہ ہونے اور مناسب رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جس کی مثالیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں لوگ جذبات سے مغلوب ہو کر تین طلاق دے بیٹھتے ہیں اور پھر جب پشیمانی ہوتی ہے تو مختلف جیلوں بہانوں سے اپنی مطلب برآری کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا ضرورت محسوس ہوئی کہ شریعت کے اس مختلف فیہ مسئلہ پر بحث و گفتگو کے لئے ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی جائے جس میں ملت کے مختلف مکاتب فکر کے اصحاب علم اور صاحب الرائے علماء کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ جدید معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر زیر بحث مسئلہ میں اتفاق رائے سے کوئی فیصلہ کریں۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد نے آپ حضرات کو تکلیف دی ہے۔ میں سنٹر کی طرف سے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ اتحاد و اتفاق کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد مولانا محفوظ الرحمن قاسمی صاحب نے اپنی تقریر میں مذاکرہ کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کے ذمہ داران قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے وقت کے ایک اہم مسئلہ پر امت کے مختلف مکاتب فکر کے علماء کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ مسئلہ واقعہ ہماری اولین توجہ کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کے مناسب حل کے سامنے نہ ہونے کے باعث مسلم معاشرہ میں طرح طرح کی خرابیاں رونما ہو رہی ہیں۔ جس کی چند مثالیں مولانا نے پیش کیں۔

مولانا سید احمد عروج قادری صاحب نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا: دین اسلام کے معاشرتی مسائل جڑے ہوئے ہیں اس کے عقائد سے۔ لہذا توحید، آخرت اور رسالت کی حقیقت کو اچھی طرح مسلمانوں کے ذہن نشین کرایا جائے تو اس طرح کے معاشرتی مسائل بھی آسانی کے ساتھ

حل ہوں گے۔ مذکورہ بنیادی عقائد اور اُن کے تقاضے اچھی طرح ذہن نشین ہوں تو طلاق کے معاملہ میں بھی لوگ ٹھیٹ اسلامی طریقہ طلاق کو اختیار کریں گے اور اُس پر لقمہ کو چھڑ دیں گے جو آج کل معاشرہ میں رواج پا چکا ہے اور جس کے بعد پشیمانی ہوتی ہے :

مولانا مختار احمد ندوی صاحب نے بھی موضوع زیر بحث پر سیمینار منعقد کرنے پر اجماع آباد کے لوگوں کی تحسین فرمائی اور علماء کرام سے اپیل کی کہ وہ سلک کے اختلافات سے ہٹ کر اس اہم مسئلہ میں اعتدال کی راہ اختیار فرمائیں۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ: میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک مختلف فیہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اُمت کے مختلف انجیال علمد جمع ہو گئے ہیں اور اس سلسلہ میں اسلامک سنٹر قابل مبارک باد ہے کہ اُس نے ایک مختلف فیہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک بہت ہی سنجیدہ، باوقار اور علمی طریقہ اختیار کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ آپ نے معاشرتی خرابیوں کے چار اہم اسباب کا ذکر کیا ہے: (۱) روایت پرستی (۲) فقہی ٹوشنگافیاں (۳) اجتہاد کا دروازہ بند کرنا (۴) کسی ایک فقہی مسلک سے چمٹ کر رہ جانا۔ آپ نے کہا "ہمارے علماء جب تک کھلے ذہن کے ساتھ اور براہ راست قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل پر غور نہیں کریں گے، اُمت کے پیچیدہ مسائل کا کوئی حل نہیں نکل سکے گا۔"

سیمینار کی اس اہم نشست میں مہمان علماء کرام کے علاوہ شہر کے پڑھے لکھے باشعور حضرات نے بھی شرکت کی اور اہل علم کی تقاریر کو غور سے سنا۔ اس کے بعد دوپہر میں مقالات کی خواندگی کا دور شروع ہوا جو دوسرے دن تک جاری رہا۔ پہلا مقالہ مولانا محفوظ الرحمن قاسمی (بلیک ماؤں) نے پیش کیا۔ اس کے بعد علی الترتیب مولانا عروج قادری صاحب، مولانا شمس پیرزادہ صاحب، مولانا سعید احمد آبادی صاحب، مولانا مختار احمد ندوی صاحب، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب اور مولانا حامد علی صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے پیش فرمائے۔ ان مقالات میں مسئلہ مذکورہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب و سنت کی روشنی میں مدلل بحث کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر واضح کیا گیا تھا اور مختلف فقہی نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی کی گئی تھی۔

صدر مجلس مولانا مفتی قنین الرحمن صاحب اپنی مصروفیات کے باعث مقالہ مرتب نہ کر سکے تھے، لہذا موصوف نے مقالات کی خواندگی کے اختتام پر تقریر کی شکل میں اپنے خیالات پیش فرمائے۔ صدر قی تقریر کے بعد مسئلہ مذکور پر بحث و تمحیص کا آغاز ہوا اور درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(۱) مولانا سید حامد علی صاحب (۲) مولانا عروج قادری صاحب (۳) مولانا شمس پیرزاد صاحب
مذکورہ کمیٹی نے اپنی نشست میں بحث کے بعد بیان کا مسودہ تیار کیا جو ۶ نومبر کے صبح کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ شرکائے اجلاس نے اس پر غور و بحث اور ترمیم و اضافہ کے بعد اسے آخری شکل میں متفقہ طور پر منظور کیا اور اس پر آٹھوں شرکائے مجلس نے اپنے دستخط ثبت کئے۔ مجلس کا یہ بیان صفحہ ۹ پر درج ہے۔

اس کے بعد شرکار کی طرف سے آئندہ مجلس مذاکرہ کے سلسلہ میں شورے سامنے آئے۔ مسائل حاضرہ پر کتاب و سنت کی روشنی میں اجتماعی طریقہ سے غور و بحث کے ذریعہ نقطہ اتفاق تلاش کرنے کو علماء حضرات نے پسند کیا اور اس خیال کا اظہار فرمایا کہ آئندہ جو سیمینار منعقد کئے جائیں وہ درج ذیل موضوعات پر ہوں:-

۱۔ رویت ہلال کا مسئلہ

۲۔ سرکاری اداروں سے سود پر قرض حاصل کرنے کا مسئلہ

۳۔ نس بندی اور تحدید نسل کا مسئلہ

۴۔ فوٹو کا مسئلہ

اس کے بعد جناب حبیب الرحمن صاحب کنوینر اسلامک ریسرچ سنٹر نے شرکار کا شکریہ ادا کیا اور دعا پر اجلاس ختم ہوا۔

مرتب
عبدالرحمن شیخ

تطبيقات ثلاثه كالمسئله
الحق

مولانا محفوظ الرحمن قاسمی

فاضل دیوبند مدرس مدرسہ بیت العلوم، مالیکاؤں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طلاق ثلاثہ کے موضوع پر غور و فکر کرنے کے لئے میرے نزدیک چار بنیادیں ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد میں فیصلہ کرنا چاہئے کہ ہمارے لئے موجودہ حالات میں کون سا راستہ زیادہ قابل قبول اور قابل عمل ہے۔

۱۔ کیا تین طلاق کو ایک سمجھنے کا خیال دورِ نبوت سے ہی آ رہا ہے؟ اور کیا امامِ اہل سنت میں اس کے لئے کوئی بنیاد موجود ہے یا نہیں؟ اگر اس کی بنیاد موجود ہے اور دورِ نبوت سے ہی بحث و گفتگو کی گنجائش چلی آ رہی ہے تو اب ہمارے لئے اور مسلوں کی طرح یہاں بھی دیکھنا ہوگا کہ ہمارے معاشرے سے کونسی صورت زیادہ مناسب ہے، اس کو اختیار کر لیا جائے۔

۲۔ غور و فکر کی دوسری بنیاد یہ کہ کیا تین طلاقیں ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شے ہے؟ اگر نہیں تو کیوں نہ ایسی شکل پر غور و فکر کیا جائے جو سنت کے مطابق اور شریعت کے منشا کے عین مطابق ہو۔

۳۔ غور و فکر کی تیسری بنیاد، کیا فقہ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اقوال سے ہٹ کر کسی دوسرے امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا جائے۔

۴۔ غور و فکر کی چوتھی بنیاد ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات، ہیں کون سی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ قانون کی عمرگی کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس میں معاشرہ کے لئے زیادہ سے زیادہ خیر و صلاح کی ضمانت ہو۔

آئیے، اب ہم پہلی بنیاد پر غور کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہے اور اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ ہمیشہ سے اسے تسلیم کرتا آیا ہے۔ اس کے لئے ہم مختصراً چار امارتِ نقل کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے، ابو صہبانہ نے ابن عباس سے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین طلاقیں دورِ نبوت، اور دورِ ابو بکر اور خلافتِ عمر کے ابتدائی برسوں میں ایک ہی مانی جاتی تھیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! یہ بات مجھے معلوم ہے۔ مسلم، ابوداؤد، نسائی، حاکم، بیہقی میں ہے، ابن عباس

فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور ابو بکرؓ کے زمانے میں اور خلافتِ عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ لوگ اُس معاملہ میں جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں جس میں اُن کے لئے توسع تھا۔ لہذا ہم اس کو جاری کر دیں، سو آپ نے جاری کر دیا۔ ابوداؤد کی روایت ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بِنَهْجٍ وَاحِدَةٍ فَهِيَ طَالِقَةٌ (کسی نے اگر ایک ہی جملہ سے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہی ہے)۔ مسند احمد جلد اول میں واقعہ مذکور ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور حضورؐ نے اُن کو مراجعت کرنے کا اختیار دیا۔ اِن احادیث میں سے اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو یا عملِ کلام ہو تو اور متعدد طریقوں سے جو مرویات آتی ہیں وہ اس ضعف کی تلافی کر دیتی ہیں۔ مولانا عبدالحی کھنوی عمدة الرایة جلد دوم صفحہ ۲ پر تحریر فرماتے ہیں: وَالْقَوْلُ الثَّلَاثِي أَنتَهُ إِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا نَفْعًا وَاحِدَةً رُضْعِيَّةً وَهَذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ بَعْضِ الْمُصْحَابِ وَبِهِ قَالَ دَاوُدَ الظَّاهِرِيُّ وَأَتْبَاعُهُ وَهُوَ أَحَدُ الْعُلَمَاءِ الْمَالِكِيِّينَ وَبَعْضُ أَصْحَابِ أَحْمَدَ - (یعنی دو ساقول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دیدے تب بھی ایک رجمی پڑے گی اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ سے منقول ہے۔ داؤد ظاہری اور اُن کے تبعین اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام احمدؒ کے بعض اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں)۔ علامہ عینی نے عمدة القاری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۲ پر تحریر فرماتے ہیں: طَاوُوسُ، ابْنُ اَبِي حَتْمَةَ، حُجَّاجُ ابْنِ اِرطَاةَ، غُنْجِيُّ ابْنِ مِقَاتٍ اور ظاہریہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدے تو ایک واقع ہوگی۔ ان لوگوں نے ابوصہبہ کی اُس روایت سے استدلال کیا ہے جو مسلم شریف میں ہے۔ آپ ناموں کی فہرست پر نگاہ ڈالئے، یہ حضرات اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کی فہرست میں آتے ہیں۔ حضرت طاووسؓ زبردست فقیہ ہیں، محمد بن اسمعیل امام المغازی ہیں، حجاج بن ارقمؓ کوفہ کے مشہور فقیہ ہیں، ابراہیم غنمی امام ابو حنیفہ کے استاد ہیں اور محمد بن مقاتل باری امام ابو حنیفہؓ اور امام محمدؓ کے شاگرد رشید ہیں۔ علامہ عینی کی جو عبارت اور پر منقول ہوئی قریب قریب انھیں الفاظ کے ساتھ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی لکھا ہے۔ امام نووی شارح مسلم نے صفحہ ۱۲ جلد اول میں بھی قریب وہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۱۲ پر علامہ شوکانی لکھتے ہیں: اور اہل علم کا اک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق، طلاق کے کچھ واقع نہیں

ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے: "صاحب بھرنے اس کو ابو موسیٰ اشعریٰ اور ایک روایت حضرت علیؓ سے اور ابن عباسؓ سے طاؤس، عطار، جابر بن زید، ہادی، قاسم، ہاشم، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علیؓ سے نقل کی ہے۔ اسی طرف متاخرین کی اک جماعت گئی ہے، جس میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور متفقین کی ایک جماعت شامل ہے، اور ابن المنذر نے اس کو اصحاب ابن عباس، عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے، اور مشائخ قرطبہ محمد بن لقبی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا فتویٰ اس قول پر نقل کیا ہے۔ ابن معیث نے اس کو عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن عوام، فضالہ بن عیاض سے نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ ان کے جہاد ابوالبرکات عبداللہ بن عبدالسلام حوانی بھی کبھی کبھی طلاق ثلاثہ کے ایک طلاق حرجی ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر ص ۲۸۸ جلد دوم میں ہواختیار و کثیر من علیہ الدین کا لفظ نقل کیا ہے۔ یعنی یہی مسلک بہت سے علماء دین کا پسندیدہ ہے۔ روح المعانی جلد ۲ ص ۱۲ پر ہے: "وخالف فی ذلک الإمامیۃ وبعض من أهل السنۃ كما شیخ أحمد بن قیمیۃ ومن اتبعہ" (یعنی اس مسئلے میں امامیہ اور بعض اہل سنت والجماعت کے افراد جیسے علامہ ابن تیمیہ اور ان کے متبعین احناف کے خلاف ہیں)۔ امام طحاوی نے بھی معانی الآثار ص ۲۱ جلد ۲ میں ابن عباسؓ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "فذهب قوم إلى أن الترجل إذا طلق المرأة ثلاثاً معاً وقعت علیہ واحدۃ"۔ امام طحاوی نے بھی لفظ قوم سے کثیر افراد ہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بتلایا ہے کہ ابتدا ہی سے یہ مسئلہ اجتہادی رطل اور کوئی واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ معاملہ حضورؐ تک پہنچا اور آپؐ کی کوئی اک شکل متعین فرمادی۔ وہ لکھتے ہیں: "وهذا مسألة إجماعاً کانت علی عهد رسول الله صلی الله علیہ وسلم ولدیور فی التصحیح اتقارفت الیہ فقال فیہا شیئاً ہمارے احناف بھی مثلاً قہستانی اور طحاوی وغیرہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صدر اول میں تین طلاق ایک ہی کبھی جاتی تھی۔ طحاوی در مختار ص ۱۸۸ جلد دوم کے حاشیہ میں اس کو نقل فرماتے ہیں: "انہ کما فی القدر الاول اذا ارسل الثلاث جملۃ لم یکم إلا بوقوع واحدۃ"

إلى زمن عمر رضي الله عنه ثم حكم بوقوع الثلاث سياسةً تكثرت بين الناس :
 کہ تانی نے جامع الرموز ص ۳۲ اور مجمع الانہر شرح ملتقى الابہر ص ۲۲ میں قریب قریب
 وہی الفاظ نقل کئے ہیں، لہذا اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔

عصر حاضر کے علماء میں علامہ شبلی نعمانی نے بھی الفاروق میں طلاق ثلاثہ کو تین ماننا
 حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا ہے۔ آخر مسلم شریف ہی میں تو موجود ہے کہ عمرؓ نے
 اس کو جاری کر دیا۔ اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ در اول میں تین کا تین بکھنا عمومی طور سے
 نہ تھا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ علامہ ابن تیمیہ نے
 اپنے اس خیال کو کہ تین طلاق لفظ واحد سے ہو تو ایک ہی سمجھی جائے گی، اس کی نظیر میں پیش
 کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شریعت لعان میں چار قسموں کو ضروری قرار دیتی ہے۔ مگر ایک
 ہی لفظ سے کوئی چار قسمیں کھالے تو ہمارے فقہاء اس کو ناکافی سمجھتے ہیں۔ وہ الگ الگ
 چار قسموں کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر شریعت تین طلاق کو مباح کرتی ہے اور
 یکجا استعمال کو معصیت بھی بتلاتی ہے تو ضروری ہے کہ ان کو الگ الگ رکھا جائے اور
 ایک جملے سے ادا کی جانے والی تین طلاق کو ایک ہی سمجھا جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح
 رمی ہمارے لئے سات کنکریوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک ہی دفعہ میں سات کنکریاں
 مار دے تو وہ ایک ہی سمجھا جائے گا۔ جس طرح کسی نے قسم کھایا کہ وہ حضورؐ پر ایک لاکھ
 درود شریف پڑھے گا۔ اب اگر اُس نے صلی اللہ علیہ وسلم مائتہ الفین کہہ دیا تو یہ
 ناکافی سمجھا جائے گا۔ بلکہ الگ الگ ایک لاکھ درود پڑھنا پڑیں گے جب جا کر وہ قسم
 پورا کرنے والا کہلائے گا۔ ہمارے علماء ان قیاسات کو قیاس مع الفارق بتلاتے ہیں۔
 مگر ان تاویلوں کی حیثیت اتنی قوی نہیں کہ اس میں گفتگو کی گنجائش نہ ہو۔

ان تمام تحریروں پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تین کو ایک کہنے کا خیال بعد
 کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد وود نبوت اور زور صحابہؓ ہی میں ملتی ہے اور اس کے
 حق میں بھی نقلی اور عقلی دلائل ہیں اور شروع ہی سے علماء اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ
 اسی کو مانتا آ رہا ہے۔ لہذا طلاق ثلاثہ کو ایک باور کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اگر صحیح

نہیں تو صحیح ضرور ہے، راجح نہیں تو مرجوح کہہ لیجئے مگر لغو اور باطل نہیں کہا جاسکتا۔
 غور و فکر کی دوسری بنیاد تھی کہ کیا تین طلاق ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شے
 ہے؟ — اس کا جواب بالکل نفی میں ہے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
 صرف تاپسندیدہ ہی نہیں، سخت معصیت کا موجب بھی ہے۔ نسائی میں روایت ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں
 دے ڈالی ہیں۔ حضور یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: **أَيْلَعِبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا
 بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟** کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔
 اس حرکت پر حضور کے غصہ کی کیفیت دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا، کیا میں اُسے قتل نہ کر دوں۔
 امام طحاوی نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ
 میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ **إِنَّ عَمَلَكَ عَمَى
 اللَّهُ فَاتَمَّ وَأَطَاعَ الشَّيْطَانَ**۔ (تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا ارتکاب کیا اللہ شیطان کی پیروی
 میں اللہ بن عمرؓ کے قتلے میں داخل ہو گیا اور ابن ابی شیبہ نے جو تفصیل لکھی ہے کہ حضور نے جب حضرت
 عبداللہ بن عمرؓ کو اُن کی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے پوچھا۔ اگر میں اس کو تین
 طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا تھا۔ فرمایا، **لَا كَانَتْ تَبِينَ مِنْكَ وَكَانَتْ مَعْصِيَةً**
 (نہیں، وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ فعل معصیت ہوتا)۔ علامہ زعزعی نے تفسیر کشاف میں بیان کیا
 ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جو شخص ایسا آتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں
 اُسے وہ مارتے تھے اور اُس کی طلاقوں کو نافذ کر دیتے تھے۔ سعید بن منصور نے یہی بات
 صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ اس معاملہ میں صحابہ کرام
 کی امام رائے وہ ہے جس کو صاحب فتح القادری نے جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ پر نقل کیا ہے کہ امام محمدؒ
 ابراہیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ **إِنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَانُوا يُسْتَحْتَبُونَ أَنْ
 يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً ثُمَّ يَتْرُكُهَا حَتَّى تَحْمِيضَ ثَلَاثَةَ حَمِيضٍ** (صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند
 فرماتے تھے کہ آدمی بیوی کو صرف اک طلاق دے اور اُسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اسے تین حمیض آجائیں۔)
 یہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں۔ خود امام محمدؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ **كَانُوا يُسْتَحْتَبُونَ أَنْ لَا يَزِيدُوا**

فی الطلاق علی واحدۃ حتی تنقضی العدۃ :- (اُن کو پسندیدہ طریقہ تھا کہ طلاق کے معاملہ میں ایک سے زیادہ نہ بڑھیں یہاں تک کہ حدت پوری ہو جائے۔) اسی لئے ہمارے فقہاء کرام اس طلاق ثلاثہ کو طلاق بدی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بدعت کہنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ طلاق حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ وہ ملتے ہیں کہ یہ ثابت ہے، صرف موجب عتاب اور معصیت ہونے کی وجہ سے اس کو مغلظ اور طلاق بدعت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ الالبانہ صفتاً جلد دوم میں فرمایا: "کرہ ایضاً جمع الطلقات الثلاث فی طہور واحدۃ" (ایک ہی طہر میں تین طلاقوں کا جمع کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔) اور یہ فعل شرعی حکمتوں اور مصالح کو مائل کرنے والا ہے۔ سابقہ تصحیحات سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا شریعت کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو نفس طلاق ہی کو انقضائے الحلال کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما أحل الله شيئاً أبغض إليه من الطلاق"۔ (اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا ہے جو طلاق سے بڑھ کر اُسے ناپسند ہو۔) اسی لئے ہمارے فقہاء کی تصریح ہدایہ اولین میں موجود ہے۔ "الأصل فی الطلاق هو الخطر۔ شریعت نے کچھ عظیم مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے طلاق کو مشروع کیا ہے اور کہا ہے کہ بوقت شدید ضرورت اس کا استعمال درست ہے۔ اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے ما ثبت بالضرورة فهو یقتد ربقدر الضرورة۔ (جو چیز کسی خاص مجبوری اور ضرورت کے لئے مباح کی جائے گی وہ صرف اسی قدر مباح ہوگی جس سے ضرورت پوری ہو جائے۔) مثلاً بوقت ضرورت مردار حلال کیا گیا ہے تو اس میں قید لگا دی گئی ہے کہ صرف اتنی مقدار میں مردار حلال ہے جس سے رشتہ زندگی کو باقی رکھا جاسکے۔ غیْر بایع ولا عا د۔ اب اگر کوئی شخص ایک ہی دفعہ میں تین طلاق کا استعمال کرتا ہے تو وہ سخت معصیت کا کام کرتا ہے۔ امام مالکؒ تو دو طلاق کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ہدایہ اولین میں ہے: "وقال مالک انہ بدعت ولا یباح إلا واحدۃ لأت الأصل فی الطلاق هو الخطر والإباحة لحاجة الخلاص وقتہ اندفعت بالواحدۃ"۔ (دو طلاق ہی بدعت ہے ہر ایک مرتبہ میں ایک ہی مباح ہے۔ کیونکہ نفس طلاق خود اولاً ناپسندیدہ شے ہے اور طلاق کی اباحت ایک ضرورت کے تحت تھی اور وہ ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے۔)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق بیک وقت معصیت ہے۔
تو کیوں نہ اس معصیت کے روکنے کا انتظام کیا جائے اور اس کا دروازہ ہی بند کر دیا
جائے اور شریعت کی مصلحتوں کو طلاق کے سلسلہ میں باقی رکھا جائے۔ علامہ فخر الدین رازی
نے تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۲۱ میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ "تم القائلون اختلفوا
على قولين، الأول هو اختيار كثير من علماء الدين أن لا يوطقها اثنين أو ثلاثا لا يقع
إلا واحدة، وهذا القول هو الأقوى لأن التثنية يدل على اشتغال المنه عن علي
مفسدة راجحة، والقول بالوقوع سمي في ادخال تلك المفسدة في الوجود وإنه غير جائز
فوجب أن يحكم بعد الوقوع" (یعنی بہت سے علماء دین کا کہنا ہے کہ جو بیک وقت دو یا تین طلاق
رہتا ہے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور وہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے
منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور شرابی پر مشتمل ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس
مفسدہ اور شرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے اور یہ بات جائز نہیں۔ لہذا ہم وقوع کا حکم لگانا واجب ہے۔)
بالکل یہی بات تفسیر نیشاپوری میں بیان ہوئی ہے۔ الفاظ یکساں ہونے کی وجہ سے ہم اسے
نقل نہیں کریں گے، اور یہی رائے قاضی ثناء اللہ بانی تہی حنفی کی ہے۔ انھوں نے اپنی معروف
مشہور تفسیر منظر ہری میں اطلاق مَرَّتَانِ کے تحت لکھا ہے۔ "وكان القياس أن لا يكون
الطلاقان المبتعان معتبراً شرعاً، وإذا لم يكن الطلقتان المبتعان معتبراً لم
يكن الثلاث مجتمعة معتبراً بالطريق الأولى لوجودها فيصاح زيادة" (اور قیاس کا
افتناء یہ ہے کہ دو طلاق مجموعی معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاق مجموعی معتبر نہ ہوں گے تو بیک وقت تین طلاق بطریق
اولیٰ معتبر نہ ہوں گی، کیونکہ دو کا حد تین کے اندر ایک زائد کے موجود ہے۔) اس رائے کی وجہ انھوں نے
اپنی تفسیر میں لکھ دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

اس پر اس طرح بھی غور کیجئے کہ اللہ پاک نے بندوں کو نکاح کرنے کا حکم چند شرائط
کی پابندی کے ساتھ دیا ہے۔ ان میں ایک شرط یہ ہے کہ آیام عادت میں نکاح نہ ہو۔ پس
جو شخص آیام عادت میں عورت سے نکاح کرے تو اس کا نکاح منقذ نہ ہوگا اور یہ نکاح ایسا
ہوگا جیسے نکاح کیا ہی نہیں۔ پس اسی طرح اگر کوئی شخص آیام منہی عنہ اور اوقات ممنوعہ

میں طلاق دیتا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔ مولانا شیخ محمد تھانوی جو حضرت تھانوی مرحوم کے استاد بھی تھے، لکھتے ہیں: **الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ**، معناه مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ فَالتَطْلِيقُ الشَّرْعِيُّ عَلَى التَّصْرِيفِ دُونَ الْجَمْعِ وَالْإِسْوَاقِ مَرَّةً وَاحِدَةً: (ماشائے نسائی ص ۱۲۱ جلد ۱) آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے۔ پس طلاق شرعی وہ ہے جو متفرق طور پر متفرق طہروں میں دی جائے، نہ یہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں۔ (مولانا موصوف اس طلاق ثلاثہ کو سرے سے غیر شرعی طلاق قرار دیتے ہیں، اور علامہ سندھی حنفی بھی قریب قریب یہی تحریر فرماتے ہیں۔ بحوالہ سابق مہتمم ہوا کہ بیک وقت تین طلاق بہر حال معصیت اور گناہ ہے۔

غور فرم کر کی تیسری بنیاد تھی، کیا فقہ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے مجتہدین کی آراء پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ اس کے متعلق میں واضح الفاظ میں عرض کر دوں کہ عرف و مصلحت اور حالات کی جتنی رعایت فقہ حنفی میں ملحوظ رکھی گئی ہے شاید دوسری جگہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملاً فقہ حنفی کو تنفیذ احکام سے ایک مدید و طویل مدت تک واسطہ رہا ہے۔ ہمارے فقہا ان احکام کو جن میں مصالح عامہ کے پیش نظر حکم نکایا گیا ہے، استحسان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ ان مسائل میں شرعی دلائل کچھ اور ہیں، مگر شریعت کا عمومی مزاج اور اس کا عمومی قانون تیسرا اور لوگوں کے حالات کسی اور بات کے متقاضی ہیں۔ لہذا اس کی مناسبت سے ایک دوسرا قابل عمل طریقہ اختیار کیا گیا، اسی کو استحسان کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فقہ کی دنیا میں علامہ شامی کو کون نہیں جانتا۔ عالم اسلام میں جو شہرت و مقبولیت ان کو حاصل ہوئی اس سے شاید کوئی دوسرا بہرہ ور ہوا ہو۔ انھوں نے خاص اسی عنوان پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے **نشر المحرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف**۔ یہ سالہ ۱۹۰۱ء میں دمشق سے شائع ہو گیا ہے۔ اس میں علامہ نے بڑی تفصیل سے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں عرف اور مصلحت نیز زمانہ کے تقاضوں کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان مسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ایک زمانہ میں حرام اور ممنوع تھے مگر دوسرے زمانے میں وہ آگ شدید ضرورت بن گئے، لہذا ان کا حکم بدل گیا۔ دراصل یہ بات قانون کے لئے خصوصاً اس قانون کے لئے بہت ضروری ہے جو آبدی ہو۔ دنیا میں کوئی قانون بشمول قانون

مخصوصاً اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحور توں کا مسجد میں جانا ثابت ہے۔ مگر متاخرین نے حالات و زمانہ کی رعایت سے اسے ممنوع قرار دیا:

”بہت سے مسائل میں احناف نے ابو حنیفہؒ کے اقوال کو ترک کر کے دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتویٰ دیا ہے۔ مثلاً وہ عورت جس کا شوہر لاپتہ ہو اس میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ چار سال تلاش و جستجو اور انتظار کے بعد نکاح منع کر دیا جائے اور اس عورت کو شادی کی اجازت دیدی جائے۔ امام صاحب کا مسلک تھا کہ گواہ بظاہر ثقہ ہو تو شہادت دے سکتا ہے۔ مگر امام محمد و ابو یوسف رحمہما اللہ ظاہری عدالت کو ناکافی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ امام صاحب کے زمانہ میں اکثر لوگ ثقہ عادل ہوتے تھے اور صاحبین کے زمانہ میں یہ بات نہ رہی۔ مزارعت، معاملات اور وقف میں امام ابو حنیفہ کا قول معمول بہ نہیں ہے بلکہ امام محمد و ابو یوسف رحمہما اللہ کے اقوال پر فتویٰ ہے۔ ماہ مستعمل کو امام صاحب نجاست علیظہ فرماتے ہیں اور امام محمد ظاہر غیر مظہر کہتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ہدایہ جلد اول ص ۱۱۱ پر یہ عبارت ملے گی۔ ”لو كان الإمام انتقل إلى الآية الأخرى تفسد صلوة الفاتح وتفسد صلوة الإمام لو أخذ بقوله: (إذا قام نماز من يحول مجا اور محول کے بعد دوسری آیت شروع کر دی، اب کسی نے لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو امام مقتدی دونوں کی تلافی فاسد ہو جائے گی۔) مولانا عبدالحی کھٹوری حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ”یہ عام مشائخ کے خلاف ہے، جیسا کہ صاحب محیط نے ذکر کیا ہے۔ آگے کہتے ہیں: ”والصحيح أن لا تفسد صلوة المقتدى ولا صلوة الإمام“ (صحیح بات یہ ہے کہ اس سے نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ ہی امام کی، سب کی نماز ہو جائے گی۔)“

”قدیم فقہاء کے نزدیک وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق حاصل تھا۔ مگر متاخرین اس کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ علامہ شامی نے نشو و نحوہ فی بناء بعض الأحكام علی العرف میں لکھا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر اپنا پیسے کو دے کہ اجرت کے بدلہ میں تہائی اٹاؤں کا ہوگا تو ناجائز ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا پیسے والے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اس کا کپڑا بن دے اور حاضنہ میں اک تہائی کپڑا لے تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا۔ لیکن چونکہ بلخ میں یہ طریقہ عموماً معمول ہے

اس لئے بلخ کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہ قرار دیا ہے کہ رواج کی بناء پر حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی۔ یعنی یہ حدیث اُٹنے کی صورت تک ہی محدود رہے گی۔ علامہ شامی کے خاص الفاظ یہ ہیں: "ومشائخ بلخ کنصیر بن یحییٰ ومحمد بن سلمة وغیرہا كانوا یجیزون ہذا الإجازة فی الثیاب لتعامل أهل بلدہم، والتعامل حجة یتروکہ القیاس ویخلف بہ الاثر" (اور مشائخ بلخ مثلاً نصیر بن یحییٰ ومحمد بن سلمہ وغیرہ اس اجازہ کو کپڑے میں جائز کہتے ہیں کیونکہ اُن کے شہر میں یہ چیز علامہ موجود تھی اور لوگوں کا کسی شے کو معمول بنالینا ایک ایسی نکتہ ہے جس سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی۔)

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اس تبدیلی کی کوئی حد ہوگی یا نہیں؟ اس طرح تو قرآن اور راجح تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ علامہ شامی نے خود اس سوال کو نقل کر کے اس کا مفصل جواب دیا ہے اور وہ حدود بتلانے میں جہاں تک مختلف تبدیلیوں کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "نفقون فی جواب ہذا الإشکال أن العرف نوعان، خاص وعام وکل منہما، اما أن یوافق الدلیل الشرعی والنصوص علیہ..... الی قولہ..... یتروکہ بہ القیاس؟ چونکہ یہ بات بہت مفصل ہو جائے گی اس لئے ہم عرض کریں گے کہ اس بحث کو براہ راست اسی کتاب میں ملاحظہ فرمایا جائے۔"

اوپر کی مثالیں دینے سے ہمارا مقصد یہ بتلانا ہے کہ فقہ حنفی میں نہت تو سہ ہے فقہ حنفی صرف ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال و آراء کا نام نہیں، بلکہ بوقت ضرورت دیگر فقہاء ائمہ کے اقوال پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے اور کیا گیا ہے۔ احناف کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے آپ کو ایسے الفاظ کثرت سے مل جائیں گے والفتویٰ علی قولہما (فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے) یا علیہ والفتویٰ۔ بلکہ ہمارے ائمہ میں سے امام محمد کے متعلق شاہ ولی نائند دہلوی نے مسلک اقتدال میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام محمد نے مدینہ میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جس کنویں سے انہوں نے غسل فرمایا ہے اُس میں چوبارہ ہوا ہے، لہذا پانی ناپاک ہو گیا۔ امام محمد نے فرمایا کہ ہم نے اپنے بھائی مالکیوں کے مسلک پر نماز پڑھی ہے۔ یہ بات فقہ حنفی کے لئے عجیب نہیں بلکہ اتنی بڑی خوبی اور دوراندیشی کی بات ہے

کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فقہ حنفی ناقص ہوتا۔ لہذا اس بنیاد پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ثلاثہ والے مسئلہ میں اگر دیگر فقہاء کے مسلک پر فتویٰ دے دیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ ضرورت اس کی شدید متقاضی ہے، جیسا کہ ہم چوتھی بنیاد میں اس پر گفتگو کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض احناف اور جلیل القدر علماء ریہیلان رکھتے ہیں مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ بلوچی سے کسی سائل نے اسی طلاق ثلاثہ کے متعلق حدیث کیا تھا، سائل کے گاؤں میں ایک واقعہ ایسا ہوا تھا کہ ایک حنفی شخص نے تین طلاق دینے کے بعد کسی اہل حدیث عالم سے فتویٰ پوچھ کر رجوع کر لیا۔ اب گاؤں کے لوگوں نے اُس کا بائیکاٹ کر دیا۔ مفتی صاحب نے یہ جواب دیا: ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے ضرور قائل ہیں کہ اس طرح ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے، اور حضرت ابن عباس، طاؤس، عکرمہ اور ابن اسحاق سے منقول ہے۔ پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابلِ مقاطعہ اور مستحقِ اخراج از مسجد ہے۔ ہاں حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اُس پر عمل کرنا یہ باعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔ لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہو تو قابلِ رد گندہ ہے۔ (انوار الجمعۃ دہلی، موزعہ شعبان ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۰۸ء مؤلف کفایت اللہ کان اللہ لا۔ مدرسہ امینیہ دہلی)

ہمارے علماء و احناف میں سے مولانا عبدالحی فرنگی علی کا فتویٰ مجموعہ فتاویٰ ص ۱۰۰ پر موجود ہے، وہ لکھتے ہیں: "اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا۔ مگر بوقتِ ضرورت کہ اُس عورت کا علم نہ ہونا اُس سے دشوار ہو اور احتمالِ مفسد زائدہ کا ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوج مفقود اور عدۃ تمتدۃ الظہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورة قول امام مالک پر عمل کر لینے کو درست رکھتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔"

مدرسہ امینیہ دہلی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کرتے چلے۔ "اور بعض سلف صالحین اور علماء متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں، اگرچہ ائمہ اربعہ میں یہ بعض نہیں ہیں، لہذا جن

مولوی صاحب نے مفتی اہل حدیث پر جو فتویٰ دیا ہے یہ غلط ہے اور مفتی اہل حدیث پر اس اختلاف کی بنا پر کفر و مقاطعہ و اخراج از مسجد کا فتویٰ غیر صحیح ہے۔ جو یہ شدید ضرورت اور خوف مفاسد اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک اس واقعہ مرقومہ میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے تو وہ عابرج از مذہبِ حنفی نہ ہوگا کیونکہ فقہاءِ حنفیہ نے جو یہ شدتِ ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز رکھا ہے۔

(درمختص حبیب المرسلین صفی مہر دارالافتار مدرسہ امینیہ علی۔ بحوالہ الجواہر العالیہ ص ۱۶۳ مرتب مولانا ابوبصیر غفاری)

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں میں نے پڑھا ہے کہ جس زمانہ میں انھوں نے حیلہ تاجرہ تصنیف فرمائی اور اس میں نکاح موقوفہ الزوج کے سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا تو کسی نے کہا کہ آپ لوگ تقلید ابوحنیفہ پر بہت زور دیتے ہیں، لیکن امام مالک کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں تو تقلید جاری ہے۔ فرمایا، تم تقلید کو لئے پھرتے ہو، یہاں سرے سے اسلام ہی جاری ہے۔ درحقیقت اُن کا اشارہ اس طرف تھا کہ شریعت کی مصلحت اُل کو باقی رکھنے کے لئے کسی نماں امام کی تقلید کر کے دوسرے امام کی رائے پر عمل درست ہے۔

اس پوری تفصیل سے آپ کو یہ اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ ائمہ امتیاز بوقتِ ضرورت اور زمانہ کی اقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے مجتہدین و ائمہ کی آراء پر عمل کو جائز رکھتے ہیں۔ لہذا اطلاقِ ثلاثہ والے مسئلہ میں ہم غور و فکر کر کے دیکھیں کہ واقعی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ تین طلاقیں واحد شمار کی جائیں یا نہیں؛ اگر ضرورت شدید ہے تو اسے قبول کر لیں۔

غور و فکر کی جو قسمی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہیں کو کسی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارا ہندی معاشرہ کچھ اس طرح پر چل رہا ہے کہ اس میں دینی قدیں ماند پڑ گئی ہیں۔ ہمارے عوام دین کا اتنا حصہ بھی حاصل نہیں کرتے جو ان پر فرض میں ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں گے جو دنیاوی تعلیم اونچی سے اونچی رکھتے ہیں اور دینی تعلیم اُس کی نسبت سے کم ہے۔ مولانا اسحق علی صاحب ندوی، مدیر تعمیر حیات نے ابھی حال ہی میں

اپنے ایک ادارہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر سے گفتگو کے دوران حضرت عمرؓ و عثمانؓ کا تذکرہ آیا تو وہ سادگی سے پوچھتے ہیں، مولانا! ان دونوں میں کس کی خلافت پہلے اور کس کی بعد میں ہے؟ — یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اسی جہالت کے باعث جب ایسے لوگ طلاق دینا چاہتے ہیں تو انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول نے کونسا طریقہ بتایا اور پسند فرمایا ہے اور کسے معصیت بتایا ہے، بلکہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ایسے مل جائیں گے جنہیں یہ مسئلہ معلوم ہے کہ ایک طلاق کے بعد رجوع کا اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایک طلاق کو کامل طلاق ہی نہیں سمجھتے اور جب وہ دینی نادانہ واقفیت اور جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر تین طلاق دیتے ہیں تو صحیح حکم کے ظاہر ہونے کے بعد سخت نادوم ہوتے ہیں اور دنیا بھر کی حیلہ جوئی اور چارہ گری تلاش کرتے ہیں، ایسی غلط تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ پھر وہ عورت اس کے نکاح میں بغیر تحلیل کے آجائے یا باقی رہ جائے۔ اس سے متعدد خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اگر طلاق دینے والا صحفی مسلک رکھتا ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لامحالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے، شرط یا مذکورہ دوسرے سے نکاح کرتا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا۔ اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن المہمل والمہمل لئلا یضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ حدیث نسائی میں بھی موجود ہے اور ابن ماجہ میں عقبہ بن عامر کی روایت اس طرح ہے۔

"الا ۱۰ خبرکم بالقیس المستعار قالوا بلی کیا میں تم کو سنگھنی کے بچے سے آگاہ نہ کروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ہو کیا ضرور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ لعن المہمل، لعن اللہ المہمل والمہمل لئلا یضی، حلالہ کرنے والا اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت عمرؓ کا فتویٰ ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: "لا اذنی بحلل ولا محلل لئلا رجعتہما جریمر سے پاس جو بھی حلالہ کرے اور اللہ جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو، لایا جائیگا تو میں اس کو سنسا کر دوں گا" امام بیہقی نے جلد ۲ ص ۱۲۱ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اگر کوئی شخص

اُس کی بیوی کو اُس کے لئے حلال کر دے تو کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا: من یندع اللہ یندع عذہ: (جو اللہ کے ساتھ جا لبازی کرے گا، اللہ اُس کی ہال کو ناکام کر دے گا)۔ یہ فتویٰ امام طحاوی نے بھی معانی الآثار میں صفحہ ۲۲ پر نقل کیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے: "والمحلل یقتضیٰ تھما مع کل حال إذا أُریدَ ب النکاح التھلیل: (یعنی دونوں کے درمیان ہر حال میں تفریق کر دی جائے گی اگر اُن کا ارادہ تھلیل کا ہے)۔"

ہمارے ائمہ میں سے صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تھلیل سے بیوی زواجِ اول کے لئے حلال ہوتی ہے، ورنہ امام محمدؒ والیو سف کے نزدیک دیگر ائمہ کی طرح علیٰ وصیہ التھلیل کیا ہوا نکاح غلط ہے اور اس سے عورت زواجِ اول کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے۔ ویسے خود امام صاحب بھی تھلیل کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں پھر تھمہ ہا یہ جلد ۱ صفحہ ۲۲ میں ہے: "إذا تزوجها بشروط التھلیل فالتکاح مکروہ لقولہ علیہ السلام: لعن اللہ المحلل والمحلل لہ: مؤطا امام مالک کے حاشیہ میں ہے: "قال الشافعی وأبو یوسف إذا نکح بشروط أئمہ إذا وطئ مطلق، یبطل: (اگر امام شافعیؒ والیو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ اگر اس شرط پر نکاح کیا گیا کہ ہم بستری کے بعد اس عورت کو طلاق دے دیا جائے تو نکاح باطل ہے)۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا ایک فتویٰ ملاحظہ کرتے چلئے۔ انوار المعیہ دہلی، ۶ شعبان ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء میں تحریر فرماتے ہیں: "حلالہ مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور پھر اُس سے طلاق یا موت زواج کی وجہ سے ملوہ ہو کر پہلے زوج کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام حلالہ ہے۔ لیکن زواجِ اول یا زوجہ یا اُس کے کسی ولی کی طرف سے زواجِ ثانی سے یہ شرط کوئی کہ وہ طلاق دیدے اور زوجِ ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے اس سے نکاح کرنا یہ حرام ہے اور اس پر فریقین پر لعنت کی گئی ہے:"

اب آپ غور کر کے دیکھئے کہ ہمارے معاشرہ میں کون سی شکل رائج ہے۔ بالکل متعہ النسار کی طرح مشروط نکاح کیا جا تا ہے اور لگے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے۔ اس شکل میں بعض ایسے شرمناک اور میا سوز قہقہے سننے میں آتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب ہی تو حضرت

عمر نے فرمایا تھا، ایسے لوگوں کو میں سنگسار کر دوں گا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا تو اس طرح اس قضیے میں نزاع و فساد کا ایک دوسرا قضیہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

ان تمام قباحتوں کا ارتکاب تو اس شکل میں ہوتا ہے جب طلاق دینے والا حنفی مسلک پر قائم رہتا ہے، لیکن اگر وہ حنفی مسلک پر مستعد نہیں تو فوراً ایسی شکل میں وہ تبدیلی مسلک پر غور کرتا ہے اور یہاں بھی ایسا شخص مجرم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے علماء اس کو شریعت کی اتباع نہیں بلکہ خواہش نفس کی پیروی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح کی تبدیلی کو غلط اور ناجائز بتاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شاہ طہری نے الموافقات جلد ۴ صفحہ ۱۱۱ بیان مفسد اتباع رخص المذہب میں اس کو وضاحت سے لکھا ہے۔ اور خود طلاق دینے والے کیلئے یہ دشواری ہے کہ اگر وہ صرف اس مسئلہ کی حد تک اہل حدیث مسلک پر عمل کرتا ہے اور باقی سب مسکلوں میں اہل حدیث کی مخالفت کر کے ابوحنیفہ کو اتنا ہے تو یہ کھلی خواہش نفس کی پیروی ہے۔ ایسا زحمان شرعی معاملات میں ایک خطرناک زحمان ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ مذاہب کی رخصتوں کا متلاشی ہوگا، اور اگر وہ اس ایک مسئلہ کی وجہ سے مکمل اہل حدیث مسلک اختیار کر لے تو اپنے ذہن و قلب کے خلاف کرتا ہے کہ بہت سے مسکلوں میں امام ابوحنیفہ کو برحق مانتے ہوئے، جس پر وہ اتناک پوری زندگی عمل کرتا رہا ہے، اب صرف ایک مسئلہ کی وجہ سے اس کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہے۔

مزید یہ کہ اس طرح عورت کو غصہ اور جذبات کی شدت میں الگ کر دینے کے نتائج بہت سنگین شکل میں برآمد ہوتے ہیں۔ خصوصاً عورت کی زندگی کے لئے تو انتہائی تباہ کن بھی ہو سکتے ہیں، فوری طور سے بچوں کی نگہداشت اور ان کی پرورش و تربیت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے حقیقی ماں جس طرح اپنی اولاد کی ساخت و پرداخت پر اپنا خون جگر صرف کر سکتی ہے، دوسری عورت نہیں۔ پھر اسی مطلقہ عورت کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس کو کس طرح معاشرہ میں جذب کیا جائے۔ ۲۵-۵۰ برس شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد اب الگ ہو کر وہ کہاں جائے خصوصاً جبکہ وہ بیڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکی ہو۔

ہندوستان میں ہمارا بیٹا الماں بھی نہیں کہ اس کی کفالت ہو سکے۔ خود اس میں کمانے اور پیٹ بھرنے کی استطاعت نہیں۔ علاوہ اس کے وہ پردہ نشین خاتون جس نے اب تک عزت و خودداری کی اعلیٰ زندگی بسر کی ہو، کس طرح اپنے معاشی پریشانی کا ازالہ کر سکے اور سکون و اطمینان قلب کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

مجھے اپنے شہر کے متعلق اچھی طرح معلوم ہے، ایک صاحب جو اچھے خاصے دیندار معروف تھے، ۵۰، ۶۰ برس کی عمر تک ساتھ رہنے کے بعد ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ کچھ دنوں تو اُس عورت نے خود کو سنبھالا، مگر اُس کے افراد خاندان کی غربت اور معاشی پریشانی کی وجہ سے وہ اس قدر بد حال ہو گئی کہ اُس کے دماغ پر جنون کے اثرات ہو گئے، اب وہ دریلد کا سہ گدائی لے کر اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی میری نظر میں ہے۔ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ شادی کے وقت دونوں بہت غریب تھے، مگر عورت کی محنت اور کوشش سے محلہ والوں کا کہنا ہے کہ چند برسوں میں اللہ نے وسعت دی۔ اب وہ ایک نچھتہ مکان اور ایک کارخانے کے مالک ہو گئے۔ بس کسی خانگی معاملہ میں بھڑک کر شوہر نے تین طلاقیں دے دیں۔ غلطی کے بعد کچھ دنوں تک عورت زیورات اور گھر کا اثاثہ بیچ کر گزارہ کرتی رہی، مگر اب حالت یہ ہے کہ اُس کی زندگی باعثِ عبرت ہے۔ کسی نے اُس عورت کو مشورہ دیا کہ تو دارالقضا میں دعویٰ داخل کر دے کہ شوہر کے مال میں سے جو اصلاً تیری محنت و کوشش کا نتیجہ ہے، کچھ حصہ دلا دیا جائے۔ مگر کفالت کی کوئی شکل نہ بننے کی وجہ سے وہاں سے بھی محرومی ہوئی۔

اس طرح کے دسیوں واقعات آپ کو مل جائیں گے۔ میں محترم اقبال دق والا صاحب کے ان الفاظ سے متفق ہوں کہ مخالفین ان واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، مگر اس کو نہیں بھولنا چاہیے کہ ان واقعات کی کوئی نہ کوئی اصلیت بھی ضرور ہے جس پر رنگ آمیزی اور مبالغہ کی دیوار کھڑی کی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکومت ایسے قوانین بنانے پر تیل گئی ہے کہ مطلقہ کاناں و نفقہ اُس وقت تک شوہر کے ذمہ واجب ہے جب تک کہ وہ دوسری شادی نہ کر لے۔ ظاہر ہے یہ چیز افسراط

کی طرف ایک قدم ہے۔ مگر یہ بھی کمی اور تفریط کی بات ہوگی کہ ایسی عورت کے سلسلہ میں ہم بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل نہ سوچیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر طلاق کے مروجہ طریقہ میں احناف کے مسلک سے ہٹ کر بعض دیگر مجتہدین کی آرا پر عمل کر لیا جائے یعنی تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے تو بہت سی پیچیدگیاں خود بخود رفع ہو جائیں گی اور فریقین ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ایک دوسرے کے مستقبل کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ اس طرح مخالفین کو مسلم پرسنل لا کے خلاف رنگ آمیزی کا بھی موقع نہ رہے گا۔ جس طرح مصری علماء نے پوتے کی وراثت کے سلسلہ میں ثلث مال کی اختیاری وصیت کو لازم کر دیا ہے، اسی طرح ہم کو مذکورہ بالا چار بنیادوں پر غور و فکر کرنے کے بعد کوئی تبدیلی کرنا چاہئے جس کی شریعت میں گنجائش بھی ہے اور خفیہ مسلک بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔ ائمہ تین طلاق کو مصیبت اور گناہ بھی بتلاتے ہیں اور یہاں حالات شدت سے متقاضی ہیں تو کیوں نہ ان اقوال پر عمل کر لیا جائے جو شروع سے اہل سنت والجماعت کے ایک طبقہ کا معمول رہا ہے۔

اب آئیے، سوالنامے میں درج مشقوں کے مختصر جوابات بھی سماعت فرمائیے :-
 ۱۔ طلاق، طلاق، طلاق تین دفعہ کہہ دینے سے اگر کہنے والے کی نیت ایک کی ہو اور اس نے محض تاکید کے لئے باقی دو دفعہ مزید کہہ دیا ہو، یا باقی دو سے اُس نے کچھ بھی نیت نہ کی ہو، نہ تاکید کی نہ عدم تاکید کی تو ایک ہی طلاق پڑے گی۔ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں علامہ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے کہ فاسق سے فاسق آدمی کا ارادہ تاکید معتبر مانا جائے گا اور یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔ فماتہ صحیح مد، ہینا تصدیق مزید، تاکید بشرطہ وان بلغ فی الفسق ما یبلغ۔ مفتی مہدی حسن سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب اقامتہ القیامۃ صفحہ پر فرماتے ہیں۔ اگر عورت مدخول یہاں ہے اور ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا لیکن تکرار لفظ تین مرتبہ طلاق دی اور دوسری اور تیسری طلاق کو بطور تاکید استعمال کیا ہو تو دیانۃ قسم کے ساتھ اُس کا قول معتبر ہوگا اور ایک طلاق حبی واقع ہوگی، اس میں اختلاف نہیں۔ علامہ ابن حزم کی کتاب عملی میں بالکل یہی الفاظ ہیں، مگر اس میں دیانۃ کا لفظ اور حلف کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس کے ارادہ تاکید کو معتبر مانا جائے گا۔ علامہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ پر فرماتے ہیں

فلو قال لموطوءة أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فإن نوى التكرير (ای التاكيد) لصحة الأولى فهي واحدة وكذلك إن لم ينو تكراراً شيئاً. فإن نوى بذلك أن تل طلقة غير الأخرى فهي ثلاث إن كئيداً هذا۔ (مدخل بہا عورت سے کسی نے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ اگر اُس نے باقی دو سے تاکید کا۔ یا نہ تاکید کا نہ عدم تاکید کا کسی کا ارادہ نہ کیا تو ایک واقع ہوگی۔ لیکن اگر مطلب یہ تھا کہ ہر طلاق پہلے والی طلاق سے الگ ہے تو تین واقع ہوگی۔)

۲۔ یہی شکل مختلف فیہ ہے۔ احناف تین کے وقوع کے قائل ہیں اور غزالیہات کو وہ معتبر نہیں مانتے اور علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم اور اہل حدیث حضرات جب تین کو تین سمجھ کر دینے والے کی طلاق کو رجعی بتلاتے ہیں تو یہاں تو ارادہ بھی نفس طلاق کا تھا نہ کہ تین کا۔ لہذا اُن کے نزدیک ایک ہوگی۔

۳۔ اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ شروع سے ہی اس کے خلاف رہا ہے، لہذا اُمت کا اجماع نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں ہمارے بعض علماء اُمتہ اربعہ کا اجماع بتاتے ہیں، مگر یہ بھی مخدوش ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کی جو عبارت ہم اوپر مقالہ میں نقل کر چکے ہیں اُس میں واضح طور سے یہ بات موجود ہے کہ امام مالک کا ایک قول اور اصحاب احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ہم غور و فکر کی پہلی بنیاد میں اُن فقہاء کا نام لکھ چکے ہیں جو ایک طلاق رجعی ہونے کے قائل ہیں۔

۴۔ ہمارے نزدیک مجالس واحد کی تین طلاقیں کو ایک ہی سمجھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ یہی ہماری رائے ہے جس کے دلائل اور نقل کر دیئے گئے ہیں۔



تین طلاقیوں کا مسئلہ
(انما)

مولانا سید احمد عروج قادری

ایڈیٹر ماہنامہ "زندگی" رام پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نکاح و طلاق سے متعلق قرآن کی آیات اور احادیث کا جو مطالعہ میں نے کیا ہے اس سے یہ بات بوضاحت ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت میں نکاح ایک بہت ہی سنجیدہ، بنیادی اور قابل احترام معاملہ ہے جو اس لئے کیا جاتا ہے کہ باقی رہے یہاں تک کہ موت زوجین کو ایک دوسرے سے جدا کر دے۔ یہ میاں بیوی کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جس کے استحکام پر خاندان اور معاشرے کا استحکام اور جس کی خوبی و بہتری پر معاشرے کی خوبی و بہتری موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ناپسندیدہ اور ناخوشگوار عمل ہے جو بدرجہ مجبوری آخری چارہ کار کے طور پر ہی کیا جانا چاہئے۔ آخری انقطاع سے بچنے یا سوچ بچھ کر اس کا فیصلہ کرنے کے لئے صحیح طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت و بیک مجلس یا بیک کلمہ نہ دی جائیں بلکہ انھیں متفرق طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ تعلیم قرآن کی آیتوں میں اجمال اور احادیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ میرے مطالعہ قرآن و حدیث سے بہ ظن غالب یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص صحیح طریقہ کی خلاف ورزی کرے، یہ جانتے ہوئے کہ تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں، بیک مجلس یا بیک کلمہ تین طلاقیں وے ڈالے تو وہ واقع ہو جائیں گی یہی جمہور اُمت کا مسلک ہے اور دلائل کے اعتبار سے یہی مسلک قوی بھی ہے۔ اُمت کے جو ائمہ و علماء ایسی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں، بلاشبہ اُن کے پاس بھی دلائل ہیں لیکن مجھے اُن سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

اس مختصر مقالہ میں تمام موافق اور مخالف دلائل کو استقصاء کے ساتھ جمع کرنے کا وقت نہیں ہے؛ اس لئے میں جمہور کے مسلک کے دلائل اختصار کے ساتھ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اس مسلک کے مخالف دلائل کی طرف محض اشارے کئے جاسکیں گے۔

جالبہت عرب میں طلاقیں دینے اور پھر عدت میں رجوع آیت طلاق کی شانِ ثنویں | کر لینے کی کوئی حد و تعداد متعین نہ تھی۔ ایک عورت کو

سینکڑوں بار طلاقیں دی جاسکتی تھیں اور پھر عدت میں رُجوع کیا جاسکتا تھا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ستانا چاہتا تو اُس کو طلاقیں دے دے کر عدت ہی میں رُجوع کر لیا کرتا۔ نہ خود اُس سے تعلقاتِ زن و شو قائم رکھتا اور نہ اُس کو آزاد کرتا۔ اس طرح وہ عورت بالکل مجبور اور بے بس ہو کر رہ جاتی تھی۔ ابتدائے اسلام میں بھی جب تک طلاقوں کے متعلق اللہ کا حکم نہیں آیا تھا، یہی دستور باقی تھا۔

عزہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو عدت ختم ہونے سے پہلے اُس کو رُجوع کر لینے کا حق تھا اگرچہ وہ ایک بار باطلاق دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی بیان تک کہ جب اُس عورت کی عدت ختم ہونے کا وقت قریب آیا تو اُس نے رُجوع کر لیا اور پھر طلاق دے دی پھر اُس نے کہا جہاں میں تجھے نہ لپنے پاس آئے ہوں گا اور نہ تو کبھی میرے لئے حلال ہوگی۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

طِلاقٌ رَجْعِيٌّ هُوَ دَوْرًا تَكُ . اُس کے بعد مکہ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا جملی طرح سے ہے۔

عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه انه قال كان الرجل اذا طلق امرأته ثم اتبعها قبل ان تقضى عدتها كان ذلك لذوان طلقها ألف مرة. فعد رجل إلى امرأته فطلقها حتى اذامشادقت انقضاء عدتها راجعها ثم طلقها ثم قال والله لا اؤيبك إلى ولا تحلين لي أبدا فانزل الله تعالى: الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ، فَمِنْ سَلَفٍ يَعْرِفُونَ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَابٍ (مطالعہ مالک ج ۲ باب الطلاق مرتان)

اللہ تعالیٰ نے طلاق کی تعداد متعین کر دی اور رجعت کی حد بھی بتا دی۔ یعنی یہ کہ طلاقوں کی تعداد صرف تین ہے اور رجعت کا حق دو طلاقوں تک ہے۔ تیسری کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا

پھر اُس عورت کو طلاق دی (یعنی تیسری بار) تو اب حلال نہیں اُس کو اور عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کر لے گی خازنہ سے اس کے سوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ آیت طلاقوں کی تعداد تین تک محدود کرنے اور رُجوع کرنے کی حد متعین کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہی دو باتیں یہ نص صریح اس سے ثابت ہوتی ہیں۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے | اس سوال کا کوئی تفصیلی جواب اس آیت میں موجود نہیں ہے۔ "مَرْثَاتٍ" کے لفظ سے

زیادہ سے زیادہ یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ دو طلاقیں بیک کلمہ نہ دی جائیں، بلکہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، دو بار کہا جائے۔ تفریقی مجلس کے لئے اس میں کوئی عمل لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ محدث ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی یہی تفسیر اختیار کی ہے اور امام رازی نے بھی اسی تفسیر کی تائید کی ہے۔ یعنی یہ کہ لفظ مَرْثَاتٍ سے رجعی طلاق کی تعداد معلوم ہوتی ہے، تفریقی مجلس کا ثبوت اس میں نہیں ہے۔ سورہ الطلاق کی آیت "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ: دس انحصار طلاق دو عدت پر اور ان کی عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو) سے بھی صرف اتنا بصرًا معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ایسی حالت میں دی جائے کہ عدت کے زمانے میں کمی یا زیادتی واقع نہ ہو اور اس کو شمار کرنا بھی آسان اور متیقن ہو۔ طلاق دینے کا ٹھیک اور صحیح طریقہ کیا ہو، اس کا جواب اس آیت میں بھی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دینے کے صحیح طریقہ کی توضیح نہ فرماتے تو قرآن کی آیتوں سے اس کا یہ صراحت جانتا ممکن نہ ہوتا۔ ہم حدیث نبوی ہی سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا یا بیک دفعہ تین طلاقیں دے ڈالنا مصیبت ہے اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ طلاق ایسے ٹھہر میں دی جائے جس میں جملع نہ کیا گیا ہو۔ اگر احادیث سے قطع نظر کر لی جائے تو قرآن کی آیتوں سے طلاق دینے کا تفصیلی طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے بھی بیک مجلس یا بیک کلمہ تین طلاقیں تین واقع ہوں گی یا ایک کرنا چاہئے، جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ قرآن سے

اتنی بات تو بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ طلاق رجعی کی تعداد دو ہے اور تیسری طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا لیکن طلاق دینے کا صحیح طریقہ وضاحت کے ساتھ ہیں

احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ قرآن سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جو تین طلاق کا حق دیا ہے اگر وہ اس کو بیک دفعہ استعمال کرے تو یہ فعل طلاق دینے والے کی اپنی مصلحت کے خلاف ہوگا، کیونکہ اس طرح وہ اپنے حق رجعت کو ختم کر دے گا۔ یہ اشارہ سورہ الطلاق کی اس آیت سے نکلتا ہے۔

لَا تَذَرْنِي فَعْلَىٰ ۙ اللَّهُ يُخَذِّبُ لِمَا يَشَاءُ ۚ ذَالِئِلًا
 امْرَاةً (الطلاق - ۱) کوئی صورت پیدا کر دے۔
 تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ صلح و موافقت کی

اگر بیک مجلس تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جائے تو پھر یہ کہنے کے کیا معنی باقی رہتے ہیں کہ شاید اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا کر دے۔ کیونکہ تین کو ایک شمار کرنے کی صورت میں تو بہر حال رجعت کا حق اور موافقت کی صورت باقی ہی رہے گی۔

قرآن کا یہ فقرہ طلاق دینے والے کو قنہ کرتا ہے کہ اگر تم نے طلاق دینے کا پورا حق ایک ہی بار استعمال کر لیا تو پھر پتا ڈگے اور پھر بیوی سے صلح کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ قرآن سے اشارہ بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ بیک مجلس یا بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔ بلکہ بعض ائمہ نے تو بیک مجلس تین طلاقیں دے ڈالنے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے "من جوز الطلاق الثلاث" کے باب میں سب سے پہلے الطلاق مَرَّتَانِ والی آیت دلیل کے طور پر پیش کی ہے۔

اس مسئلہ کا تفصیلی جواب حاصل کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ احادیث نبویؐ اور آثار صحابہ کا مطالعہ کریں۔ اس ماخذ سے ہمیں یہ "علم" حاصل ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں یا بیک کلمہ خواہ ظہر کی حالت میں ہو یا حیض کی تین طلاقیں دے ڈالے تو تین ہی واقع ہوں گی اور وہ گنہگار ہوگا۔ ہم ذیل میں اس کی فقہی سی تفصیل پیش کرتے ہیں:-

۱۔ سب سے پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔ یہ حدیث دو وجہ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ عہد رسالت کا تا الباقیہ پہلا واقعہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں یقین طلاق کا صحیح طریقہ معلوم ہوا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس واقعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے

اپنی بیوی کو حالت حیض میں ایک طلاق دے دی۔ سیدنا عمرؓ دیباہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ سے متعلق حضورؐ سے سوال کیا۔ آپ نے اُن سے فرمایا، عبداللہ کو حکم دو کہ مراجعت کر لے۔ پھر حضورؐ نے ایضاً طلاق کا صحیح طریقہ بتایا اور وہ یہ ہے کہ تین طلاقیں بتفریق تین ٹھہروں میں دی جائیں۔ حضرت عبداللہ کے حالت حیض میں طلاق دینے اور حضرت عمر کے سوال سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ان دونوں جلیل القدر صحابیوں میں سے کسی نے بھی قرآن کی کسی آیت سے یہ نہیں سمجھا کہ حالت حیض میں طلاق دینا ایک غلط کام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کی اگر کوئی شخص خلاف ورزی کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس حدیث میں اس سوال کا صریح جواب موجود ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث متعدد طرق سے روایت کی ہے۔ ایک ٹکڑے میں تو واقعہ اور حضورؐ کی تعلیم کا ذکر ہے اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے :

قال فكان ابن عمر ماذا سئل عن الرجل يطلق امرأته وهي حائض يقول: أمأنت طلقها واحدة أو اثنين فإنت رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرة أن يراجعها ثم يملكها حتى تحيض حيفة أخرى ثم يملكها حتى تطهر ثم يطلقها قبل أن يستها وأمأنت طلقها ثلاثاً ففقد عصمتها فبعضها أمرت به من طلاق امرأتك وبناتك. وفي رواية أخرى وإن كنت طلقها ثلاثاً فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك وعصمت الله في ما أمرت عن طلاق امرأتك —

واحدی حدیث لے کہا (اس واقعہ کے بعد) جب ابن عمر سے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی ہو تو وہ کہتا، اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا ہے کہ مراجعت کرے اور اس کو مہلت دے یہاں تک کہ دوسرا حیض آجائے پھر اس کو مہلت دے یہاں تک کہ وہ طاهر ہو جائے پھر اس کو طلاق دے اس سے پہلے کہ اس ٹھہریں اس سے جماع کرے۔ اور اگر تو نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو اپنے رب کی تو نے نافرمانی کی طلاق کے معاملہ میں اور وہ تجھ سے جدا ہوگئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اگر تو نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ تجھ پر حرام ہوگئی یہاں تک کہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح کرے اور تو نے اللہ کی نافرمانی کی طلاق کے معاملہ میں۔

حضرت ابن عمرؓ کے اس مفصل فتویٰ کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح کی تعلیقاً میں

بیان کیا ہے۔ اس حدیث سے بصراحت و وضاحت معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص حالت حیض میں بھی اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے تو وہ طلاق یا نہ ہوگی اور بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے بعد ابن عمرؓ لوگوں کو یہ مسئلہ بتاتے رہے اور فتویٰ دیتے رہے۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی صحابی کا ایسا قول جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، مرفوع کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ گمان کرنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ ابن عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے ایسا فتویٰ دیا ہو اور دیتے رہے ہوں۔ جس اتفاق سے احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ فتویٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی بنا پر دیا کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی اور طبرانی میں ہے۔

فقلت یا رسول اللہ اُرأیت لو طلقها ثلاثاً (ابن عمرؓ کہتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں تین طلاقیں آکان یحل لی أن أراجعها، فقال له كانت تبین منک وکانت معصیة۔ دے دیتا تو کیا میرے لئے مراجعت حلال ہوتی۔ اپنے فرمایا نہیں وہ تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا تین طلاقیں یک لفظہ دریدنا گناہ ہوتا۔

۲- عومیر غملانی کی طویل حدیث، لعان تمام کتب حدیث میں مروی ہے۔ امام بخاری نے اس کو من جؤلا تطلاق الثلاث کے باب میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے۔
فلما فرغ قال عومیر کذب علیہا پس جب ردول (یعنی عومیر اور ان کی بیوی) لعان سے فارغ ہوئے تو عومیر نے کہا اگر میں اس کو اپنے پاس رک لوں تو تلاقا قبل ان یأمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ چھوٹا محل۔ پھر انھوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں حکم دیں۔

یہاں میں اس بحث میں پڑتا نہیں چاہتا کہ نفس لعان سے میاں بیوی میں فرقت واقع ہو جاتی ہے یا تفریق حاکم کی ضرورت پڑتی ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ حضرت عومیر نے حضورؐ کے سامنے بیک مجلس تین طلاقیں دیں۔ آپ نے نہ اس پر انکار کیا اور نہ یہ کہا کہ تین طلاقیں دینا لغو ہے، کیونکہ فرقت صرف لعان سے واقع ہو جاتی ہے، بلکہ آپ نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے،

عن ابن شہاب عن سهل قال فطلقها ثلاثاً تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنفذها رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

سهل نے کہا کہ عومیر نے تین طلاقیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرما دیا۔

۳۔ عن عائشة رضی اللہ عنہا أت رجلًا طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق نسل السبق صلى الله عليه وسلم أتحمّل للأول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں پھر اُس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا۔ پھر اس نے بھی (قبلہ جراح) طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہے، آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسری اس طرح کا ذوق نہ چکے۔ اس طرح پہلے نہ چکھا تھا۔

امام بخاری نے یہ حدیث بھی من جود الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کی ہے۔ اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ تین یکجائی طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس واقعہ تک یہ مسئلہ اتنا مشہور و معروف ہو چکا تھا کہ حضور کی طرف مراجعت کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ بلاشبہ اس حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ اس شخص نے بیک مجلس تین طلاقیں دی تھیں یا یہ تفریق دی تھیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام بخاری کا اس حدیث کو من جود الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کرنا ہے وجہ ہے اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ سے متبادر ہی ہوتا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت دی گئی تھیں۔

۴۔ أت رجلاً جاء إلى عبد الله بن مسعود فقال إن طلق امرأتی ثلاثی تطليقات فقال ابن مسعود فما قيل لك قال قيل لي إن طلقها بانت منك فقال ابن مسعود صدقوا هو مثل ما يقولون۔ (مرقاہ امام مالک)

ایک شخص عبد اللہ بن مسعود کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا اس کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا ہے؟ اُس نے جواب دیا مجھ سے کہا گیا کہ وہ عورت تم سے جدا ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا لوگوں نے مثل ما يقولون۔ (مرقاہ امام مالک)

اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہی ہے بلکہ یہ بھی

معلوم ہوا کہ اُس وقت تمام اہل فتویٰ یہی فتویٰ دیتے تھے۔

۵۔ نعمان بن ابی عیاش انصاری، عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اُس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے چکے تھے۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے کہا کہ باکرہ کی طلاق تو ایک ہے۔

فقال لی عبد اللہ بن عمر بن العاص إنما أنت قاص. الواحدۃ تبینہا والثلاث تحرمہا طلاق اُس کو باکرہ دے گی اور تین طلاقیں اُس کو حرام کریں گی، حتیٰ تنکح زوجاً غیراً۔ (موطأ مالک) جبکہ کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

۶۔ محمد بن ایاس، بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اُس کی رائے ہوئی کہ اُس سے نکاح کرے۔ وہ فتویٰ لینے کے لئے آیا اور میں اُس کے ساتھ گیا۔

سأل عبد اللہ بن عباس وأبا ہریرۃ عن ذلک فقال لا تری أن تنکح حتی تنکح زوجاً غیرک، قال فلو ما کان طلاقاً آیاھا واحدۃ فقال ابن عباس إنک أرسلت ما کان لك من فضل۔ (موطأ مالک) اُس نے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا۔ اُن دونوں نے کہا تم اُس سے اُس وقت تک نکاح نہیں کر سکتے جب تک وہ تمہارے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ اُس نے کہا میں نے دراصل اس کو ایک طلاق دی تھی۔ ابن عباس نے کہا تمہیں جو اختیار تھا تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

۷۔ إنا رجلاً قال لعبد اللہ بن عباس إنا طلقنا امرأتی مائة تطلقۃ فماذا تری علی فقال لہ ابن عباس طلقناک بشلاث وسیع وتسعون اتخذت بہا ایة اللہ ضرراً۔ (موطأ مالک) اے اللہ کی آیتوں سے استہزاء کیا۔ ایک شخص نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو چھوڑا۔ تین طلاقیں دی ہیں، آپ کے خیال میں مجھ پر کیا چیز عائد ہوتی ہے؟ ابن عباس نے کہا، وہ تین طلاقوں کے ذریعہ تمہارے آزار پر گئی اور ستر سو تین طلاقوں کے ذریعہ تو نے اشد کی آیتوں سے استہزاء کیا۔

۸۔ عن مالک بن حارث قال جاء رجل إلی ابن عباس فقال إن فی طلق امرأتی

ثَلَاثًا فَقَالَ يَا عَمُّكَ عَصَى اللَّهَ فَأَشْمَ
اللَّهُ وَأَطَاعَ الشَّيْطَانَ فَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
کہا، تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت
کی۔ پس اللہ نے اس کیلئے شکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں
چھوڑی۔ (معانی الآثار للعلماوی)

۹۔ عن انس قال لا تحل لہ حتی
تتکح زوجاً غیرہ - (طحاوی)
حضرت انسؓ نے تین بھائی طلاقوں کے بارے میں فرمایا، اس کیلئے
حلال نہیں جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

۱۰۔ وروی وکیع عن الأعمش عن أبي
حبيب عن أبي ثابت قال جاء رجل إلى علي بن
بن أبي طالب فقال إني طلقت امرأتی ألقاً
فقال له عليُّ بآنت منك بثلاث - (طحاوی)
ابو ثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے
پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں
دی ہیں۔ آپ نے فرمایا، وہ تین طلاقوں سے
بائن ہو گئی۔

۱۱۔ روی وکیع ایضاً عن معاوية بن
أبي يحيى قال جاء رجل إلى عثمان بن
عقمان فقال طلقت امرأتی ألقاً فقال
بآنت منك بثلاث - (طحاوی)
وکیع نے معاویہ بن ابی یحییٰ سے یہ بھی روایت کیا ہے،
ایک شخص حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس آئے اور کہا
کہ میں نے اپنی بیوی کو للاقین دے دی ہیں۔ انھوں نے
کہا، وہ تین طلاقوں سے جدا ہو گئی۔

۱۲۔ تفيح حضرت أم سلمة رضي الله عنها کے مکاتیب یا اعلام تھے۔ انھوں نے اپنی بیوی کو
جو حرمہ اور آزاد تھیں، دو طلاقیں دے دیں، پھر رجوع کرنا چاہا تو ازواج مطہرات نے انکو
حکم دیا کہ پہلے حضرت عثمانؓ سے مسئلہ پوچھیں۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ سے فتویٰ طلب کیا
تو انھوں نے فرمایا: تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی۔ (موطأ مالک)

ان احادیث نبوی اور آثار صحابہ نے پوری طرح واضح کر دیا کہ ایک مجلس کی
تین طلاقیں یا ایک کلمہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ ان احادیث و آثار کی سندوں پر اور
اس مسئلہ کی تفصیلات پر لمبی چوڑی بحثیں اس مختصر مقالہ میں سما نہیں سکتیں اور ان بحثوں
کا اعادہ مفید بھی نہیں، کیونکہ صدیوں سے اس کا سلسلہ جاری ہے اور مسئلہ اپنی جگہ پر
ہے۔ موجودہ حالات میں راقم الحروف کے نزدیک قابل غور بات یہ ہے کہ ایک مجلس
کی تین طلاقوں کو تین اور ایک قرار دینے والے دونوں مسئلوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے

کی کتنی گنہائش نکل سکتی ہے اور کس حد تک یہ دونوں مسئلے ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں۔ دونوں مسکوں کے دلائل اور اس مسئلہ کی تمام بحثوں کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں مسکوں کے ماننے والوں میں افراط و تفریط کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس مجلس مذاکرہ کے لئے جو سوالات قائم کئے گئے ہیں ان کے جواب میں راقم نے اپنے مطالعہ اور تحقیق علم کی حد تک افراط و تفریط سے بچ کر اپنی رائے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں سوالات اور جوابات نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبر ۱:- کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرانے سے یعنی بیک وقت طلاق طلاق طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی۔

جواب :- اگر تین بار طلاق کا لفظ دہرانے والا یہ کہتا ہے کہ اس کی نیت ایک طلاق کی تھی، مزید دو بار طلاق کا لفظ اس نے تاکید کے لئے استعمال کیا تھا تو میرے نزدیک ایک طلاق رجبی ہوگی۔

سوال نمبر ۲:- کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے، لفظ تین کی صراحت کے ساتھ، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ جب تک تین کا لفظ استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں۔ اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک؟

جواب :- میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور موجودہ صورت حال کے پیش نظر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر طلاق دینے والے نے اس خیال کے تحت تین کی صراحت کے ساتھ طلاق دی کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جانا چاہئے۔

سوال نمبر ۳:- کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے منقطع ہونے پر امت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو ان علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔

جواب :- ایک مجلس کی تین طلاقوں کے منقطع ہونے پر اجماع کا دعویٰ بھی چلا آ رہا ہے اور اس کا انکار بھی۔ ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اساطین امت نے اس پر اجماع کا انکار کیا ہے، اور اب تو اہل حدیث حضرات کی کثیر التعداد جماعت بھی اس پر اجماع کا انکار کرتی ہے

اختلافِ مسالک بتانے والی کتابوں کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ سے اس مسئلہ میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ابن رشد لکھتے ہیں:-

جمہور فقہاء الأمام علی أفت الطلاق بلفظ الثلاث
 حکم حکم الطلقة الثالثة وقال أهل الظاهر جماعة
 جاتی ہے، اس کا حکم تیسری طلاق یعنی طلاق منعقل کا ہے
 اور اہل ظاہر اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اس کا حکم
 (ہدایۃ المبتدع ۲۔ کتاب الطلاق) ایک طلاق کا حکم ہے اور اس میں نظاک کوئی تاثیر نہیں۔

خود قاضی ابن رشد کا اپنا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم ایک ہی طلاق
 کا ہونا چاہئے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے منقطع ہونے پر
 اجماع کا دعویٰ عمل نظر ہے۔

سوال نمبر ۱:- آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلے کا کیا حل ہے،
 اسے ایک شمار کیا جانا چاہئے یا تین؟

جواب :- جیسا کہ میں اُد پر مقالہ میں عرض کر چکا ہوں، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بیک مجلس
 اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ میرے نزدیک تین طلاقوں
 کو ایک قرار دینے کی جتنی گنجائش نکل سکتی ہے اس کا ذکر میں نے سوال نمبر ایک اور دو کے
 جواب میں کیا ہے۔ جو لوگ یہ جان کر اور سمجھ کر کہ بیک دفعہ و بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالنے
 سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، ایسے لوگوں کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا میرے
 نزدیک صحیح نہیں۔



تطبیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ



امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کا معاشرتی نظام ایک سیدھا سادہ نظام ہے جس میں نہ قانونی پیچیدگیاں ہیں اور نہ تکلفات۔ دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ وَمَا جَعَلْنَا عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ (سورہ حج) اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خصوصیت الحنيفية السمحة، سہل اور حلیف دین بتائی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شریعت کو سہل اور آسان بنا دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ اصولی بات بیان کی گئی ہے کہ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (بقرہ ۱۸۵) اور حدیث میں شدت پسندی اور قانونی موشگافیوں سے منع کر دیا گیا ہے۔

مَا نَ الدِّينَ يَسْرًا وَلَئِذَا دَانَ الدِّينَ دِينَ آسَانَ هـ اور جو کوئی دین کو مشکل بنائے گا
الْاَغْلِبِيْهِ (تجاری) وہ بے بس ہو کر رہ جائے گا :
اور فرمایا :

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ . (مسلم) دین میں تمہق اور شدت برتنے والے ہلاک ہو جائیں :-
قرآن و سنت کی ان ہدایات کے پیش نظر فقہی موشگافیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، لہذا بال کی کھال نکالنا اور شرعی احکام کو مشکل اور دقیق بنا کر لوگوں کے لئے دشواریاں پیدا کرنا دین کی خدمت ہرگز نہیں ہے۔

اسلام کا ضابطہ طلاق انتہائی سادہ اور اعتدال پر مبنی ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اُمت کے اندر جو فقہی بحثیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اس نے اس کو سادہ شکل میں باقی نہیں رہنے دیا بلکہ اس میں تمہق اور تشدد پیدا کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کو معاشرتی زندگی میں غیر معمولی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس سے مُسلم پرسنل لا کے مخالفین بھر پور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دیریں حالات ملت اسلامیہ کو اسلام کے معاشرتی نظام سے وابستہ اور شرعی احکام پر کاربند رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام فقہی موشگافیوں، تمہق اور تشدد کے علی الرغم ابھرتے ہوئے معاشرتی مسائل کا کتاب و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور اجتہادی امور میں دین و ملت کے مصالح کا پورا پورا لحاظ کیا جائے اور ان تمام اصرار و اغلال کو

توڑ دیا جائے جس نے ملتِ اسلامیہ کو جکڑ رکھا ہے۔ خواہ کسی حلقہ کی طرف سے کتنی ہی مخالفت کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ مخالفتوں کے مقابلہ میں دین و ملت کے مصالح زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کے مسئلہ پر بھی غور کرتے وقت ہمیں یہی انداز اختیار کرنا ہو گا۔ کیا زبان سے ایک وقت "طلاق، طلاق، طلاق" کے الفاظ نکل جانے پر یا۔ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں" کہہ دینے پر شرعاً تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں کہ جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اور وہ اُسے پھر اپنی مرضی سے طلاق نہ دے پہلے شوہر کے لئے وہ جاسز نہیں ہو جاتی اور خاص طور سے ایسے حالات میں جبکہ لوگ لامطمئن کی بنا پر بیک وقت تین طلاقیں دینے کے عادی ہو گئے ہیں، اور جب انھیں تین طلاقوں کو واقع ہو جانے کا فتویٰ مل جاتا ہے تو چھستانے لگتے ہیں۔ ایک غلط فہمی لوگوں میں یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ جب تک ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دی جائیں، طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں تطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ سنجیدہ غور و فکر چاہتا ہے اور اس بات کا متقاضی ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا حل تلاش کیا جائے۔

زمانہ جاہلیت میں طلاق | جاہلیت میں طلاق کے لئے کوئی تحدید نہیں تھی۔ مرد اپنی بیوی کو جب چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرتا۔ طلاق دینے اور رجوع کرنے کا یہ سلسلہ بغیر کسی تحدید کے جاری رہتا جس سے عورت کو سخت تکالیف پہنچتی اور وہ بے بس ہو کر رہ جاتی۔

اسلام کا اصلاحی اقدام | اسلام نے طلاق کے اس ظالمانہ طریقہ اور لامحدود سلسلہ کو ختم کر دیا اور مرد کو دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا اختیار دیا تاکہ خاندانی زندگی میں تفرقہ پیدا ہونے سے پہلے مرد کو اُس کے نتائج و عواقب پر غور کرنے کا دو مرتبہ موقع ملے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اس رشتہ کو ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے یعنی تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو یہ طلاق منغلظہ ہوگی۔ یعنی اب نہ وہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ اُس سے نکاح ہی کر سکتا ہے، تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اور پھر وہ اُسے اپنی مرضی سے طلاق نہ دے۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ مرد بار بار طلاق دے کر عورت کو پریشان

نہ کرے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا۔

قرآن و سنت کی رو سے طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ حالتِ کلمہ میں جس میں محبت نہ کی گئی ہو، صرف ایک طلاق دینے پر اکتفا کیا جائے۔ یہ طلاق عدت کے اندر بھی ہوگی اور عدت گزر جانے پر بائن ہو جائے گی۔ یعنی عدت گزر جانے پر رجوع کا موقع تو باقی نہیں رہے گا، البتہ مرد اور عورت دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ اس احسن طریقہ کو چھوڑ کر بیک وقت تین طلاقیں نہ شرعاً درست ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہی ہے۔ مرد کے لئے کسی مجبوری کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اگر وہ عورت کو چھوڑنا ہی چاہتا ہے تو ایک طلاق دے کر چھوڑ سکتا ہے۔ اس لئے جو لوگ بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھے ہیں ان کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ صریح جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں تاکید ہی حکم ہے:

ثَلَاثَ حُدُودٍ وَاللَّهُ لَا يَتَعَدَّى حُدُودَهُ (البقرہ - ۲۲۹) یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں (ضابطے) ہیں ان سے تجاوز نہ کرو؛ اور فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعُوا آيَاتِ اللَّهِ هُكُومًا (البقرہ - ۲۳۱) اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔

کیا قرآن نے ان واحد کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دیا ہے۔

طلاق کے تین واقع ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَإِنْ سَاكَ بِمَعْزُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَجِبُ عَلَيْكُمُ اتِّفَاقُهَا إِذَا اتَّفَقْتُمُوهَا شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَ أَلَّا يُبَيِّنَ لَكُمْ ذِكْرَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو معزوف طریقہ پر عورت کی رکھ لیا جائے یا بطل طریقہ سے رخصت کر دیا جائے اور تیسرا لے جائز نہیں جو کچھ تم سنان کو دیا تھا اس میں کچھ واپس لے لو۔ الایہ کہ زمین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکتے کا اندیشہ ہو۔ اگر واقعی تم کو لاپختہ ہو کہ حدوں کو یاد نہ رہتا ہے تو دونوں پر اس معاملہ میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ مواد دے دیکر طلاق حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ان سے تجاوز نہ کرو جو لوگ اللہ سے تجاوز کریں وہی

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْبًا غَيْرَكَ ط (البقرة - ۲۰ - ۲۲۹)

ظالم ہیں۔ پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق عیدنی تو اس کے بعد وہ عورت اس کیسے طلاق نہ ہوگی تا وقتیکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے ؟

اس آیت میں "مَرَّتَانِ" (دو مرتبہ) کا جو لفظ آیا ہے اُس سے طلاق کا لفظ دہرایا گیا اور اس کی صراحت کے ساتھ طلاق دینا مراد لیا جاتا ہے۔ اس بنا پر طلاق، طلاق، طلاق یا "تین طلاقیں" کہہ دینے پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا ہے، حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب لفظ طلاق کو دہرانا نہیں بلکہ دوسری دفعہ طلاق دینا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے، لیکن تیسری دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا اس کا یہ مطلب کس طرح صحیح ہو گا کہ اگر کسی نے بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا تو رجوع کا حق باقی نہیں رہے اور طلاق متعلقہ ہو گئی، حالانکہ اُس شخص نے ایک ہی دفعہ طلاق دی ہے۔ لفظ "مَرَّتَانِ" کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ درج ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے :

اولاً لغت عرب میں "مَرَّتَانِ" کا مطلب مَرَّةٌ بَعْدَ مَرَّةٍ ہے۔ یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ، نہ کہ محض لفظی تکرار۔ اور اس کی نظیریں قرآن میں ملتی ہیں مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا،

أُولَئِكَ يَفْقَهُونَ فِي كُلِّ مَعْرَةٍ
مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ۔ (توبہ - ۱۲۶)

انہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْرُبُوا نِسَاءَكُمْ الَّتِي كُنْتُمْ تُحِبُّونَ
مَلَكَتْ أَيْمَانَكُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَعْنَةُ اللَّهِ لِيَكُونَ آلُكُمْ حُرْمًا
مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (نور - ۵۸)

۱۰۔ ایمان والو! تمہارے مملوک اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔

اس آیت کے بعد تین اوقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں "ثَلَاثَ مَرَّاتٍ" (تین اوقات میں) کا مطلب الگ الگ تین اوقات ہیں، نہ کہ زمانہ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اس سے واضح ہوا کہ "مَرَّتَانِ" میں تفریق کا مفہوم شامل ہے۔ اگر کوئی مثال اجتماع کی پیش کی جاسکتی ہے تو وہ اعیان کی ہوگی، نہ کہ افعال کی۔ کیونکہ فعل میں زمانہ واحد میں "مَرَّتَانِ" کا اجتماع ممکن نہیں۔

ثانیاً رمی حمار کی مثال ہے۔ سات کنکریاں مارنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص سات مرتبہ ایک ایک کنکری مارنے کے بجائے ایک ساتھ سات کنکریاں مارے گا تو حکم کی تعمیل نہیں ہوگی اور جمہور علماء کے نزدیک ایک ہی رمی شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کہ میں عینتیں علی بار سبحن اللہ کہتا ہوں، تو ایک ہی تسبیح شمار ہوگی، ذکر عینتیں ۲۱۔

ثالثاً چار قسموں کی مثال ہے جس کا حکم لعان کے سلسلہ میں دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص الگ الگ چار قسمیں کھانے کے بجائے ایک ساتھ کھہ دے کہ: میں چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں تو اس کی ایک ہی قسم شمار ہوگی، نہ کہ چار۔

(مترقان کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو غلامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد۔ ج ۲، ص ۵۹)

اگر مذکورہ آیت میں مراد طلاق کا عدد ہوتا تو مترقان کی جگہ لفظ اثنتان استعمال کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مترقان سے مراد لفظ طلاق کی تکرار یا عدد نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں:

طلقاً مرتین یعنی دفعتین۔ دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو۔

(التفسیر الکبیر۔ ج ۲، ص ۲۶۰)

ان الطلاق المشروع متفرق لأن المتران مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے کیونکہ لا تكون إلا بعد اتفاق بالإجماع۔ (ایضاً) بالإجماع۔ مترات، تفرق کے بعد ہی ممکن ہے۔

لہذا جب دو طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں، دو شمار نہیں ہوں گی تو تین طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں کس طرح تین شمار ہوں گی؟ پھر جس پس منظریں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کو بھی اگر طوطا رکھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بیک وقت کئی طلاقیں دینے کا رواج نہیں تھا، بلکہ بار بار طلاقیں دی جاتی تھیں اور بار بار رجوع کیا جاتا تھا۔ اس لئے الطلاق مترتان کا معہود یہی بار بار کی طلاقیں ہوگا، نہ کہ بیک وقت دی جانے والی متعدد طلاقیں۔

سورہ طلاق میں ہدایت کی گئی کہ جب طلاق دی جائے تو عدت کے لئے دی جائے، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ الْمَرْءَةَ فَطَلِّقُونَهَا

رِعْدَتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ - (طلاق - ۱) طلاق دو اور عدت کو شمار کرو۔

عدت کے لئے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی جائے جبکہ عدت کا آغاز ہو سکے۔ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدت کا لحاظ نہیں کرتا، کیونکہ پہلی طلاق ہی عدت شروع ہو گئی، لیکن دوسری اور تیسری طلاق میں عدت کا لحاظ نہیں رہا حالانکہ بطلاق کیلئے عدت کا لحاظ ضروری ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ حکم دیا ہے کہ عدت کا لحاظ کر کے طلاق دی جائے بلکہ عدت کے اندر رجوع کرنے کا بھی حق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے،

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ • جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو بَعْرُؤُفٍ أَوْ سِتْرُ حُضُوتٍ مَعْرُوفٍ • (بقرہ - ۲۲۰) آجائو بچلے طریقہ سے نہیں بلکہ لومابچلے طریقہ سے صحت کرو۔

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدت پوری ہو رہی ہو تو بچلے طریقہ پر رد کا جا سکتا ہے، یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، کس نے ساقط کیا؟ اگر کوئی نص ساقط کرنے کے لئے موجود ہے تو کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تیسری دفعہ کی طلاق سے پہلے عدت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ لہذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر تیسری دفعہ کی طلاق دو دفعہ دی ہوئی طلاقِ رجعی کے بعد ہی واقع ہوتی ہے، نہ کہ بیک وقت۔ اللہ نے الگ الگ طلاقیں دینے ہی کا اختیار مرد کو دیا ہے، جیسا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ سے ظاہر ہے۔ لہذا جب جمع کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تو ان واحد میں دی جانے والی تین طلاقیں کس طرح تین واقع ہوں گی؟

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْلَاہُ (بہی سے علمدہ رہنے کی قسم کھانا) کا

حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالْمَطْلَقَاتُ يَتَرْتَبْنَ بِنَفْسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ • مطلقہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک روک رکھیں:

اور اسی سیاق میں فرمایا:

وَبِعُولَتِهِنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ

آرَادُوا إِصْلَاحًا - (سورہ بقرہ - ۲۲۸) دوران انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لینے کے حقدار ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایلاء میں بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

دوسری مثال ظہار کی ہے یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا۔ زمانہ جاہلیت میں اسے طلاق بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ظہار کے بعد رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَقْرَبُ مَا تَقُولُونَ مَنكَرٌ مِنَ الْقَوْلِ وَرُؤْيَا (مجادلہ ۲)۔ یہ لوگ ایک منکر اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

ظہار کو منکر اور زور قرار دینے کے باوجود اس کا صرف کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا یعنی ظہار کو طلاق نہیں ٹھہرایا اور جاہلیت کے اس رولج کو کہ بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ابدی طور پر شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے، باطل قرار دیا۔

اب زیر بحث مسئلہ کو لیجئے۔ کیا ایک وقت میں طلاق کے الفاظ ادا کرنے پر طلاق منقطع کا حکم لگانا ایلاء اور ظہار سے بھی شدید قرار دینے کے مترادف نہیں ہے؟ دراصل حالیکہ اس شدت کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

الغرض مجلس واحد کی تین طلاقوں کا تین واقع ہونا قرآن کی کسی نص سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ صریح طور سے قرآن میں کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ آن واحد کی تین طلاقیں تین واقع ہوں گی۔ رہا انصوب قرآنی کی تعبیر کا مسئلہ تو دلائل مذکورہ کی بنا پر یکجا طور پر ہی ہوتی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا ہی قرآن سے زیادہ مناسبت رکھنے والی بات ہے۔

جس طرح یکجائی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر قرآن کی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے اسی طرح احادیث صحیحہ کی بھی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔

کیا مجلس واحد کی تین طلاقوں کا وقوع حدیث سے ثابت ہے

جن احادیث سے اس کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے بعض احادیث تو وہ ہیں جن میں یکجا طور پر تین طلاقیں دینے کی صراحت موجود نہیں ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کا محقق دوسرا ہے اس لئے ان سے کوئی دلیل فراہم نہیں ہوتی اور بعض احادیث یا تو مضطرب ہیں یا ضعیف اس لئے ان میں سے کوئی حدیث حجت کی حیثیت نہیں رکھتی چند خاص حدیثوں کا جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جن سے عام طور پر مجلس واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے :

بَاتِ امْرَأَةٌ رِفَاعَةَ الْقُرظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي رِفَاعَةُ طَلْقِي فَبِتَّ طَلَاقِي وَآتَى نِكَحًا بَعْدَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الزُّبَيْرِ الْقُرظِيِّ وَانْمَاءُ مِثْلُ الْهَيْدَةِ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (مَلَكٌ تَرِيدُ أَنْ تَرَجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ - لَأَحْقَ يَذُوقُ عُسَيْبُكَ وَتَذُوقِي عُسَيْبَةَ - (بخاری کتاب الطلاق)

” رِفَاعَةُ قُرظِي كِي بِيْرِي رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي حُدُوثِ مِنْ حَاضِرِ بِيْرِي - اِدْرَعْرَضْ كِيَا رَسُوْلَ اللهِ ! رِفَاعَةُ نِي مَجْهِي طَلَاقِ بِيْتَرِ (كَأُوْلِي طَلَاقِ) دِي اِدْرَعْرِي نِي اِسْ كِي بَعْدَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زُبَيْرِ قُرظِي نِي نِكَاحِ كَرِيَا لِيَكُنْ وَهْ زَوْجِيَتِ كِي لَاقِي نِي هِي هِي. رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِي فَرِيَا شَايِدِ كِي تُوْرَجَاعُ كِي پَاسِ وَاپَسِ مَا نَاجَا بِيْتِي هِي. نِي هِي وَبِنِكِ كِي (زُبَيْرِ اِدْرَعْرِ شَهْرِي) تَحْمِي سَ لُفْ اِنْمَاءُ نِي هِي لِي اِدْرَعْرِ اِسْ لُفْ اِنْمَاءُ نِي هِي ”

اس حدیث میں طلاقِ بیتہ (کھٹنے والی طلاق) کا ذکر ہے، لیکن اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ تین طلاقیں یکجا طور پر دی گئی تھیں۔ البتہ صحیح مسلم کی حدیث طلاق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

فَطَلَقَهَا اِثْرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ
” اُس نے اُس کو تین طلاقوں کی آخری طلاق دی :۔ (یعنی تین طلاقوں میں سے جو آخری طلاق رہ گئی تھی وہ بھی دے دی) (مسلم کتاب الطلاق)

اس حدیث میں جب مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کی صراحت نہیں ہے تو اس سے اس کے واقع ہونے پر استدلال کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ : ” اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے :۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری - ج ۷، ص ۲۸۶) دوسری حدیث عمیرِ عجلانی کی ہے جس میں لعان کا قصہ بیان ہوا ہے :

فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ عُمَيْرُ كَذَبْتَ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ. جَبْ دَوْنِ لَعَانٍ سَ فَا رَخَ بُوْنِي تُوْعُوْمِيْرِي نِي كَمَا اِنْ اُمْسَكْتَهَا فَطَلَقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ اَكْرِئَ اِسْرَ بِيْرِي (كُو اِپْتِي نِي پَاسِ رُوْكِ لُو تُو هُوْرَا بِيْرِي - يَا مَرْءَةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر اس نے اس کو تین طلاقیں دے دیں قبل اس کے (بخاری کتاب الطلاق) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں :۔

اس حدیث کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ جب عمویر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بیک وقت تین طلاقیں دیں اور آپ نے نیکیر نہیں فرمائی تو مجلسِ واحد کی تین طلاقیں

واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ لعان کے بعد تفریق ہو ہی جاتی ہے، اور نہ رجوع کی گنجائش باقی رہتی ہے اور نہ دوبارہ نکاح کرنے کی۔ عموماً جو تین طلاقیں دیں وہ محض تاکید و توثیق کے لئے رکھیں، ورنہ لعان میں اس کے بغیر ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نیکہ کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی ہوگی۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ابن قدامہ لکھتے ہیں :

وأصح حديث المتلاعنين فيؤلزام لأنت الفرقة • ربي لعان والى حدته تو اس سے لازم نہیں آتا کیونکہ جب اللہ لم تقع بالطلاق فأنقضت بيمينهما (المخرج ۳، ۳۳) طلاق سے نہیں ہوئی بلکہ مجرد لعان سے ہوئی ہے۔ تاہم اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے کوئی چیز ثابت کی جاسکتی ہے تو صرف یہ کہ لعان کے بعد تین یکجائی طلاقیں دی جاسکتی ہیں۔ اس میں عموم پیدا کرنا اور جہاں رجوع کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے وہاں کے لئے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

تیسری حدیث فاطمہ بنت قیس کی ہے جو صحیح مسلم میں اس طرح بیان ہوئی ہے :

عن فاطمة بنت قيس أن أبا عمرو بن حفص • فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ ابو عمرو بن حفص نے طلقها البتة وهو غائب فأرسل إليها انہیں طلاق بتہ (جدا کرنے والی طلاق) دی اور وہ موجود وصليته بشعير فسقطته فقال والله نہیں تھے، اس لئے انہوں نے اپنے وکیل کو جو دے کر مالك علينا من شئ من فجاءت رسول الله ان کے پاس بھیجا۔ فاطمہ نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو اس نے صلي الله عليه وسلم فدكها ذلك کہا: قسم بخدا تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ فاطمہ نے لہ۔ فقال ليس لك عليه نفقة۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بعد اذ پیش کی۔

(مسلم کتاب الطلاق) آپ نے فرمایا، تیرا نفقہ اُس کے ذمہ نہیں ہے؟

اس حدیث میں بھی طلاق بتہ کا ذکر آیا ہے جس کو تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں :

”اُس نے اس کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی“

فطلقها آخر ثلاث تطليقات

اور دوسری روایت میں اس سے زیادہ صراحت ہے،

فَأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطبيقه " انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک طلاق جو ماتی
كانت بقیة من طلاقها. (کلم کتاب الطلاق) وہ کئی تھی دیکھ کر اپنے دیکھ کر ان کے پاس بھیجا =

جب یہ حدیث تین یکجائی طلاقوں کی صراحت نہیں کرتی تو اس سے ان کے واقع ہونے
پر استدلال کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

چوتھی حدیث حضرت ابن عباس کی ہے جس کو صحیح مسلم نے روایت کیا ہے اور جو بہت مشہور ہے،
عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد

رسول الله صلى الله عليه وآله وأبي بكر وصنتين من خلافة
عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن

الخطاب إن الناس قد استعملوا في أمر
كانت لهم فيه إنافة فلو أمضيناها عليهم

فأمضاه عليهم. (مسلم کتاب الطلاق) کہیں چھانچے آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا =

اس حدیث کو مجلس واحد کی تین طلاقوں کے ایصال کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جب
حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں تین یکجائی طلاقوں کو نافذ کر دیا تو اس سے اس کے ایصال اور

اس پر اجماع دونوں کا ثبوت ملتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس حدیث سے حضرت عمرؓ کا ایک
فیصلہ ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ اور عہد رسالت کا تعامل بھی تو ثابت ہوتا ہے۔ پھر

کس دلیل سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو مان لیا جائے لیکن حضرت ابو بکرؓ اور عہد رسالت
کے تعامل کو قبول نہ کیا جائے، جبکہ عہد رسالت کا تعامل بہر حال فوقیت رکھتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اس کی توجیہ یہ
کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین یکجائی طلاقوں کی شرعی حیثیت میں تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ محض تغیر بیان کو

نافذ کیا تھا اور تغیر بات کے باب میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات معلوم ہی ہیں۔ مثلاً شراب کی دوکانوں
کو حلال دینا، شرابیوں کے لئے اسی کوڑوں کی سزا مقرر کرنا اور شہر ہمدرد کرنا وغیرہ۔ صحابہ کرام نے جب
دیکھا کہ حضرت عمرؓ مصالح امت کے پیش نظر تغیر بیان کو نافذ کر رہے ہیں تو انہوں نے اس معاملہ

میں آپ سے اتفاق کیا ۔

یہ حدیث مسنن ابی داؤد میں جس طریقہ سے بیان ہوئی ہے اس میں

”اذ اطلق امرأتا قبل ان يدخل بها“ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق سے پہلے تین طلاقیں جملوہا واحداً ۔ دیتا تو انہیں ایک شمار کیا جاتا ہے ۔

کے الفاظ ہیں۔ لیکن امام نووی لکھتے ہیں کہ ابو داؤد کی روایت ضعیف ہے (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۷۸) ان تمام باتوں کے پیش نظر اس حدیث سے تین بیچائی طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے ۔

پانچویں حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے جو صحیحین میں بیان ہوئی ہے ۔

عن ابن عمر أنہ طلق امرأتہ وہی حائض فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذنا علیہما تم لیترکھا حتی تسهر ثم تحيض ثم تطهر ثم إن شاء أمسك بعدا ومان شاء طلق قبل أن یمنس فتلك العدة التي أمر اللہ أن یطلق لها النساء ۔ (مسلم کتاب الطلاق)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ کے عہد میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، ان سے کہو کہ وہ رجوع کر لیں پھر اسی حالت میں بیوی کو چھوڑیں یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر جب دوسرا حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو جائے تو چاہیں تو روک لیں، چاہیں تو جماعت سے پہلے طلاق دیں۔ یہی وہ مدت ہے جو حکم اللہ نے عورتوں کی طلاق کے سلسلہ میں دیا ہے ۔

یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں ہے، اسی لئے مسلمانے اس

حدیث کو طلاق الثلاث کے باب میں نہیں بیان کیا ہے بلکہ تحریم طلاق الحائض کے باب میں بیان کیا ہے۔ البتہ بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان ایک سوال کے جواب میں موجود ہے کہ :

فأما إن طلقها ثلاثاً فقد عصيت ربك فيما أمرك به من طلاق امرأتك وبيانك منك (مسلم کتاب الطلاق)

• اگر تو نے تین طلاقیں دی ہیں تو اپنی بیوی کی طلاق کے معاملہ میں تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ تجھ سے جدا ہوگی ۔

اس جواب میں تین بیجائی طلاقوں کی صراحت نہیں ہے۔ مزید برآں اس کی حیثیت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتوے کی ہے، یعنی مرفوع حدیث کا یہ جز، نہیں ہے۔

ربما مصنف ابن ابی شیبہ، وارث قطعی اور طبرانی کا مرفوعاً بیان کرتا کہ:

قلت يا رسول الله أرايت لو طلقها ثلاثاً (ابن عمرؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں تین اُكُلان یحل لی أن أراجعها فقال لا، طلاقین دے دیتا تو کیا میرے لئے رجوع کرنا جائز ہوتا۔ آپ نے کانت تبین منک وکانت معصیة۔ فرمایا نہیں، و تم سے جدا ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔

یہ اضافہ والی روایت ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے إغاثة اللہدان میں لکھا ہے۔ اس کے ایک راوی شعیب ہیں جن کے ثقہ ہونے میں کلام ہے۔ صحیح طریقوں سے یہ حدیث جہاں کہیں روایت کی گئی ہے اُس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ لہذا اس سے تین بیجائی طلاقوں کا اقطع ثابت نہیں ہوتا۔ چھٹی حدیث محمود بن لبید کی ہے جسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

عن محمود بن لبید قال أخبر رسول الله صلى الله عليه وآله عن رجل طلق امرأته ثلاثاً تطليقات جميعاً فقام غضباً ثم قال أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم حتى قام رجل وقتل رسول الله ألا أقتله۔

مطلوع کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی پوری کونین طلاقین بیجا طوع پر دی ہیں۔ یہ سن کر آپ صحت برہم ہوئے اور فرمایا: کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے، دران حالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک شخص آپ کی برہمی کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اور کہا، یا رسول اللہ! کیا میں اُسے قتل نہ کروں؟ (نسائی کتاب الطلاق)

اس میں تین طلاقوں پر آپؐ کے برہم ہونے کا ذکر ہے، لیکن اُن کے اقطع کی اس میں صراحت نہیں ہے اور آپؐ کا ارشاد أيلعب بكتاب الله (کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائیگا) واضح کرتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا کتاب اللہ سے کھیلنا ہے۔ لہذا یہ بات کس طرح یا در کی جا سکتی ہے کہ آپؐ اس کو مؤثر مان کر کتاب اللہ سے کھیلنے کی اجازت دیں گے؟ علاوہ ازیں اس روایت کے بارے میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ فیہ انقطاع (یہ روایت منقطع ہے) (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۲۷۷) الغرض تین بیجائی طلاقوں کا واقع ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

ساتویں حدیث مرکانہ کی ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

عن زكاته قال أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله إنني طلقته فقال ما أردت بها، قلت واحدة. قال والله. قلت والله. قال فهو ما أردت. (ترمذی، کتاب الطلاق)

ہرگز نہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ (جد کر کے والی طلاق) دی ہے آپ نے پوچھا تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ میں نے کہا، ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہو۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، آپ نے فرمایا، پھر اس کا حکم ہی تمہارا ارادہ کے مطابق ہے (یعنی چونکہ ایک طلاق کی نیت تھی اس لیے ایک ہی واقعہ ہوگی)۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے لکھا ہے (لا نعرف إلا من هذا الوجه) دم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے، اس کے ایک راوی زبیر بن سعید ہیں جن کے بارے میں علامہ ابن حجر نے تقیب التقدیب میں لکھا ہے کہ لیں الحدیث ہیں۔ اسی طرح دوسرے راوی عبد اللہ کے بارے میں بھی یہی بات لکھی ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حدیث پر کمانہ کوئی چیز نہیں۔ امام بخاری نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور حدیث حدیث کو جاننے والے ائمہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ (إغاثة اللبیبان ج ۱ ص ۳۱۶) اس لئے اس حدیث سے بھی مسئلہ زبیر بن سعید میں اسم لال نہیں کیا جا سکتا۔ برعکس اس کے ابو زکاتہ کی وہ حدیث جس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور جس میں ابو زکاتہ کے تین طلاقیں دینے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مراجعت کا حکم دینے کا ذکر ہے۔

فقال إني طلقته ثلاثاً يا رسول الله قال: «أبو زكاتہ نے کہا میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں یا رسول اللہ! قد علمت راجعاً»۔ (ابو داؤد، ابواب الطلاق) آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تم رجوع کر لو:

اس حدیث سے ایک طلاق واقع ہونے کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس کی اسناد میں بعضی بیانیہ رافع مذکور ہے جو راوی کے مجہول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

مشہور اور اہم حدیثوں کا جائزہ اوپر پیش کیا گیا۔ ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی ہیں جو بجا آئی تین طلاقوں کے اقرار کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ دارقطنی وغیرہ کی حدیثیں ہیں جو درجہ اسناد اور متن وغیرہ کے لحاظ سے ایسی نہیں ہیں کہ ان سے حجت قائم ہو سکے۔ اتنے اہم مسئلہ میں کمزور

غیر مشہور اور غیر واضح حدیثوں کا سہارا لے کر تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ حدیثوں کو قبول کرنے کے معاملہ میں اس قدر محتاط تھے کہ آپ نے فاطمہ بنت قیس کی اس مطلقہ کے لئے جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں، عدم نفقہ کی روایت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے :

قال عن نزل كتاب الله دستة تبينا
صلى الله عليه وسلم يقول لامرأة لاندك لعلمها
حفظت أو نسيت، لها التكني والنفقة
قال الله عز وجل، لا تخبرن جوهر بن سبيز
ولا يخبرن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة
حضرت عمرؓ نے فرمایا، کیا ایک عورت کے کہنے پر ہم
اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھڑیں گے
جبکہ ہم نہیں جانتے اس عورت نے یا درکھایا بھول گئی؟
مطلقہ ثلاثہ کے لئے نسکنی بھی ہے اور نفقہ بھی۔ اللہ عزوجل
نے فرمایا ہے، ان کو اپنے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں،
الایہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔
(مسلم کتاب الطلاق)

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں جبکہ کوئی صحیح اور صریح حدیث موجود نہیں ہے، قرآن کے بیان پر اتفا کرنا کافی ہے۔ غیر صحیح اور غیر صریح روایتوں سے تین یکجائی طلاقوں کا وقوع شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے پر
کیا تین یکجائی طلاقوں کے
وقوع پر اجماع ہے؟

دورِ صحابہ سے لے کر اب تک اس کے بارے میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث اور گزشتہ جلد میں بیان کیا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی کا اجماع کس چیز پر تھا؟ رہا حضرت عمرؓ کا اجتہاد تو اس کی جو توجیہ علامہ ابن قیم نے فرمائی ہے، اور پند کور سہولی یعنی یہ حکم عارضی تھا اور بطور تعزیر تھا۔ محمد حسین ہیکل نے بھی "الفاروق عم" میں اس پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ کی نص میں اجتہاد کیا تھا جس کی آج ہم مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ نص قرآنی کا مقصود یہ ہے کہ طلاق بالفعل ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ دینے پر واقع ہوا اور شوہر کے لئے دو دفعہ رُجوع کا موقع باقی رہے۔ کیونکہ اس کے اثرات زندگی پر گہرے مرتب

ہے۔ یہ صریح ہے کہ اسلام کے بارے میں، لیکن، اگر ہم اس کی توجیہ پیش کی جا رہی ہے وہ اس مفروضہ پر ہے کہ اگر اس
رہے، تو قابل استدلال سمجھا جاتا ہے۔ اس کی صحیح توجیہ یہ ہوگی۔

ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تجھے تین طلاقیں میں تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق ایک فعل ہے جسے واقع ہونا ہے، نہ کہ قول جسے زبان سے ادا کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق و شام کی لونڈیوں کی کثرت ہو گئی تھی اس لئے لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے میں جلدی کر رہے تھے اور ان کو بیک وقت تین طلاقیں دے کر جن لونڈیوں کی طرف ان کے دل راغب ہو جاتے تھے ان کو خوش اور مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے ایسا ہی کی بنا پر حضرت عمرؓ نے کلمہ واحد کی تین طلاقیں کو نافذ کر دیا۔ موصوف آگے لکھتے ہیں:

هَذَا الْجَهَادُ رَأْيُ خَالِفٍ عَمَّا فِيهِ مِنْ بَعْدِهِ - یہ حضرت عمرؓ کا اجتہاد رائے ہے جس کی مخالفت ان کے غیر واحد من الفقہاء و خالفه أهل عصرنا بعد متعدد فقہاء نے کی ہے اور دور حاضر میں بھی بلاد اسلامیہ کا الحاضر فی طائفۃ من البلاد الإسلامیة ولاضیر علی عمر من ذلك ولاضیر منه علی مخالفیه، فعمم وغیرہ من القمباتہ لم یكونوا یفتون براءہم علی سبیل الإلزام ولا علی أنہ وجہ الحق بل علی أنہ رأی ان یکن صوابا فی اللہ وان یکن خطأ فی صاتم فهو یتغفر اللہ منہ۔ (الخلع عمر محمد بن زین ج ۲، ص ۲۸۶)

موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

انستہ ما سنئہ اللہ ورسولہ لا تجعلوا " سنت وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے سنت قرار دیا ہے۔ رائے کی غلطی کو سنت کے لئے سنت نہ بناؤ۔ (ایضاً)

مصر کی مشہور کتاب " کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعة " کا مصنف رقم طراز ہے:

ولکن الواقع أنہ لم یوجد إجماع فقہاء خالفہم کثیر من المسابین۔ ومما لانت فیدان ابن عباس من المجتہدین الذین علیہم الموعول فی الدین فتقلیدہ جائز کما ذکرنا ولا یجب

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پر اجماع ثابت نہیں ہے چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی لاش مجتہدین میں سے تھی جن کے اوپر دین کے مسلمانوں پر اتنا زیادہ اختیار تھا کہ ان کی تقلید کرنا جائز ہے جیسا کہ

تقلید ہم فیما راہ لائتہ مجتہدًا و موافقہ
 الاکثرین لہ لائحتم تقلیداً علی ائتہ یجوز
 أن یکون قد فعل ذلک لتمدیر الناس من
 إیقاع الطلاق علی وجه مغایر للسنۃ فإن
 السنۃ أن تطلق المرأة فی أوقات مختلفه
 علی الوجہ الذی تقدم بیانہ فمن یجرأ علی
 تطليقها دفعۃ واحدة فقد خالف السنۃ و
 جزاء هذا أن يعامل بقوله زجر الـ

وبالجملة فإن الذين قالوا إن الطلاق
 الثلاث بلفظ واحد يقع به واحدة ثلاث
 لهم وجه شديد وهو أن ذلك هو الواقع في
 عهد الرسول وعهد خليفة الأعظم أبي بکر
 وسنتين من خلافة عمر واجتهد عمر بعد
 ذلك خالفه فيه غير ما يفتح تقليد المخالف
 كما يفتح تقليد عمر، والله تعالى لم يكلفنا
 البحث عن اليقين في الاعمال الفرعية لائتہ
 يكاويكوز مستحيلاً

(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعة ج ۲ ص ۲۲۲-۲۲۳)

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

«وكان ذلك، إذا طلقها ثلاثاً بكلمة أو كلمات
 في طهر واحد فهو محترق عند جمهور العلماء
 وتنازعوا فيما يقع بها، فقيل يقع بها الثلاث
 وقيل لا يقع بها، إلا طلقت واحدة وهذا

اگر کوئی شخص ایک کلمہ میں ایک کلمہ میں یا تین کلموں میں
 تین طلاقیں دے تو جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے لیکن
 ان کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایک قول
 یہ ہے کہ تین واقع ہوں گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی

ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت عمرؓ کی ان کی رائے کے معاملہ
 میں تقلید کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ آپ بھی مجتہد ہی تھے
 رہا اکثریت کا آپ سے اتفاق کرنا تو اس سے آپ کی تقلید
 لازم نہیں آتی لیکن یہ آپ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے
 اسے نافذ کیا ہے جو حکم لوگ خلاف سنت طریقہ پر طلاق دے رہے تھے
 کیونکہ سنت ہی ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔
 جس کے طریقہ کا اوپر بیان ہو چکا۔ جو شخص کیا بارگی طلاق دینے
 کی ہرأت کرتا ہے وہ سنت کے خلاف کرتا ہے اور اس کا تقاضا
 ہے کہ اس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔

مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بلفظ واحد
 ایک واقع ہوتی ہے تین نہیں، ان کا کہنا مستحکمیت پر مبنی
 ہے، کیونکہ عہد رسالت، خلیفہ اعظم حضرت ابو بکرؓ کے عہد
 اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع
 ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جو اجتہاد کیا اس کی دو رسولؐ
 مخالفت کی، لہذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح درست
 ہے جس طرح حضرت عمرؓ کی تقلید بتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرومی اعمال
 میں گریہ کر لینی صورت معلوم کرنے کا نہیں مکلف نہیں بنایا ہے

ہو الاظہر لادعی یدل علیہ الکتاب السنۃ
 اور یہی بات زیادہ صحیح ہے جس پر قرآن و سنت طالت کرتے
 ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

﴿وَكذلك﴾ الطلاق المحرم فی الحيض
 بعد الوطی هل یلزم؟ - فیہ قولان للعلماء
 والأظہر أنه لا یلزم التکاح المحرم والبیح
 المحرم وقد ثبت فی الصحیح عن ابن عباس
 قال کان الطلاق علی عهد رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بکر وصدرا من خلافة
 عمر طلاق الثلاث وحادثة - وثبت ایضاً فی
 مسند أحمد أن زکاة بن عبد یزید طلق
 امراتہ ثلاثاً فی مجلس واحد فقال النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم ہی واحدة ولم یتب عن
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلاف هذه السنۃ
 بل ما یضالفها، اما أنه ضعیف بل مرجوح
 واما أنه صحیح لایدل علی خلاف ذلك
 كما قد بسط ذلك فی موضعہ، واللہ اعلم۔
 (فتاویٰ ابن تیمیہ - ج ۲، ص ۸۶)

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

فإن الله سبحانه إنما شرع الطلاق
 مرة بعد مرة ولم يشوعه جملة واحدة
 أصلاً - (إغانتة اللفهان - ج ۱، ص ۲۸۲)

امام رازی لکھتے ہیں:

(الأول) وهو اختيار كثير من علماء الدين
 یہ قول بہت سے علماء دین کا ہے کہ اگر مرد کو تین

” طلاق محرم جو جماعت کے بعد حالت حیض میں دی
 جائے کیا وہ مؤثر ہوگی؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔
 زیادہ واضح بات یہ ہے کہ نکاح حرام اور بیح حرام مؤثر
 نہیں ہے اور صحیح حدیث میں حضرت ابن عباس سے ثابت
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت
 ابو بکرؓ کے عہد میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دور میں
 تین طلاقیں ایک کبھی جاتی تھیں۔ اور سند احمد کی حدیث
 سے ثابت ہے کہ زکاة بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو مجلس
 واحد میں تین طلاقیں دیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا کہ وہ ایک ہی طلاق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
 اس سنت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہے۔ اس کے
 خلاف جو کچھ مروی ہے وہ یا تو ضعیف ہونے کی وجہ سے
 مرجوح ہے، یا صحیح ہے لیکن اس سے اس کے
 خلاف بات ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ دوسرے مقام پر تفصیل
 کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم

اِنَّهٗ لَوَطَّقَهَا اَنْتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا لَا يَبْعَثُ اِلَّا الْوَلَدَ وَهَذِهِ الْقَوْلُ هُوَ الْاَقْبَسُ لِاَنَّ النَّهْيَ يَدُلُّ عَلَى اِسْتِمَالِ الْمَنْهَى عَنْهُ عَلَى مَفْسَدَةٍ رَاجِعَةٍ وَالْقَوْلُ بِالْوُقُوعِ سَعَى فِي اِدْخَالِ تِلْكَ الْمَفْسَدَةِ فِي الْوُجُودِ وَاتَّةٌ غَيْرُهَا يُزْفَرُ بِهَا اَنْ يُحْكَمَ بَعْدَ الْوُقُوعِ -
(التفسير الكبير ج ۲، ص ۲۶۰)

ظلماتیں دی ہوں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ کسی چیز کی ممانعت دلاتی کرتی ہے اس بات پر کہ ممنوعہ چیز بڑے مفردہ پر مشتمل ہے لہذا تعلیقات ثلاثہ کے واقع ہونے کا قول اس مفردہ کو وجود میں لانے کے مترادف ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عدم وقوع کا حکم لگایا جائے :-

ان تمام تصریحات سے واضح ہوا کہ مجالس واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع نہیں ہے، بلکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

اگرچہ کہ ائمہ اربعہ مجالس واحد کی تین طلاقوں کے ایقاع کے قائل ہیں، لیکن علماء و فقہاء کی ایک تعداد صرف ایک طلاق کے وقوع کی قائل ہے۔

مثلاً ابن عباس، عکرمہ، طاؤس، ابن اسحاق، امام رازی، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، داؤد ظاہری وغیرہ۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں :

اور اہل علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق، طلاق کے پیچھے نہیں واقع ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے۔ صاحب بقر نے اس کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام طاؤس، امام عطاء، جابر بن زبید، ہادی، قاسم، ناصر، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن عیسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زبید بن علی سے نقل کی ہے۔ اسی طرف متاخرین کی بھی ایک جماعت گئی ہے جس میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے اور ابن المنذر نے اس کو اصحاب ابن عباس، عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ابن منقیت نے اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام سے بھی نقل کیا ہے۔ نیز ابن منقیت نے اپنی کتاب "الوثائق" میں اسی کو محمد بن قساح سے بھی نقل کیا ہے، اور مشائخ قرطبہ میں سے محمد بن تقی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک

جماعت کا بھی فتویٰ اس قول پر نقل کیا ہے۔ (الجواب النعالیہ۔ از مولانا ابو جویہ اعظمی بحوالہ النیل للطلوع ج ۲ ص ۲۴۵) اہل حدیث نقطہ نظر بھی یہی ہے۔

علاوہ ازیں اثنا عشریوں کا بھی یہی مسلک ہے اور امامیہ کے یہاں تو تین یجائی طلاق دینے سے طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔

عجاج بن ارطاة اور محمد بن مقاتل (حنفی) بھی اس کے قائل ہیں کہ اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ملاحظہ ہو شرح مسلم للنووی۔ ج ۱ ص ۴۷۸)

درحقیقت تین یجائی طلاقوں کے وقوع کو تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رُجوع کا جو حق اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، اُس کو ساقط کر دیا جائے۔ پھر

تین یجائی طلاقوں کے وقوع کا اثر اسلام کے نظام طلاق پر

معاملہ نہیں پر نہیں کرتا، بلکہ اس کو تسلیم کرنے کے بعد دوسرے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک طلاقِ رجعی کے بجائے ایک طلاقِ بائن دے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے رُجوع کے حق کو خود ہی ساقط کر دے تو اس کے وقوع کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور غالباً اسی لئے کچھ فقہاء کو ایک طلاقِ بائن کی گنجائش نکالنا پڑی ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کی رُو سے مَدْخُولٌ بَهَا کی ایک طلاقِ رجعی ہی ہوتی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو اسلام کا پورا نظام طلاقِ فقہیت اور قانونی اُٹ پھیر کی زد میں آجاتا ہے جس سے شرعی احکام کی رُوخ مجروح ہو جاتی ہے، جو عظیم مصالحِ معاشرتی زندگی کی تعمیر میں اسلام نے ملحوظ رکھے ہیں، وہ متاثر ہو جاتے ہیں، اعتدال باقی نہیں رہتا اور مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچہ کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے اس اندازِ فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

مسلم ممالک میں ایک طلاق کا قانون | مسلم ممالک نے تطلیقات ثلاثہ کے سلسلہ میں جو قوانین بنا لئے ہیں اُن کی حیثیت شرعی محبت

کی ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے ان قوانین کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا، تاہم یہ معلوم کرنا خالی از حدیسی نہ ہو گا کہ کن ممالک نے اس سلسلہ میں انقلابات کئے ہیں۔ اسی مقدمہ کے پیش نظر یعنی بعض معلومات اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مہرنے ۱۹۲۹ء میں آن واحد کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر دیا اور قانون یہ بنایا کہ متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوں گی اور وہ رجعی ہوگی۔

A divorce accompanied by a number expressly or impliedly, shall count only a single divorce. and such a divorce shall be revocable -

(Egyptian family Laws of 1929 art. 3)

اسی قسم کا قانون سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں، اردن نے ۱۹۵۱ء میں، شام نے ۱۹۵۳ء میں، مراکش نے ۱۹۵۸ء میں، عراق نے ۱۹۵۹ء میں اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا۔ (ملاحظہ ہو طاہر محمود کی کتاب — Muslim Law Reform)

تاکیدی طلاقوں کا حکم | کبھی محض تاکید کے لئے طلاق کا لفظ دہرایا جاتا ہے جس کی مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں۔ مرد طلاق دیتے وقت اُنہِ طابق، طابق، طابق، یا طلاق، طلاق، طلاق کہتا ہے، لیکن اس کی نیت تین طلاقیں دینے کی نہیں ہوتی، بلکہ محض تاکید مقصود ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں متعدد فقہاء، ایک ہی طلاق شمار کرنے کے قائل ہیں۔

حنبلی مسلک کی کتاب المغنی میں علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فإن قال أنت طابق، طابق، طابق. و اگر کہا تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے اور کہے کہ میں قال أردت التوكيد، قيل منه تاکید کی غرض سے کہا تھا تو اس کا یہ بیان قبول کر لیا جائے گا۔ لأن الكلام يُكسرُ للتوكيد كقولہ کیونکہ بات تاکید دہرائی جاتی ہے جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، یعنی باطل. وان قصد الإيقاع وكسر

اوپر پیش کیا گیا ہے اُس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ تین یجائی طلاقوں کے ايقاع پر نہ قرآن کا کوئی صریح حکم موجود ہے، نہ کوئی صحیح حدیث ہی ایسی ہے جس میں اس کا صریح حکم بیان کیا گیا ہو اور نہ اس پر اجماع ہی ثابت ہے، بلکہ یہ مسئلہ دورِ صحابہؓ سے لے کر اب تک اُمت کے درمیان مُتخَلَف فیہ رہا ہے اور دلائل دونوں طرف موجود ہیں۔ ایسی صورت میں جو بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ نسقی اور قطعی حکم کا نہیں، بلکہ تعبیر اور اجتہاد کا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے اُس کو اجتہادی اختلاف پر مُمول کرتے ہوئے فتویٰ اُس اجتہادی رائے کے مطابق دیا جانا چاہئے جو مصلح اُمت کے لحاظ سے اُنسب ہو۔

ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ لوگ بُری طرح جہالت میں مُبتلا ہیں، شرعی احکام نئے بہت کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں، اسی لئے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں پچھتانے لگتے ہیں، دوسری طرف مرد کی اس نادانی کے نتیجے میں خاندان کے لئے بڑے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں اور تیسری طرف سَلْم پرسنل لا اور اسلامی نظام معاشرت کے مخالفین شریعت پر حرف زنی کرنے اور اسلامی طرز معاشرت کی بڑی بھونڈی تصویر پیش کرنے لگتے ہیں جس سے جدید تعلیم یافتہ ذہن خاصا متاثر ہو رہا ہے اور شرعی قوانین کی حفاظت کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات کھڑی ہو رہی ہیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر مصالحِ دین اور مصالحِ اُمت کا تقاضا ہے کہ فقہی مسلکوں کے خول میں بند رہنے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیا جائے اور اُس اجتہادی رائے کو اختیار کیا جائے جس کے مطابق تین یجائی طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ایک طرف عام مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ پیدا کرنے کے ساتھ انہیں طلاق دینے کے شرعی طریقہ سے واقف کرایا جائے کہ اگر کوئی شخص طلاق دینا چاہے تو صرف ایک طلاقِ رجعی بحالتِ طہر جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو، دینے پر اکتفا کرے۔ اس کے بعد اگر وہ رجوع کرنا نہیں چاہتا تو عدت گزارنے دے۔ عدت گزارنے پر دوبارہ نکاح کا موقع باقی رہے گا، اس لئے پچھتانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوگا۔

ایک طرف تو وسیع پیمانے پر اس شرعی حکم سے لوگوں کو واقف کرنے کی کوشش کی جائے اور دوسری طرف ہماری شرعی بینچائیں تین یجائی طلاقوں کے ایک واقع ہونے کا فتویٰ دیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

تَطْلِيقَاتِ ثَلَاثِ

اِنْشَاءً

مولانا سعید احمد اکبر آبادی
ایڈیٹر ماہنامہ "بیر برار" دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام میں طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ رَجْعِيَّةٌ۔ جس میں عدت گزرنے سے پہلے پہلے مُطْلِق اپنے قول یا عمل سے طلاق واپس لے سکتا ہے۔

۲۔ بَيِّنَةٌ۔ جس میں مُطْلِق عدت ختم ہونے کے بعد تجدیدِ نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ مُعْلَقَةٌ۔ اس میں مُطْلِق حلالہ کے بغیر تجدیدِ نکاح نہیں کر سکتا۔

اس وقت موضوع بحث ہی تیسری طلاق ہے، اس لئے ہم اس پر ہی گفتگو کریں گے۔

اس طلاقِ معلقہ کا حکم قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے بطریقِ نص ثابت ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ ۚ قَامَسَا۟
بِعَمْرٍ وَاَوْتَرَٰنِیْۤ اِنْ حَسَنَ۟ (البقرہ) بعد ازاں معروف کے ساتھ عورت کو روک لیا جائے اس کو اس کی تہہ چھوڑ دیا جائے

اس کے بعد ارشاد ہوا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗۤ مِنْۢ بَعْدِ
حَتّٰی تَنْكِحَ رَوْحًا غَيْرَهَا ۝
اگر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد پھر ایک طلاق اور دے دی تو اب تک عورت کسی اور سے نکاح نہیں کریگی وہ پہلے مرد کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

ان آیات کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاقِ معلقہ اُس وقت واقع ہوگی جب کہ

مرد اگے بیچھے دو طلاق دینے کے بعد یہ فیصلہ کر لے کہ اُسے اب عورت کو اپنی زوجیت میں نہیں لینا ہے اور اس فیصلہ کے مطابق وہ ایک طلاق اور واقع کر دے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگی کہ اگر کوئی شخص اگے بیچھے نہیں بلکہ تین طلاقیں ایک ساتھ واقع کرے گا تو اُس کا

یہ فعل قرآن کے مذکورہ بالا حکم کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث جس کی اسناد امام مسلم کی شرط پر ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں تو آپ غیظ و غضب کے عالم میں کھڑے ہو گئے

اور فرمایا:

اَیُّکُمْ یُکْتَابُ اللّٰهُ وَاَنَا بَیْنَۤ اَظْهَرُکُمْ
کیا ابھی جب تکین تم لوگوں میں موجود ہوں کتاب اللہ سے اس طرح کھیلنا جائیگا۔

علاوہ ازیں مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ زکاتہ بن عبدیزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور پھر اُن کو اس کا شدید غم اور صدمہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: تم نے طلاق کس طرح دی تھی؟ زکاتہ نے جواب دیا: میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا: کیا ایک مجلس میں؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! ایک مجلس میں۔ اب آپ نے فرمایا: فَاِنَّمَا تَدْفُ وَاحِدَةً فَارْجِعْهَا۔ (یعنی یہ تو ایک ہی طلاق ہوئی، تم اسے لو اگر تم چاہتے ہو) زکاتہ کا بیان ہے کہ اس ارشاد نبوی کے مطابق میں نے رجوع کر لیا۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام احمد فرماتے ہیں کہ اسی روایت کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے بھی تھی کہ طلاق ایک ساتھ نہیں بلکہ ٹھہر میں الگ الگ ہونی چاہئے، اور یہی طلاق سنت بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، عہد نبوی اور عہد صدیقی اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو برس تک تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً دی جائیں اُن کا حکم ہی تھا کہ وہ ایک سمجھی جاتی تھیں، لیکن اپنی خلافت کے دو برس گزرنے کے بعد حضرت عمر نے مذکورہ بالا تین طلاقوں کو تین طلاق یعنی طلاق مغلظہ ماننے کا حکم صادر فرمایا۔ کیوں؟ حضرت عبداللہ بن عباس اس سلسلہ میں خود حضرت عمر کے الفاظ نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرِہٖ وَہٖ حَبِیْرٌ جَسْمٌ (قرآن و سنت کے مطابق) لوگوں کے لئے سوچنے کا کان لہم فیہ اِنَاةٌ فَلَوْ اَمْضِیْنَاہٗ بَرَّ اَسْمٰوٰتِہٖا، اس میں انہوں نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔
 علیہم۔ (مسند امام احمد ج ۱ ص ۷۷) پس بہتر ہے کہ ہم اُن پر اپنا حکم نافذ کریں۔

حضرت عمر کا یہ قول نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: فَاَمْضَاہٗ عَلَیْہِمَا (چنانچہ حضرت عمر نے یہ حکم نافذ کر دیا) حضرت عبداللہ بن عباس کے اس ارشاد سے یہ بات تو صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ حضرت عمر کا یہ اقدام بے وجہ نہیں تھا، بلکہ لوگوں نے کسی وجہ سے ایک لمحہ جلد بازی کی اختیار کر رکھی تھی جو سترائے قرآن کے منشا و مقصد کے خلاف تھی۔ اس بنا پر حضرت عمر نے اُن لوگوں کو متنبہ کرنے کے خیال سے یہ اقدام فرمایا، تاکہ انہیں محسوس ہو کہ اس جلد بازی کے باعث

انہوں نے کس طرح شریعت کے یُسٹر کو اپنے لئے مُسرتا لیا ہے اور اس باب میں اُن کا حال ان بنی اسرائیل کا سا ہو گیا ہے جن کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ اللہ نے سب کھانے کی چیزیں ان لوگوں کے لئے حلال کی تھیں، مگر جب انہوں نے خود اپنے اوپر بعض چیزیں حرام کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اُن چیزوں کو حرام کر دیا۔

اب رہی یہ بات کہ وہ وجہ آخر کیا تھی جس کے باعث حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں نے جلد بازی کی راہ اختیار کی تھی؟ اس سوال کے جواب میں عہدِ حاضر کے مشہور اور بلبند پایہ مصنف محمد حسین ہیکل اپنی معرکہ الآرا کتاب عمول الفاروق میں لکھتے ہیں،

”غالب گمان یہ ہے کہ عہدِ فاروقی میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد اُن سے شفقت اور نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عراق و شام کی کینزیں بکثرت آگئی تھیں اور مدینہ اور جزیرہ العرب کے لوگ اُن پر فریفتہ تھے اور وہ اپنی ان من موہنیوں کو خوش کرنے کے لئے بیویوں کو بجماعت و شدت بیک لفظ تین طلاقیں دینے لگے، تاکہ اُن کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ ان کے دل پر تنہا قابض ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کے باعث صدرِ اول کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو ازراہ بے پروائی و ایذا رسانی ایک ہنسی کھیل بنا لیا تھا۔ ان میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عری یا غمی عورت سے شادی کرتا چاہتا تھا تو وہ یہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تاکہ وہ اس کے لئے مطلقہ کے بغیر حلال ہی نہ ہو سکے۔ اب اگر مطلقہ کے بعد شوہر اپنی پہلی بیوی سے مراجعت کرتا بھی تھا تو اس سے گھر میں ایسی بد مزگی پیدا ہوتی تھی کہ زندگی اُجیر بن جاتی تھی۔“

غرض کہ اس قسم کے اسباب تھے جن کی بنا پر حضرت عمر نے یہ حکم جاری کیا کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً واحدۃً دی جائیں گی اُن کا حکم طلاق منقطعہ ہونے میں وہی ہو گا جو اُن تین طلاقوں کا ہے جو طلاق سنت کے مطابق تین کُہروں میں دی گئی ہوں۔ حضرت عمر نے دیکھا جو شخص نکاح کی گزہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالتا ہے وہ بے جس اور زیادہ گوانسان ہے اور اسے اس بے بسی اور زیادہ گویائی کی سزا ملنی چاہئے۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور اس سے خود حضرت عمرؓ

کے مذکورہ بالا قول کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک ایک اور چیز بھی ہے جو اس موقع پر پیش نظر رہنی چاہئے اور وہ یہ کہ حضرت عمر سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے پاس جب کبھی محلل اور محلل لہ لہ لے جائیں گے، میں ان دونوں کو رجم کر دوں گا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عرب سوسائٹی میں تحلیل کا رواج ہوتا جا رہا تھا اور اسی رواج کے زیر اثر لوگوں نے عجلت پسندی کی راہ سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کا طریقہ اختیار کر لیا ہو گا۔ اور ظاہر ہے یہ رواج معاشرہ میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط کا ایک ایسا ہی بڑا ذریعہ بن سکتا ہے جیسا کہ مُتَعہ۔ اس بنا پر جس طرح حضرت عمر نے مُتَعہ قطعاً طور پر حرام قرار دے دیا ہے، اسی طرح طلاق کی کثرت اور اُس کے اثرات مابعد سے جو صورت حال پیدا ہوتی جا رہی تھی اس کے انسداد کی یہ شکل نکالی کہ ایک طرف ایک ہی مجلس میں اور دفعۃً دی گئی تین طلاقوں کا حکم طلاق منغلظہ قرار دے دیا اور دوسری جانب تحلیل کو بالکل ممنوع اور حرام قرار دیا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "زواج المہلل حرامٌ بالجماعة الصحابة، اور شیخ محمد عبده لکھتے ہیں: "ان نکاح التحلیل شر من الممتعہ وأشد فساداً و عاراً۔"

حضرت عمر کا یہ اقدام ایک سخت قسم کی معاشرتی خرابی کو روکنے کے لئے ایک ایسا ہی اجتہاد تھا جیسا کہ اُن کے دوسرے اجتہادات تھے۔ بہر حال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خاص مسئلہ زیر بحث میں حضرت عمر کے اس اجتہاد کو قبولِ عام حاصل ہوا اور تمام صحابہ نے اس کو تسلیم کر لیا اور اس کا حکم وہی ہو گیا جو اجماع صحابہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے اور اسی پر ان کا فتویٰ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ ایک مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور اس بنا پر اس بات کی گنجائش ہے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے یا ایک ایمر جنسی پیدا ہو جانے کی صورت میں اس پر از سر نو نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔ یہ نظر ثانی جن وجوہ اور دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

۱- قرآن مجید میں تین طلاقوں کے بارے میں جو آیت ہے وہ اس باب میں نص قطعاً ہے کہ طلاق منغلظہ اُس وقت واقع ہوگی جبکہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے مختلف مجلسوں میں واقع

کی جائیں۔

۲۔ فَمَا مَلَكَ بَعْضُؤُنَا فَوْقَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ يَا هِنَابَ سَمْعًا تَيْسَرِي طَلَاقِ كَعِ وَاقِعِ كَرْنِي مِي
قصد اور ارادہ کا بھی اشارہ نکلتا ہے۔

۳۔ طَلَاقِ سَعِ مَتَعَلَّقِ قُرْآنِ مَجِيدِ اَوْدَا عَادِيثِ نَبَوِيَّةِ مِي جَو تَصْرِيحَاتِ مِي اُنْ سَبِّ كُو كَجِبَا
طور پر پیش نظر رکھا جائے تو ان سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

(الف) طَلَاقِ اَكْرَمِ مَبْرَاحِ اَوْدِ مَشْرُوعِ مِي لِيكِنِ اِبْنِ مَالِكٍ مَبْرَاحٌ مِي اَوْدِ مَبْرَاحِ مِي اَصْلِ اِسْمِ كِي تَقَابُ مِي۔
(ب) طَلَاقِ اُسْ قَوْلِ نَبِيِّ جَبْرِيكِي شَوْهَرِ اَوْدِ مَبْرَاحِ مِي اَوْدِ مَبْرَاحِ مِي اَوْدِ مَبْرَاحِ مِي اَوْدِ مَبْرَاحِ مِي
نہیں رکھ سکیں گے۔

(ج) لِيكِنِ طَلَاقِ سَعِ قَبْلِ اِيكِ مَبْرَاحِ كِي سَمْعًا مِي اِيْمَا مَعَامَلَه مِي مَشِي كَرُو مِي نَا چَا مِي۔

(ح) طَلَاقِ وَاقِعِ كَرْنِي سَعِ مَرْدِ كَا مَقْصِدِ عَوْرَتِ كُو سَتَانَا اَوْدِ اُسْ تَكْلِيْفِ دِي تَا نِهِي مِي نَا چَا مِي۔

(ع) طَلَاقِ مَالِكِ غَضَبِ مِي نِهِي دِي نَا چَا مِي۔ (حافظ ابن قتيّم نے زاوَادِ الْمَعَادِ ص ۱۱۱ میں حدیث نقل کی ہے)

کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا

لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي الْاِعْتِاقِ۔ ابو العباس المبرور نے الکامل میں اِطْلَاقِ كِي مَعْنَى مِي بَيَانِ

كِي مِي دَنَگِ دَلِ بَعِيْنِي، مَجْبُورِي۔ حافظ ابن قتيّم نے اس كِي مَعْنَى غَضَبِ كِي لِي مِي۔ اس

بِنَا پَرِ اس اِرْشَادِ نَبَوِي كَا مَطْلَبِ مِي مَرْدِ كُو غَضَبِ اَو مَجْبُورِي كِي مَالِكِ مِي جَو طَلَاقِ دِي جَا مِي وَ طَلَاقِ

مِي نِهِي مِي۔ چنانچہ امام مالک کا غصب یہی ہے اور اس كِي خَاطِرِ اَمْوَالِ نِي جَو شَرَا اَبْدِ رَا شَتِ كِي

مِي وَ اِبْلِ عِلْمِ سَعِ مَعْنَى نِهِي مِي

(و) طَلَاقِ كِي بَارِ مِي مَرْدِ كِي نِيَّتِ كَا اَعْتِبَارِ مِي نَا چَا مِي۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں

اِيكِ بَابِ بَانَدْعَا مِي جِس كَا مَعْنَى مِي، بَابِ الطَّلَاقِ فِي الْاِعْتِاقِ، وَالسُّكْرَانِ بَوَالِجِهِ مِي

وَالْعَوْدِيَا، وَالْقِلَطِ، وَالْتَسْيَانِ فِي الطَّلَاقِ وَالْتَشَلُّقِ۔ اور اس كِي بَعْدِ مَدْرَسَةِ

بَابِ اَلْاَعْمَالِ هِيَ الْبَيِّنَاتِ نَقْلِ كِي مِي۔

اب ذرا صرف ہندوستان اور پاکستان میں نہیں بلکہ عالم اسلام میں ہر جگہ آجکل جو حالات

پیش آ رہے ہیں اُن کا ہائزہ لیجئے۔ وہ حالات یہ ہیں۔

۱۔ آج مسلمان عام طور پر طلاق کے مسئلہ مسائل سے ناواقف ہیں اور وہ جمعیت، بانہ او منغلظہ کے فرق کو نہیں جانتے۔ اس لئے جب کبھی غصہ کی حالت میں ناراض ہو کر یا کسی اور سبب سے بیوی سے ترک تعلق کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو بے تکلف طلاق کا لفظ دو تین مرتبہ بول جاتے ہیں۔

۲۔ لیکن جب غصہ فرو ہوتا ہے تو اُن کو اپنی حرکت پر ندامت ہوتی ہے اور وہ عورت سے زوجیت کا تعلق پھر قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن اُن کو بتایا جاتا ہے کہ بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور اب وہ حلالہ کے بغیر اُن کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔

۳۔ حلالہ کرنے اور کرنے والے دونوں پر اُن حضرت علیؑ نے لعنت بھیجی ہے اسی لئے مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوتا اور لیں بھی ان کی غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

۴۔ شوہر ہنزار کہتا ہے کہ مجھ کو نہ طلاق منغلظہ کا حکم معلوم تھا اور نہ میری نیت یہ تھی، لیکن اُس کی کوئی شتوائی نہیں ہوتی اور فیصلہ برقرار رہتا ہے۔

۵۔ اُس بد نصیب عورت کی جوانی کی عمر حاصل چکی ہے اسی لئے کچھ اس بنا پر اور کچھ طلاق سے دلغ دار ہونے کے باعث اب اس کی کہیں شادی بھی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ اُس عورت کے لئے گذر بسر کا ذریعہ بھی لیک نکاح تھا۔ اب جب یہ منقطع ہو گیا تو اُس کے لئے معاش کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ جب ایک انسان اس طرح معاش سے محروم اور تنگ دست ہوتا ہے تو پھر اُس سے کوئی گناہ مُستبعد نہیں ہوتا۔

۷۔ علاوہ ازیں یہ معاملہ صرف ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہی نہیں بلکہ اُن کی اولاد بھی ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ اُن پر کیا گذرے گی؟ اور والدین کی باہمی مفارقت سے ان کے دل و دماغ پر نفسیاتی، اخلاقی اور ذہنی اثرات کیا ہوں گے؟ ارباب نظر پر یہ پوشیدہ نہیں ہے۔ غرض کہ یہ حالات ہیں جنہوں نے مسلم سماج میں ایک عظیم تہلکہ برپا کر رکھا ہے۔ عالم اسلام کی علامتوں کی رونما و ملاحظہ کیجئے، آپ کو معلوم ہو گا کہ اس طرح کے افسوسناک واقعات کس کثرت سے روزانہ پیش آ رہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ امن و چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں اگر ان کو عشرت گدوں

تک اُن ہزاروں ستم رسیدہ و مظلوم انسانوں کی داد فریاد اور آہ و شیون نہیں پہنچ سکتی تو کیا اسلام کے پاس بھی اُن کے لئے کوئی مدد نہیں ہے؟ — جواب یہ ہے کہ، ہے، اور لازمی طور پر ہے۔ خود حضرت عمر کے اقدام سے یہ صاف ظاہر ہے کہ طلاق کے احکام میں اس قدر لچک ہے کہ اسلامی سوسائٹی کے خاص حالات کی اصلاح کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی کسی آیت کے منطوق حکم میں تفسیر اور تخصیص کا عمل کیا جاسکتا ہے۔ پس جب یہ ہو سکتا ہے تو اگر کسی زمانہ یا بعد میں کسی اور قسم کے ناگفتہ بہ حالات سماج میں پیدا ہو جائیں اور اُن کی اصلاح قرآن کے اصل منطوق کی طرف رجوع کرنے سے ممکن العمل ہو سکتی ہو تو پھر اُس راہ کو اختیار کرنا کیوں بدرجہ اولیٰ درست اور انبہ نہ ہوگا۔ اس بنا پر طلاق سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور مذکورۃ الصدقہ تنقیحات کے پیش نظر موجودہ معاشرتی حالات میں ہمارے نزدیک علماء مجتہدین کے لئے اس امر کی کافی گنجائش ہے کہ وہ حسب ذیل فیصلے کریں۔

۱۔ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں وہ ایک طلاق سمجھی جائے گی اور طلاقِ رجعیہ ہوگی۔

۲۔ تین طلاقیں جو ایک ہی مجلس میں تین لفظوں سے دی جائیں اور شوہر شدید غضب کے عالم میں ہو اور غصہ فرو ہونے کے بعد وہ یہ کہے کہ میں نے دوسری اور تیسری طلاق کے الفاظ پہلی ہی طلاق کو موکد کرنے کے لئے کہے تھے، یا بے سمجھے بوجھے غصہ میں زبان سے نکل گئے تھے اور میں طلاقِ مغلظہ کے حکم سے ناواقف تھا اور نہ اس کا ارادہ تھا۔ تو ان سب صورتوں میں مرد کی تصدیق کی جائے۔ اسلامی شریعت کی درحقیقت اسپرٹ ہی یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو رشتہ ازدواج کو قائم رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ ہاں البتہ جب شوہر نے یہ ٹھان ہی لیا ہے کہ اُسے اس رشتہ کو منقطع کر دینا ہی ہے تو اب مجبوری ہے۔

اب آئیے جو حضرات مذکورہ بالا تین طلاقوں کو ایک طلاقِ رجعی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں اور اس کے شدید مخالف ہیں، ان کے دلائل کا بھی جائزہ لیں۔

ان حضرات کا سب سے زیادہ زور اس پر ہے کہ حضرت عمر کا حکم اجماعِ صحابہ کا حکم رکھتا ہے جو قطعی الدلالت والیقین ہے اور اسی بنا پر ائمہ اربعہ کا باہم اس میں کوئی اختلاف

نہیں۔ اس کے جواب میں گزارش یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتویٰ کی جلد ۲-۴ میں اور امام عالی مقام کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہا نے اغاثۃ اللہمغان الکبیری والصفیٰ میں اور پھر اپنی کتاب زاد المعاد اور اعلام الموقعین میں طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر بہت مفصل جامع اور مدلل گفتگو کی ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمائیے، مخالف حضرات کے دلائل کا جواب مل جائے گا۔ چنانچہ اجماع صحابہ کی نسبت حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس، علی و عبداللہ بن مسعود کے متعلق دونوں طرح کی روایات ہیں۔ بعض میں ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور بعض روایات میں اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ طلاق متعلقہ ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، لیکن زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، عکرمہ، طلحہ بن محمد بن اسحق، نلاس بن عمرو، حارث مکی، داؤد بن علی اور ان کے اکثر اصحاب، بعض اصحاب مالک، بعض اصحاب حنفیہ، بعض اصحاب احمد بن حنبل ان سب کا فیصلہ یہ تھا کہ طلاق ثلاثہ کا حکم ایک طلاق کا ہے۔

پس جب صورت حال یہ ہے تو اجماع کا دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن قیم کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ درحقیقت حضرت عمر کے فیصلہ پر اجماع نہ عہد صحابہ میں ہوا، نہ عہد تابعین میں، نہ عہد تبع تابعین میں۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں: سلف اور خلف میں مالک، احمد بن حنبل اور داؤد وغیرہم کے اصحاب میں ایسے حضرات تھے جو یا تو طلاق ثلاثہ کو لغو قرار دیتے تھے، یا اس سے ایک طلاقِ رجعی واقع کرتے تھے، اور یہی صحابہ و تابعین سے بھی منقول ہے۔

پس اول تو یہ دعویٰ کرنا ہی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر کے حکم پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا اور اگر یہ اجماع تھا بھی تو یہ اجماع سکوتی تھا جو مرتبہ میں بہر حال اجماع تقریری سے کم ہوتا ہے۔ اور پھر یہ امر بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو اجماعی فیصلہ کسی خاص زمانہ میں اُس وقت کے مخصوص حالات و ظروف کی بنیاد پر کیا گیا ہو، علماء اصول فقہ کے بیان کے مطابق جب تک وہ نہ اُس کے وہ حالات باقی رہیں گے، اُس وقت تک اجماعی فیصلہ واجب العمل رہے گا، لیکن جب وہ

حالات بدل جائیں گے تو اب وہ اجماعی فیصلہ واجب العمل نہ رہے گا اور اُس کے بجائے نئے حالات اور نئے تقاضوں کی روشنی میں کوئی دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا۔

آج مسلمانوں کو یہی صورت حال درپیش ہے، جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا۔ یہ حالات ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عالمگیر ہیں۔ ہر اسلامی ملک کے علماء و محققین اُن پر غور و غوض کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے فیصلے کئے ہیں۔ چنانچہ مصر جو جامعہ ازہر کے باعث علوم دینیہ و اسلامیہ کا مرکز ہے اور جہاں اکابر علماء و محققین اسلام ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، اُس کے اجلہ علماء نے اس خاص مسئلہ میں بھی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ محمود شلتوت اپنے فتاویٰ میں صاف لکھتے ہیں،

الطلاق بالثلاث لا یقع الا و احداً ۱۰
 زوجین طلاقاً ایک مرتبہ دی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رسمی ہی
 رجعتاً ویدر الرجل زوجہ بکلمة ۱۱ واقع ہوگی اور مرد کو رجعت ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو واپس کے لفظ
 الرجعة او بالمخالطة المخاطة ۱۲ سے یا مخالطت خاص کے ذریعہ واپس لے لے!

علامہ سید رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں کہ بعض فقہاء اور دانشوروں نے ہماری حکومتِ مصر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تین طلاقوں کے مسئلہ میں اصل کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے جس کے دلائل کو سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم نے نہایت بسط و تفصیل سے اپنی کتاب اعلام الموقعین، اغاثر اللہفان اور زاد المعاد میں بیان کیا ہے اور پھر ان دونوں حضرات کی تائید و موافقت امام شوکانی، سید صدیق حسن اور دوسرے ہندوستانی علمائے متاخرین نے کی ہے؛ لہٰذا

چنانچہ اسی سلسلہ میں حکومتِ مصر نے ایک قانون بنایا جو ۱۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو منظور کیا گیا۔ یہ قانون طلاق سے متعلق ہے اور اس میں بہت سی دفعات ہیں اس کی دفعہ نمبر ۲ میں ہے: وہ طلاق جس کے بعد اشارة یا لفظاً عدہ ہوں اُن سے ایک طلاقِ رسمی ہی واقع ہوگی؛ لہٰذا

علاوہ انہیں عہدِ حاضر کے ایک اور جلیل القدر عرب عالم اور فاضل شیخ جمال الدین القاسمی نے نہایت عمدہ کتاب الإستیناس لتصحیح أنکحة الناس کے نام سے لکھی ہے اور

اس میں طلاق کے مسئلہ پر نہایت مفصل گفتگو کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں دفعتاً واحدہ واقع کی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔ شیخ نے اس مسئلہ پر مبسوط و مفصل گفتگو کے بعد آخر میں جو عبارت لکھی ہے ہم اسے نقل کرتے ہیں اور اسی پر یہ مقالہ ختم کرتے ہیں۔

”اللہ کی قسم دل رنج و الم کے مارے پاش پاش ہوا جاتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں کہ آج جہالت اور علمِ دین سے بے خبری کے باعث مسلمانوں کی حالت کیا ہوگئی ہے۔ چنانچہ آج ہماری عدالتیں اور محاکم شرعیہ مظلوم عورتوں کی شکایتوں سے پر ہیں اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ شوہر اپنے ظلم و عدوان اور بیولوں کے ساتھ حق تلفی و سخت بے رحمی کا معاملہ کرنے کے باعث اسلام کے لئے ننگ و عار بن گئے ہیں۔ دوسری قومیں یہ سب کچھ دیکھتی ہیں اور ہمارا مذاق اڑاتی ہیں اور اسلام کے ساتھ تمسخر کرتی ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّذَٰئِبِنَ كُفْرًا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ : ۱۷



مجلس واحد کی
تین طلاقیں کا مسئلہ

(۱۸۴)

مولانا محمد تارا احمد صاحب ندوی
ناظم جمعیت اہل حدیث بمبئی

ممکن نہیں، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔ اسی طرح زوجین کا وجود اور اُن کی زندگی کا لطف و سکون ایک دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ایک دوسرے کے لئے جتنے زیادہ موزوں و متناسب و مجاذب ہوں گے، اتنا ہی زیادہ زندگی کا حُسن نکھرے گا اور خاندانِ امن و راحت سے ہمکنار ہوگا۔

یہ اسلام کے حُسنِ معاشرت کا ادنیٰ لولہ کا اشارہ تھا، لیکن زندگی حادثات و کمزوریاں سے بھی دوچار ہوتی ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ لباسِ جسم کے لئے ناموزوں ثابت ہوتا ہے۔ اُس وقت کی نزاکتوں کا احساس کر کے شریعتِ اسلامیہ نے ایسے اُصول و وضع فرمائے ہیں جن سے جسم اور لباس دونوں کی رعایت و حرمت قائم رہتے ہوئے دونوں ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ اسے اسلام نے "طلاق" سے تعبیر کیا ہے، جو حلال اشیاء میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت و کراہت قرار دیا گیا ہے اور جس کا استعمال اشد ترین ضرورتوں کے سوا روا نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ طلاق سے مشابہ دوسری تمام صورتوں کو طلاق سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ظہار، اِبلاء، طلاقِ مُکْرہ (جبری طلاق) وغیرہ۔

طلاق کا شرعی طریقہ | جب میاں بیوی میں ایسی نا اتفاقی پیدا ہو جائے جس سے خاندان کی تباہی اور زندگی کے امن و سکون کی بربادی کا خطرہ لاحق ہو اور زوجین کے درمیان حدودِ اللہ کا قیام ناممکن ہو جائے تو شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو اُس طہر کی حالت میں ایک طلاق دے جس میں اُس نے بیوی سے مقاربت نہ کی ہو۔ یہ ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی اور عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوگا۔ یہ تین ماہ کی مدت ہے جس میں زوجین اور اُن کے اقرباء و متعلقین کو اُن کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر سدھار کی کوئی صورت نہیں بنتی اور طلاقِ ضروری ہی ہے تو دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے۔ یہ دوسری طلاق بھی رجعی ہوگی اور اب بھی شوہر کو عدت کے اندر رجعت کا اور عدت کے بعد تجدیدِ نکاح کا حق حاصل ہے۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹ میں ارشاد ہے:

الطَّلَاقُ مَثَلًا لِّمَا سَلَفَ يَعْزِفُ
 پر عورت کو روک لیا جائے یا عدتِ طہر کے پھٹکارا کر دیا جائے

آگے ارشاد ہے:

فَاتِ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ
حَتَّى تَنْسَخَ زَوْجًا غَيْرًا۔
پھر اگر تیسری بار طلاق دے دی (یعنی تیسرے طہر میں) تو وہ مہر نہیں
کیا اُس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

یہ تیسری آخری طلاق بائن ہوگی جس سے زوجین کے درمیان دائمی تفریق واقع ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کو بدفعات ثلاثہ دینے کی ہدایت دے کر جو حکمت اور سہولت

ملو نظر رکھی ہے وہ اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہدایات ربانی کے مطابق طلاق دی جائے

اور یہ جیب ہی ممکن ہے جب طلاق باری باری دو طہروں میں دی جائے۔ اس قرآنی ہدایت کو

نظر انداز کر کے اگر بیک لفظ و بیک مجلس تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دی جائیں اور انہیں تسلیم

بھی کر لیا جائے تو جہاں یہ ایک فعل معصیت ہے وہیں کتاب اللہ کے ساتھ ایک مذاق بھی ہے۔

ساتھ ہی رجعت کا جو حق اللہ نے دیا تھا اُس کی بربادی بھی ہے۔ خاندان کی تباہی اور اہل و عیال کے

حقوق کی پامالی اس پر مستتر اد ہے۔ غالباً انہیں سب وجوہات سے متاثر ہو کر اُمت کے ایک

طبقے دشمنی نے ایسی طلاقوں کو لغو اور باطل قرار دیا ہے، جو بہر حال انتہا پسندی اور دین میں غلو ہے۔

لیکن جہاں امامیہ کا یہ مسلک صحیح و صواب سے بعید ہے، وہیں یہ مسلک بھی صحیح نہیں کہ یہ تینوں

طلاقیں تین شمار ہوں اور عورت شوہر پر حرام ہو جائے۔ اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جہالت یا جذبات

کی رومی آکر دی ہوئی ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک رجعی شمار ہوں اور اس غیر شرعی طریقہ طلاق

کو طلاق کی جہالت پر محمول کیا جائے۔

لفظ مرتان کی تشریح | قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے اسی مفہوم کی تشریح ہو رہی

ہے۔ علماء احناف میں سے مشہور عالم مولانا اشرف علی صاحب

تھانوی کے استاد شیخ محمد صاحب تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إِنَّ قَوْلَهُ تَعَالَى "الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ" مَعْنَاهُ • یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق

مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ فَالِطَّلَاقِ الشَّرْعِيِّ عَلَى الْمَرْءِ • اس لئے کہ شرعی طلاق وہ ہے جو متفق طہر پر متفق طہر
دون الجرح والإرسال۔ (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۰۱) میں دی جاتی ہے نہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں •

لفظ مرتان کی یہی تفسیر علامہ سندھی حنفی (نسائی شریف حاشیہ ج ۲ ص ۲۹) علامہ ابوالبرکات

عبداللہ بن احمد نسفی حنفی (مدارک التنزیل - ج ۲ ص ۱۷۷) مولانا عبدالحق صاحب اکلیل راکسبیل علی مدارک التنزیل کشوری - ج ۲ ص ۱۷۱) علامہ انور شاہ صاحب کشمیری (فیض الباری - ج ۲ ص ۳۱۸) وغیرہم بھی کی ہے۔ جن کی عبارتیں اور ان کے ترجمے طوالت کے خوف سے حذف کئے جا رہے ہیں۔ البتہ آخر میں علامہ ابو بکر حصا ص لا زلی کی یہ تشریح ملاحظہ کے لئے نقل کی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِثْنَيْنِ فِي مَرْتَاتَيْنِ تَعَفَّتِ الْأَمْرُ - یعنی آیت الطَّلَاقُ مَرْتَاتَيْنِ دُو طلاق، دُو بار اُدُّو لہرہوں میں با بیقاع الإثنتین فی مرتتین فنن أوقع واقع کرنے کے امر کو شامل ہے۔ لہذا جو شخص دُو طلاق الإثنتین فی مرتة فهو مخالف لحکمہا۔ بیک دفعہ یعنی ایک لہر میں دیتا ہے وہ حکم خداوندی کا (احکام القنآن) خلاف دزدی کرتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے مَرَّتَانِ کہا، اُس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا۔ یعنی دُو رجعی طلاقوں کا ذکر پہلے کیا پھر تیسری بائنہ کا ذکر آخر میں۔ اس سے متفرق باتوں میں طلاق دینے کے ساتھ پہلی دُو طلاقوں کے رجعی ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

نیز عربی زبانوں بلکہ دنیا کی کسی بھی زبان میں آپ اگر کہیں کہ میں نے یہ کام تین مرتبہ کیا تو اس سے تین مرتبہ الگ الگ کام کرنا مراد ہوگا یا مثلاً اذان دیتے وقت اللہ اکبر چار مرتبہ دہرانے کے بجائے پہلی ہی بار کہہ دیں "اللَّهُ أَكْبَرُ أَرْبَع مَرَّاتٍ" تو اس سے اذان پوری نہ ہوگی جب تک کہ چار مرتبہ نہ اسی کلمہ کو دہرائیں۔ یا مثلاً نماز کے بعد تسبیحات پڑھتے وقت اگر آپ کہیں "سبحن الله ۳۳ مرتبہ، الحمد لله ۳۳ مرتبہ، الله أكبر ۳ مرتبہ" تو اس سے تسبیحات کی تعداد تنوا پوری نہ ہوگی اور نہ حدیث پر عمل ہو سکے گا۔

یہ سب اعمال قولی تھے۔ جب یہ اپنی مطلوبہ تعداد پوری کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے تو طلاق و لعان وغیرہ جو سراسر قولی ہیں، کیسے پورے ہو جائیں گے۔

لعان اور طلاق زوجین کی تفریق کے اعتبار سے حکماً ایک ہی جیسے ہیں اور لعان والی آیت میں "فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ أَنَّهُ لَمِنَ الْمُكْذِبِينَ ۗ وَالْخَالِصَةُ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ ۗ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۗ" اس جگہ شہادت کا عمل پانچ بار کہے جانے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، تو پھر طلاق کو اس اصول سے کیسے الگ کیا جا سکتا ہے؟

ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ طلاق والی آیت میں "مترتان" سے مراد الگ الگ دو بار ہے، نہ کہ بیک زبان و بیک مجلس مراد ہے، اور یہ کہ قرآن مجید کی آیات سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے، جبکہ ان تینوں کے تین طلاق ہونے کا اشارہ تک کسی آیت سے نہیں ملتا۔ فقہی مؤسساں کیوں اور مسلمانوں کو بند کیا سے الگ ہو کر قرآن کو خالی ذہن کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا مفہم سب کے قلب و دماغ پر آسانی سے ثابت ہو جائے گا۔

طلاق ثلاثہ کی بابت سب سے مشہور و جامع حدیث وہ ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

مسئلے کی نوعیت
احادیث مبارکہ کی روشنی میں

كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر
عنه وسلي وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر
طلاق الثلاث وحداثة فقال عمر بن الخطاب
ان الناس قد استجلبوا في امر كالتام فيه
انافة فوامضيناها عليهم فامضاه عليهم
یعنی مہذب نبوی، خلافت صدیق اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی لیکن جب کثرت سے لوگوں نے طلاق دینی شروع کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا جس کام میں لوگوں کو مہلت دی گئی تھی اس میں دخلداریا سے کام لینے لگے۔ لہذا ہم اس کو ان پر نافذ کریں و کیا حرج ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان سب کو نافذ کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق)

یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دے کر عورت کو بائنتہ قرار دیتے تھے۔ انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ سرکاری حکم نامے کے ذریعہ یہ بات مشہور کرادی کہ جو شخص بھی بیک زبان تین طلاقیں دے گا وہ تین شمار ہوں گی اور ایسا کرنے والے پر وہ بڑی سختی کرتے تھے۔ یہ حدیث اس مسئلے کے لئے فریقین کی سب سے اہم دلیل ہے۔ جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ حضرت عمرؓ کے اس عمل کو اپنے لئے مدار عمل بنااتے ہیں اور یہ کہ صحابہؓ نے اس حکمت نامہ کی مخالفت نہیں کی اور سب نے خاموشی اختیار کی۔

لیکن جو لوگ مجلس واحد کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت عمرؓ کے قبل اور بعد دونوں

زمانوں کا الگ الگ تعامل ظاہر ہو رہا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو برسوں تک ایک مجلس کی تین طلاق ایک مانی جاتی تھی۔ اُمت کا اس مسئلے پر اجماع تھا اور اس کے خلاف کوئی ایک فرد بھی نہ تھا۔ اختلاف کی ابتداء حضرت عمرؓ کے اُس فرمان کی وجہ سے ہوئی ہے جس میں آپ نے لسی تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا حکم نافذ فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے فرمان کی توجیہ | اس مقام پر پہنچ کر ہر صاحب فکر یہ سوچنے لگتا ہے کہ قرآنی تشبیحات، نیز عہد رسالت و عہد صدیقی کے تعامل نام

کے باوجود حضرت عمرؓ جیسے حساس شخص نے اس مسئلے میں اتنی نمایاں تبدیلی کیسے کر ڈالی؟ کیا بالفاظ دیگر یہ مداخلت فی الدین نہیں؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ محض اجتہاد تھا جس میں اُن کے پیش نظر اُمت کے مصالح تھے اور عوام کی تربیت تھی۔ کیونکہ بیک مجلس و بیک زبان تین طلاقوں کے دینے کا غلط و غیر شرعی رواج عام ہو گیا تھا جس سے کتاب اللہ کے ساتھ کھلا ہوا تلعب ظاہر ہو رہا تھا اور اس باب میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصتوں اور سہوتوں کو نظر انداز کر دیا تھا یہ باتیں ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے غیور کو کب برداشت ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے تہدیداً فرمایا: "اپنا فرمان جاری کیا اور اُس پر سختی سے عمل بھی اسی لئے کرایا تاکہ لوگ غیر شرعی طلاقوں سے پرہیز کریں۔"

حدیث رکاتہ بن عبد یزید | حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے :

طَلَّقَ رُكَاةَ بِنِ عَبْدِ يَزِيدَ اُخُو بِنِي مُطَلِّبٍ
امْرَاةً ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَحَدَّثَنَا عَلِيهَا حَزَنًا
شَدِيدًا اِقَالَ فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَيْفَ طَلَّقْتَهَا، قَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا اِقَالَ فَقَالَ فِي
مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قُلْنَا نَمَّ. قَالَ فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ
فَانْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ. قَالَ فَوَاجِعُهَا.

”حضرت رکاتہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر سخت منموک ہوئے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: کس طرح طلاق دی؟
انہوں نے کہا: میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔“ آپ نے فرمایا: کیا ایک
ہی مجلس میں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: وہ سب
ایک ہی ہیں۔ آپ چاہیں تو بیوی سے رجعت کر لیں۔“ حضرت
عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رکاتہ نے اپنی بیوی کو

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۵) رجوع کر لیا :

ان دونوں احادیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک

رجعی ہونے پر عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو برسوں تک اُمت کا اجماع تھا۔

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ

اذا قال أنت طالق ثلاثاً بغير واحد فہی • یعنی اگر کوئی شخص بیک زبان تین بار کہے تو طلاق دیکھ

واحداً (الہدایۃ مع عون المصنوع ج ۲ ص ۲۲۲) تو یہ ایک طلاق ہوگی۔

غیر مدخول بہا کے بارے میں امام طاووسؒ قسم کھا کر کہتے ہیں :

واللہ ما کان ابن عباس یجعلہما لآل • یعنی بنی عبداللہ بن عباسؓ غیر مدخول بہا کی تین طلاقیں

واحداً (ایضاً) کو ایک ہی قرار دیتے تھے۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں کے ایک رجعی ہونے کے قائل تھے۔ الغرض حضرت عمرؓ کے فرمان کے بعد بھی صحابہ کی مستندہ تعداد اپنے مسلکِ اول پر قائم تھی۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں کے تین ہونے پر سب سے زیادہ جو دلیل زیر بحث لائی جاتی ہے وہ حضرت عمرؓ کے فرمان کے بعد اُمت کے اجماع کی ہے اور عوام

مجلس واحد کی تین طلاقیں پر اجماع کی حقیقت

کو دراصل اسی اجماع کے بھاری بھر کم لفظ سے دھوکہ ہوا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ مجلس واحد کی تین طلاقیں کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے فتویٰ کے بعد بھی کبھی بھی مستفق علیہ نہیں رہا، بلکہ اس میں اول روز ہی سے اختلاف پایا جاتا ہے جس کا اعتراف خود علماء احناف نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ہازدی نے اپنی کتاب "معلم" میں امام محمد بن مقاتل حنفی کی یہ روایت نقل کی ہے،

"طلاق ثلاثہ جو ایک ساتھ ہوں وہ ایک رجعی کے حکم میں ہیں اور امام ابوحنیفہؒ

اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔"

امام طاووسؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ والی حدیث پر بحث کرتے ہوئے

لکھا ہے :

فذهب قومٌ إلى أن الترحيل إذا طلق امرأَةً
 ثلاثاً معاً وقعت عليها واحدة. (شرح معالي الآثار) تین طلاقیں دیکھتے تو وہ ایک ہی شمار ہوں گی۔

امام نرزوی شافعی نے بھی لکھا ہے :

قد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثاً (نوزی ص ۲۷۸) اپنی بیوی سے اُنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہا ہے :

نیز امام طاووسؒ اور بعض ظاہریہ نیز حجاج بن ارقطہ اور محمد بن اسحق جیسے اجلہ امت بھی اسی کے قائل تھے۔

ہندوستان کے مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحی کھنوی عمدة الرعا یہ ج ۲ ص ۷۱ میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کی بابت امت کے ایک گروہ کی رائے نقل فرماتے ہیں :

والقول الثاني أنه إذا طلق ثلاثاً اتفح واحداً رجعيةً وهذا هو القول عن بعض الصحابة
 یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دیکے تب بھی ایک رجعی ہی پڑے گی اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ سے منقول ہے اور امام داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اسی قائل ہیں اور یہی امام مالک اور امام احمد کے بعض اصحاب بھی ایک قول ہے :

امام شوکانی خمس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا فتویٰ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امام طاووسؒ، امام عطاء، جابر بن زبید، ہادی، قاسم، ناصر، احمد بن علیؓ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ، ابن تیمیہ، ابن قیم کی طرف منسوب کیا ہے۔

ابن سنیث نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ سے بھی نقل کیا ہے اور مشاریح قرطبہ جیسے محمد بن نعنی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا بھی فتویٰ اسی قول پر نقل کیا ہے۔ (نیل الأوطار)

مذکورہ تفصیلات سے ہر انصاف پسند پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر امت کا اجماع ثابت نہیں، بلکہ یہ مسئلہ عہد فاروقی کے بعد نسلاً بد نسلاً اور خلفاً عن سلفٍ مُتَخَلِّفٍ فیہ رہا اور عہد فاروقی کے ابتدائی دور برسوں کے پہلے

تک یہ مسئلہ نزاع و اختلاف سے دوچار نہیں ہوا۔ اُس وقت تک پلوری امت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک رجبی شمار کرتی تھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکمنامہ پر عام صحابہ و تابعین نے محض سکوت اختیار کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ حضرات خلیفہ کو امت کی اپنی مصاحت و مفاد کا جان بوجھتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کے ایک رجبی ہونے کا فتویٰ دیتے رہے۔ اسی طرح حضرت زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف بھی اوتابعین میں حضرت بکر مرہ اور طاؤس کا بھی یہی عمل تھا، اور تیج تابعین میں محمد بن اسحاق، خلاص بن عمرو اور عارت اور ان کے بعد داؤد بن علی اور ان کے اصحاب نیز امام مالک کے بعد اسحاق اور بعض حنفیہ اور امام احمد کے بعض اصحاب بھی۔

اس طرح ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجبی ہونے پر امت کا اجماع قدیم تھا جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور قیاس سے ثابت، اس اجماع کے خلاف امت کا کوئی دوسرا اجماع ثابت نہیں، اور یہ کیسے ممکن بھی تھا کہ حضرت عمر کا ایک تعزیری و سیاسی حکم جو بعض وقتی مصلح کی بنیاد پر تھا اور جس کی تشہیر کا حقہ ممکن بھی نہیں تھی، کیونکہ اکثر صحابہ اپنے وطن سے دور نہ رہا، میل پر جہاد میں مصروف تھے اور جنہیں اس فتوے کی مطلقاً خبر نہ تھی، وہ امت کے اجماع قدیم ہی پر قائم رہے۔

کتاب اللہ کی واضح آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ٹوک فیصلے اور عہد نبوی سے عہد فاروقی کے ابتدائی دو برسوں تک ہزار ہا ہزار صحابہ و تابعین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھتے رہے، اس کے مطابق فتویٰ بھی دیتے تھے اور اسی پر عمل بھی کرتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف ثابت نہیں۔ لہذا ان حقائق کو نظر انداز کر کے کس طرح اس کے خلاف امت کے اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی حقیقت | اگر دل و دماغ کو تقلیدی جمود سے پاک کر کے اور بنظر انصاف حضرت عمرؓ کے اس فتویٰ پر نظر ڈالی جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کا محض اجتہاد تھا جس کے ذریعہ وہ طلاق کے

مسئلہ پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی ہدایات کے مطابق عوام کو تربیت دینا چاہتے تھے اور یہ محض اُن کی تربیت اور خلوص ہی کا جذبہ تھا کہ وہ اس مسئلہ میں شدت و سختی برتتے تھے۔ تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت اور سہولت سے فائدہ اٹھالیں جو باری باری الگ الگ مدتوں میں طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ نے ملحوظ رکھی ہے اور محض اسی مصلحت کے پیش نظر عام صحابہؓ نے جو حضرت عمرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں موجود تھے، آپ کے اس اجتہاد پر سکوت اختیار کیا کیونکہ وہ خلیفہ وقت کو اس مصلحت کا اہل سمجھتے تھے۔ اس طرح یہ عدم اختلاف صحابہؓ کا محض سکوت تھا جسے لوگوں نے اجماع تصور کر لیا۔

اس موقع پر ایک سچا مومن اس سے زیادہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی ایک ہنگامی اور وقتی حالت تھی جس کے سدھار کی طرف امیر المؤمنین نے قدم اٹھایا تھا، ورنہ جب صحیح حدیث آجائے تو ہر امتی کا فرض ہے کہ وہ بلا جوں و چرا اس پر عمل کرے اور اس کے خلاف ہر چیز کو ترک کر دے خواہ وہ کسی کی کی ہوئی ہو یا کبھی ہوئی۔

یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب تمام صحابہؓ ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ربعی ہونے پر متفق ہی تھے تو اس اجماع کے خلاف حضرت عمرؓ نے فتویٰ کیوں دیا؟ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اجماع قدیم کی مخالفت ہرگز نہیں کی، بلکہ اُن کا حکم محض تہدید و تنبیہ اور تربیت و سیاست کی بنا پر تھا، تاکہ لوگ جان جائیں کہ یہ فیہ شرعی طریقہ پر طلاق دینے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رخصت نہ قبول کرنے اور حکم الہی کی حکمتوں کو پامال کرنے پر یہ سرکاری مواخذہ ہے۔

لیکن سزائیں زمانوں اور اشخاص کی تبدیلی کے ساتھ بدل بھی جاتی ہیں، اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کو جاری کرتے وقت یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ و سلم کا حکم اور آپ کی حدیث ہے۔ بلکہ صراحت کر دی تھی کہ یہ میرا شخصی تعزیری حکم ہے جس کا قول رسول سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ طلاق کے بارے میں اللہ کی دی ہوئی رخصت اور سہولت کے استعمال اور تحفظ کے لئے یہ محض ایک انسانی تدبیر ہے جسے شریعت اور دین کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ خصوصاً صورت میں جبکہ اس کے خلاف آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ اور امت کا اجماع قدیم موجود ہے۔

مُفسدات و قبائح | چونکہ عام طور پر لوگ طلاق کے شرعی طریقہ سے ناواقف ہیں اور طلاق کے اسباب عموماً غضب اور غصہ ہی کی پیداوار ہوتے ہیں، اس لئے جب

بیک زبان، بیک مجلس طلاق دے کر ٹھنڈے پڑتے ہیں اور انہیں صورت حال کا علم ہوتا ہے تو پھپھکتاتے اور تڑپتے ہیں۔ اُس وقت ہمارے مفتیانِ کرام انہیں اپنا مسلک بتا کر الگ ہو جاتے ہیں اور طلاق دینے والا ناواقف مسکین اپنی بیوی کی جدائی، گھر کی بربادی اور بال بچوں کی کس میسرسی کو دیکھ کر روتا اور پلکتا ہے اور اپنے مذہبی دائرے کی تنگی اور حکمتِ الہی سے ناواقفیت اور اللہ کی دی ہوئی رخصت و سہولت سے محرومی کا تصور کر کر کے کبھی اپنے کو کوستا ہے، کبھی اپنے مذہب کو اور کبھی اپنے مذہب کے مفتیانِ کرام کا ماتم کرتا ہے۔ لیکن حلالہ ملعونہ کے سوا اپنی بیوی کی واپسی کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اُس وقت شرم و حیا کے دامن کو تارتا کر کے اپنی بیوی کی پاکیزگی اور طہارتِ نفس کا گلا گھونٹ کر حلالہ جیسی طعون چنیر کے لئے راہیں ڈھونڈتا اور ہوا کر تارتا رہتا ہے۔ حالانکہ حلالہ جس چیز کا نام ہے اور شریعت نے اسے جس صورت میں جائز اور حلال قرار دیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ مُطلقہ بائنہ کہیں دوسری جگہ صحیح شرعی طریقہ پر شادی کر کے نئے شوہر کی صحبت سے ہلکار ہو جائے اور اُس کے ساتھ حُرِّ معاشرت کی نچتہ نیت و ارادہ رکھے اور پہلے شوہر کو قطعاً فراموش کر جائے اور اُس سے ہر قسم کا تعلق زوجیت بالکلیہ منقطع کر لے۔ پھر بد قسمتی سے اُس کا شوہر ہلاک ہو جائے یا اُس کو طلاق دیدے، تو ایسی صورت میں پہلے شوہر کو اُس سے نکاح کا حق حاصل ہو گا۔

لیکن مُرَوَّجہ حلالہ جس کا فتویٰ عام طور سے ہمارے علماء کرام دیا کرتے ہیں وہ ایک فعلِ لعنت ہے اور ہرگز زواجِ شرعی نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کرنے اور کرنے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور آنحضرتؐ کی لعنت دینِ فطرت کی کسی سنت پر کبھی نہیں ہو سکتی، بلکہ کہاؤ و معاصی ہی پر ہوتی ہے، اور حلالہ حقیقتاً ایک معصیت ہے جس کی نسبت شریعتِ الہیہ کی طرف ایک شیطانی حرکت اور فضیحت ہے۔

آنحضرتؐ نے حلالہ کرنے والے کو کرایہ کا ساند کہا ہے اور حلالہ کے نکاح کو کتاب اللہ کے ساتھ مذاق قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میرے پاس کوئی بھی حلالہ کرنے والا لایا جائے گا تو میں اُسے رجم کروں گا۔ عبداللہ بن عمرؓ اللہ عنہما سے حلالہ کرنے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو

فرمایا کہ دونوں زلاتی ہیں اور اس قسم کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صریح گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ زورچ اول کے لئے حلالہ کی خاطر اگر بیٹس برس تک بھی عورت کو اپنے نکاح میں روک رکھا جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حلالہ کرنے والے کو دھوکہ بازی قرار دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسی بنا پر اپنے فتویٰ کے ذریعہ رجعت کی پابندی لگائی تھی کہ لوگ حلالہ جیسے لعنتی فعل کی جرأت نہیں کر سکیں گے، بلکہ ایک مجلس کی تین طلاق سے پرہیز کریں گے اور شرع شریف کے مطابق ہی طلاق دیا کریں گے۔ یہ کون تصور کر سکتا تھا کہ بھی ایسا اور بھی آئے گا کہ لوگ حلالہ جیسی ملعون چیز کا ارتکاب کرنا گوارا کریں گے۔

حلالہ کی لعنتیں | حلالہ ایسی بے غیرت چیز ہے جس کا کوئی تشریف اور خود وار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے نکاح شرعی کا اعلان و اشتہار ہوتا ہے جس پر خوشی اور مبارکبادی کا اظہار ہوتا ہے، تقریبات اور ولیمہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن حلالہ کے نکاح کو لوگ کانوں کان چھپاتے ہیں۔ نیز عورت کے نکاح کا داعیہ اُس کے دین، حسب و نسب اور مال و جمال سے ہوتا ہے، لیکن کیا حلالہ کرنے والا بھی ان میں سے کسی داعیہ کا طالب ہے؟ ذرا حلالہ کا نکاح کرنے والے سے پوچھئے کہ کیا اُس کے دل میں اپنی زوجہ کے نان و نفقہ اور اس کے لباس کا بھی احساس ہے یا نہیں؟ اور کیا حلالہ کے لئے نکاح کو رائی جانے والی عورت عام شرعی نکاح کرنے والی عورتوں کی طرح خود کو سوار ترقی اور مزین کرتی ہے؟

کیا لوگوں کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ حلالہ کے ذریعہ واقفاری کی جانے والی کتنی ہی شریف زاریاں عزت و شرافت سے محروم ہو کر فسق و فحور کی بُری راہوں کا شکار ہو گئیں اور حلالہ کے عادی ملعون مرد نے کتنے گھرانے تباہ کئے اور کتنی حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ اپنی زوجیت میں رکھا۔

الغرض ایک مجلس کی تین طلاق کو کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہؓ کے خلاف تین مان لینے کی بنا پر آج یہاں سینکڑوں خاندان تباہ و برباد ہیں، وہیں مخالفین اسلام کو بھی اس سلسلہ کی آڑ لے کر مسلم پرسنل لاپرواہی کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ضرورت ہے کہ علماء اہل سنت اس مسئلہ کی تمام جزئیات پر بنظر تعمق غور و فکر کر کے اُمت کے لئے وہی فطری اور ربانی سہولتیں پیدا کریں جو عہدِ نبویؐ میں اُمت کو حاصل تھیں۔

آخر میں خلاصہ کلام کے طور پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس مسئلہ کے بارے میں مسلکی تعصب و مجہود کے خلاف شاکی ہیں اور کسی انقلابی اور اصلاحی اقدام کے محتاج و منتظر ہیں۔ ضرورت ہے کہ وقت کے حق پرست علماء تمام مسلکی حدود و قیود کو چھاند کر اُمت کی اس اہم ترین ضرورت پر فیصلہ کن اقدام کریں۔

وانلہ الموفق وعلیہ التکلان —



ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ

مولانا عبدالرحمن صاحب ابن شیح الحدیث ^{انہ} مولانا عبد اللہ صاحب رحمانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زواج (نکاح) زوجین کے درمیان ایک عقد اور معاہدہ ہے، اور شوہر اور بیوی اس عقد کے دو رکن ہیں۔ عقود و معاملات کے بارے میں یہ عام قاعدہ ہے کہ طرفین نے جن شرائط کے تحت اس معاملہ کو باہم طے کیا ہے اس کے وہ بہر حال پابند ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو تنہا دوسرے کی مرضی کے بغیر نہ تو ان حقوق و شرائط میں خلل اندازی کا حق ہے اور نہ ہی اس معاہدہ کو توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار۔

زمانہ جاہلیت میں عرب دیگر عقود و معاملات کی طرح شادی بیاہ بھی کرتے تھے۔ اسی طرح بیویوں کو بلا حصر و قید طلاق بھی دیا کرتے تھے۔ اسلام نے ان کے جن عقود و معاملات کو اصلاح اور ان میں قدرے ترمیم کے بعد باقی رکھا، انہیں میں سے عقد نکاح بھی ہے۔ چنانچہ عہد جاہلیت کے نکاح کی مختلف اقسام کو باطل قرار دے کر صرف اسی نوع کو باقی رکھا جس پر انسانی معاشرہ کی طہارت و پاکیزگی اور نسل انسانی کی بہترین صحت و بقا کا دار و مدار ہے، اور اس کے ساتھ کچھ ایسی شرطیں بھی لگادیں جو عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

صلاح اور پاکیزہ انسانی معاشرہ کے وجود و بقا کے جس عظیم مقصد کے تحت اسلام نے عقد زواج کو مشروع کیا ہے، اس کی مقرر کردہ حدود و شرائط کے تحت انجام پانے والے اس عقد کے طرفین (شوہر اور بیوی) کی اجتماعی زندگی میں بعض موڑ ایسے آجاتے ہیں کہ ان کا ایک ساتھ رہنا دشوار ہو جاتا ہے اور جدائی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اسلام نے اس جدائی اور علیحدگی کا طریقہ اور حدود بھی متعین کر دی ہیں۔

زمانہ جاہلیت اور ابتداء اسلام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق طلاق کے بارے میں لوگوں کا رویہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سیکڑوں بار طلاق دے کر بھی احتتام عدت سے قبل رجوع کر کے اُسے اپنی زوجیت میں باقی رکھتا۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ:-

وَاللّٰهِ لَا اُطَلِّقُكَ فَبَعِثْنِيْ مَعِيَ وَلَا اُوِيْلِكَ
 اَبْدًا۔ قَالَتْ وَكَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ اُطَلِّقُكَ
 "بخدا! نہ تو میں تمہیں طلاق دوں گا کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ اور نہ میں
 کبھی اپنے یہاں پناہ ہی دوں گا۔ اُس نے کہا یہ کیونکر؟ شوہر نے کہا

فَكَلَّمَا هَمَّتْ غَدَاةٌ أَنْ تَنْقُضِيَهُمَا لَمَنَّا نُنْكِحَكَ يَا آدَمُ الْمَرْءُ الْمَخْلُوقَ كَمَا خَلَقْنَاكَ ذَكَرَ اللَّهُ لَهُمَا أَنْ يَكْفُرَا بِمَا كَفَرُوا وَكَانَا بَيْنَهُمَا سُلَاطِينًا لِي تَقُصُوا عَلَى اللَّهِ أَسْمَاءَهُمْ ۚ وَذَكَرَهُمْ لَكُمْ دَلِيلًا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

فَكَلَّمَا هَمَّتْ غَدَاةٌ أَنْ تَنْقُضِيَهُمَا لَمَنَّا نُنْكِحَكَ يَا آدَمُ الْمَرْءَ الْمَخْلُوقَ كَمَا خَلَقْنَاكَ ذَكَرَ اللَّهُ لَهُمَا أَنْ يَكْفُرَا بِمَا كَفَرُوا وَكَانَا بَيْنَهُمَا سُلَاطِينًا لِي تَقُصُوا عَلَى اللَّهِ أَسْمَاءَهُمْ ۚ وَذَكَرَهُمْ لَكُمْ دَلِيلًا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

کہ تمہیں طلاقِ دول کا اور جب تمہاری مدت ختم ہونے کو آئے گی تو تمہیں لوٹا لوں گا = راجعتک۔

شوہر کی یہ بات سن کر وہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور شوہر کا یہ ظالمانہ ارادہ اُن سے بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے بھی بروقت اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا تا آنکہ سورہ بقرہ کی آیت **الطَّلَاقُ مَرَثَاتٍ فَإِنْ مَسَّكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ كَسِبَتْ مِنْهُ بِإِحْسَانٍ نَازِلٌ هُوَ**۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس حکمِ الہی کے نزول کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاق کا آغاز کیا۔ جس نے طلاق دی تھی اُس نے بھی اور جس نے نہیں دی تھی اُس نے بھی۔

اسلام نے جس طرح دورِ جاہلیت میں نکاح کی مروجہ اشکال میں سے صرف اس شکل کو باقی رکھا جو انسانی معاشرہ کی نفاذ و طہارت کا ضامن ہے اور دیگر تمام اشکال کو باطل قرار دیا، اسی طرح طلاق کے لئے بھی کچھ قیود و حدود اور قواعد و ضوابط مقرر کئے تاکہ عورت، مرد کے ظلم و تعدی اور تضحیق و ایذا رسانی سے محفوظ رہ سکے۔

طلاق کا مقصد لہو و لعب نہیں اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسے اپنی مرضی کے مطابق جب اور جس طرح چاہے طلاق کا اختیار ہے۔ اگر چاہے تو بیوی کو فوراً بالکل ہی جدا کر دے اور چاہے تو ایسی طلاق دے کہ اُسے لوٹانے کا اختیار باقی رہے۔

اسلام کا نظام طلاق کسی انسانی غور و فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ تو عظیم و حکیم ذات کا نازل کردہ قانون ہے، اور زمین کے درمیان نا اتفاقی اور عداوت و بغض کے نتیجے میں خاندان کے اندر جو بد مزگی رونا ہوتی ہے، اس کا آخری حتمی اور شافی علاج ہے۔

اللہ نے اس کے لئے حل و انصاف پر یعنی اصول و قواعد اور حدود و ضوابط متعین فرمائے اور ان اصول و ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والوں اور مقررہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کے لئے وعیدیں نازل فرمائیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَسْوَاقَ الْبَلَدِ النَّاصِيٰتِۙ وَالَّذِيْنَ بَيْنَ يَدَيْهَاۙ وَمَنْ يَتَّبِعْهُمْ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ مِمَّنْ يَفْضَحْ سِرَّهٖۙ فَاِنَّهٗ يَفْضَحُ سِرَّهٖۙ فَاِنَّهٗ لَا يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ شَيْۤآءًاۙ سِرًّاۙ وَالَّذِيْنَ يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ شَيْۤآءًاۙ سِرًّاۙ فَاِنَّهٗ يَجْزِيْ اللّٰهَ بِمَا كَفَرَۙ وَالَّذِيْنَ يَفْضَحْ سِرَّهٖۙ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ مِمَّنْ يَفْضَحْ سِرَّهٖۙ فَاِنَّهٗ لَا يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ شَيْۤآءًاۙ سِرًّاۙ وَالَّذِيْنَ يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ شَيْۤآءًاۙ سِرًّاۙ فَاِنَّهٗ يَجْزِيْ اللّٰهَ بِمَا كَفَرَۙ

یہ حدود و ضوابط ہیں پس ان سے نگذرو اور جو لوگ اللہ کی

يَسْعَدُكُمْ وَوَدَّ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

صدد سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔

وَتِلْكَ حُكْمُ وَوَدَّ اللَّهُ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

”یہ خدا کی حدود ہیں جاننے والوں کے لئے کھل کھول کر بیان کرتا ہے۔“

وَلَا تُسْكَرُوا وَهُنَّ حُرٌّ رَا تَعْتَدُوا وَأَمَّنْ تَفْعَلْ

”اور دکھ دینے کے لئے ان کو مت روکنا کہ ظلم کرنے لگو اور

ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ

جو کوئی یہ کرے گا اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اللہ کا آیتوں

اللهِ هُتُورًا ۝

کو مسخری نہ سمجھو۔“

طلاق کا مقصد شریعتِ اسلامیہ میں یہ ہے کہ زوجین کے درمیان — دیگر عقود و معاملات

کی طرح — بہر طور پر یا ہم زندگی گزارنے کا جو معاہدہ ہے، اگر ان دونوں نے اس معاہدہ کو

خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا تو عقدِ زواج کا مقصد حاصل ہو گیا اور ان کی زندگی خوش گوار

گذرے گی۔ اور اگر خدا نخواستہ یا ہم مناسبت نہ پیدا ہو سکی اور اس کے بجائے آپس میں

نفرت و بغض ہو گیا اور ان دونوں کو خطرہ ہے کہ معاہدہ نکاح کے شرائط و پورا نہ کر سکیں گے اور

ظلمہ ہونا چاہتے ہیں تو ان کا حال بھی دیگر عقود و معاملات کرنے والوں کی طرح یکساں ہے۔

ان کو اختیار ہے کہ عورت کی جانب سے مرد کے لئے کچھ مالی معاوضہ کے بالمقابل علیحدگی و طلاق پر

اتفاق کر لیں۔ جس طرح سے کہ نکاح میں مرد کی جانب سے عورت کے لئے مہر کے بالمقابل

تعاقد و معاملہ ہوا تھا۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا يَقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا

پھر اگر تم یہ جانو کہ وہ احکام خداوندی ادا نہیں کریں گے تو ان پر

جُنَاحٌ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۝

کوئی عثمناہ نہیں کہ عورت کچھ دے کر رخصت لے لے۔“

اس طرح عورت یا نئے ہو جائے گی اور ایسی صورت میں شوہر بلا جدید عقد کے اُسے

اپنی زوجیت میں نہیں لے سکتا، اور عورت بھی شوہر سے مہر و نفقہ وغیرہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی الا یہ کہ

ان دونوں نے اس طرح کی کوئی بات آپس میں طے کر لی ہو۔

اللہ عزوجل نے ایک عظیم مصلحت کے تحت عقدِ نکاح کو معاملات و عقود کے فسخ کے

عام قاعدہ سے مستثنیٰ فرمایا اور مرد کو اجازت دی کہ کچھ خاص شرائط و قواعد کی پابندی کے ساتھ

مخص اپنی مرضی سے وہ تنہا ہی اس عقد کو توڑ دے۔ اور زوجین میں سے ہر ایک کے دوسرے پر

کچھ حقوق متعین کر دیئے جن سے ان میں کا کوئی بھی فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ پس جو شخص بھی

طلاق کے بارے میں اللہ کی مقررہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے عقدِ نکاح کو توڑنے اس نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ اپنا حق جائز طور پر استعمال کیا اور اس پر اس کے اثرات بھی مرتب ہوں گے۔ اور جس نے ان مقررہ حدود سے تجاوز کر کے نکاح کے بندھن کو غیر مشروع طریقہ پر توڑا، اُس کا یہ عمل باطل اور لغو ہوگا۔ جس طرح کن بیع یا رہن کے معاملہ کو طرفین میں سے کوئی ایک تنہا ہی توڑ دے تو اُس کا یہ عمل باطل اور کالعدم ہوتا ہے اور عقدِ بیع و رہن پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

قبل اس کے کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر اسلام کے نظامِ طلاق پر بھی ڈال لیں۔

۱- شوہر نے بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دے دی ہے تو ایک طلاق ہی سے وہ بائنہ ہو جائے گی اور وہ جدید نکاح کے بغیر دوبارہ اپنی زوجیت میں اسے نہیں لے سکتا۔ ایسی صورت میں طلاق دینے کا کوئی وقت متعین نہیں ہے اور نہ ہی عورت کو عدت گزارنی ہے۔ ہاں! اگر مہر متعین تھا تو شوہر اس کا نصف عورت کو ادا کرے گا۔ اور اگر مہر کا تعین نہیں ہوا تھا تو عورت کے لئے مُتَعَدَّہ ہے۔

عَلَى الْمَوْسِعِ قَدْرًا وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدْرًا۔ "وسعت والے پر اس کے مٹا، اللہ تعالیٰ والے پر اس کے مناسب" اور یہ عورت کے لئے شوہر کی طرف سے مناسب معاوضہ ہے۔ کیونکہ شوہر نے اُس سے کسی طرح کا استمتاع نہیں کیا اور نہ ہی عورت نے اپنا کچھ شوہر کے حوالہ کیا۔

۲- اور اگر شوہر نے بیوی سے صحبت کر لی ہے تو ایسی عورت کے طلاق کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے احکام مقرر فرمائے ہیں۔ شوہر کو طلاق کی اجازت عدت کے شروع میں دی ہے۔ اگر وہ حاملہ ہے اور علاماتِ حمل ظاہر ہو چکی ہیں تو اُس کی طلاق بچہ جننے سے پہلے ہونی چاہئے۔ کیونکہ وضعِ حمل کے بعد اُس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ علاماتِ حمل کے ظہور کے بعد اگر اُس کو طلاق دی گئی تو اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس کو اپنی عدت کی مدت کا علم ہو جائے گا۔ اور اگر وہ غیر حاملہ ہے لیکن بالغہ ہے تو اُسے اس پائی کی حالت میں طلاق دے جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو، تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ اس کی عدت

اُس حیض سے شروع ہوگی جو اُس طہر سے متصل ہے جس میں اسے طلاق دی گئی ہے۔ اس طرح نہ تو عدت کے بارے میں عورت کو کوئی اشتباہ رہے گا اور نہ ہی اس کی عدت کا وقفہ اور مدت دراز ہوگی کہ اُس کی بنا پر مطلقہ کو اذیت پہنچے۔

اور اگر مطلقہ اُن عورتوں میں سے ہے جنہیں حیض نہیں آتا، مثلاً کم سن جس کا حیض ابھی شروع ہی نہیں ہوا، یا عمر دراز عورت جو سن ایساں کو پہنچ گئی اور اُس کا حیض بند ہو چکا ہے، یا ایسی عورت جس کو کسی بیماری کے باعث حیض آنا بند ہو گیا تو ان تمام کی عدت مہینوں سے شمار کی جائے گی۔ اس طرح کی عورتوں کے بارے میں مرد کو ایک طلاق کا حق ہے۔ اس میں وقت کی کوئی پابندی نہیں، کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہوں گی۔ اور اس لئے کہ اُن کی عدت مہینوں سے شمار ہوتی ہے اور تین ماہ حمل کے ظہور کے لئے کافی ہیں۔ پس اگر وہ حاملہ ثابت ہوئی تو اُس کی عدت وضع حمل ہوگی۔

اللہ عزوجل نے زوجہ مدخول بہا کے لئے پورا مہر مقرر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اُس نے جس شئی پر شوہر سے معاملہ اور عقد کیا تھا اُسے شوہر کے حوالہ کر دیا۔ اس لئے شوہر پر بھی لازم ہے کہ اس کا عوض پورا پورا ادا کر دے، جیسا کہ دیگر عقود میں ہوا کرتا ہے۔ پھر اللہ عزوجل نے شوہر پر طلاق کی صورت میں کامل مہر کی ادائیگی کے ساتھ ”مستغنی“ بھی رکھا ہے جو شوہر کو تنہا طلاق کا حق و اختیار حاصل ہونے کا معاوضہ ہے۔

وَلَمَّا طَلَّقَاتٍ مَّتَّاعًا بِمَا مَعَرُوْنَ حَقًّا ۗ اِنَّ طَلَّاقَ وَالْيَدِ وَالرِّجْلِ كَالْمَوْتِ اَنْ تَمُوْرًا كَذٰرًا ۗ ۙ (وہ ان کو دیا کرو)۔
عَلَى الْمُتَّقِينَ - پر سیرگاہوں پر ضروری ہے۔

۱۰۱۔ نبیؐ تو اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی تنگی کا
تَرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَنِيَّتُمْ اٰتِئْتُمْ اَكْمِيْنَ ۗ زِيْبَ وَرِيْنًا حٰجِئِيْ هُوْذًا ۙ اُوْءِيْ فِيْ تِهْمِيْنَ كَمَا دَلَّكَ خُوشِ
اُمْتَعْنِيْ وَاسْتَرْحَمْنِيْ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۗ اسلوبی سے چھوڑ دوں =

مدخول بہا مطلقہ یا تو وضع حمل کی عدت گزارے گی، یا تین حیض یا تین ماہ۔ یہ عدت اللہ تعالیٰ نے عورت پر اس لئے لازم قرار دی ہے تاکہ — اِقْلًا اس امر کا تیسقن ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے — اسی لئے حاملہ کی عدت وضع حمل سے چھ ماہ سے زیادہ طویل ہو یا

مختصر۔ ثانیاً تاکہ مرد کو اس وقفہ میں سوچنے اور غور و فکر کرنے کی مہلت مل جائے۔ ممکن ہے اُسے اپنا یہ اقدام مبنی برصواب نہ معلوم ہو اور غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قطعی اور آخری علاج کے سلسلہ میں اس نے عجلت سے کام لیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَا يَفْرَأُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ اللَّهُ مَا بَيْنَهُمَا "مومن مرد، مومنہ عورت کو مبنیغض نہیں رکھتا۔ اگر اس کی ایک خُلقاً وَصِيٌّ مِنْهَا اخْرَجَ۔" (مسلم) عادت ناپسند ہے تو دوسری اسے بھی لگے گی :- اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:-

إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضَلْعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ "عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے۔ وہ تمہارے لئے لک علی طریقہٴ قبان استمعت بها استمعت" بالکل سیدھی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اس کی کبھی کے ساتھ بہاؤ بہاؤ عوج و این ذہبت لکقیمہا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اٹھا لو۔ اور اگر اسے سیدھا کرنے کسر تھا و کسرہا طلاقہا۔ جاؤ گے تو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا، اس کا طلاق ہے :-

(مسلم۔ ج ۱ ص ۲۱۷)

مرد اپنی غلطی کا یقین ہو جانے کے بعد کبھی اپنے اس اقدام پر نادم ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خطا عورت ہی کی ہوتی ہے مگر اس پر جذبہٴ شفقت کی وجہ سے اسے ندامت ہوتی ہے اور توقع رکھتا ہے کہ آپسی شکر رنجی کا علاج بہتر انداز میں کر سکتا ہے تو یہ عدلت کا وقت اُس کے لئے غور و فکر کا وقفہ فراہم کرتا ہے جس میں اُسے اپنے اقدام طلاق کی اصلاح کا تنہا اختیار ہوتا ہے۔

لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْدِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ "تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد مہافت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ امرا۔"

اور ان کے خاوند اس مدت کے اندر ان کو بھرنے کا حق رکھتے ہیں اور ان کا ارادہ اصلاح کا ہو، جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے بھی ان پر حقوق ہیں جو متور کے موافق۔ اور مردوں کے عورتوں پر برتری ہے۔ اور خدا غالب ہے حکمت والا۔

وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرِدِّهِنَّ مِنِّي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرَّهَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اللہ نے مرد کو عورت کی عدت پوری ہونے تک اس کا خرچ برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بوجھ اس پر اس لئے ڈالا گیا ہے کہ — تعلق زوجیت کے اثر سے عورت کو ایک مدت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے تنہا مرد ہی کو عدت کے اندر اسے اپنی زوجیت میں واپس لینے کا اختیار ہے۔ اگر اس رجعت سے واقعی اس کا مقصد اصلاح ذات البین ہے تو عورت کو نہ تو شوہر کے انکار کے باوجود اس کی زوجیت میں لوٹنے کا اختیار ہے، اور نہ ہی اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو اس کے لئے معارضہ اور انکار کی گنجائش اور حق ہے، لایہ کہ شوہر کا مقصد اس رجعت سے عورت کی ایذا رسانی ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنا معاملہ حاکم کے پاس لے جائے گی اور عورت کے دعویٰ و شکایت کی صحت کے یقین کی بنیاد پر حاکم، شوہر کی رجعت کو باطل قرار دے دے گا۔

وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا — وَلَا تُمْسِكُونَّ ضِرَارًا لِّلنَّفْسِ ذَا —

اگر شوہر دیکھتا ہے کہ اس کے پاس اس تلخی کا کوئی مداوا نہیں اور بیوی کے ساتھ اس کی زندگی کسی طور بھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی اور اسے قطعی طور پر الگ ہی کرنا چاہتا ہے تو اسے عدت پوری ہونے تک ٹھہرنا چاہئے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ موافقت کی کوئی شکل پیدا فرمادے۔ اس پہلی طلاق کے بعد اختیار ہے کہ اسے رجوع کر لے یا عدت پوری کر کے اسے الگ ہو جانے دے۔ پہلی طلاق کے بعد اگر عورت اس کی زوجیت میں عدت کے اندر رجعت کے ذریعہ یا عدت گزر جانے کے بعد عقد جدید کے ذریعہ لوٹ آئی اور شوہر پھر کسی سبب سے طلاق دینا چاہتا ہے تو اسے حسب سابق شروع عدت میں طلاق دے اور اس پر مستعد و نفقہ عدت واجب ہوگا۔ اس دوسری طلاق کے بعد بھی اسے عدت کے اندر رجعت کا اختیار ہے اور اگر اس نے ایسا کر بھی لیا اور پھر طلاق دینا چاہتا ہے تو پہلی دونوں مرتبہ کی طرح شروع عدت میں طلاق دے اور عورت کے اس پر وہی حقوق ہیں جو پہلی دونوں مرتبہ اس پر عائد ہوئے تھے۔ اس تیسری طلاق کے بعد وہ بائٹہ ہو جائے گی۔ اور وہ عدت گزرنے کا انتظار کرے، جیسا کہ سابقہ دونوں طلاقوں کے بعد کیا تھا، مگر اب وہ اسے عدت کے اندر رجوع نہیں کر سکتا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِهَا — اگر اسے تیسری بار طلاق دے دی تو اب وہ اس کیلئے حلال نہیں، یہاں تک کہ دوسرے شخص سے شادی کرے۔

اس آخری طلاق کے بعد بھی مطلقہ کے لئے عدت اور شوہر پر نفقہ لازم ہے، حالانکہ وہ اسے رجوع کا اختیار نہیں رہا۔ اس لئے کہ اگر وہ حاملہ ہے تو بات بالکل واضح ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو اس سے مقصود ایک ہی بیچ پر عدت کے دروازہ کو بند کرنا اور شارع کی جانب سے ایسے جوڑے پر تشدید کرنا ہے جس نے تین تین یا ایک ساتھ رہنے کا تجربہ کیا لیکن اس میں ناکام ہے اور اپنی ازدواجی زندگی کو بہ طور پر نہ بنا سکا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ محبت و الفت کے تمام رشتے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئے۔

کتاب و سنت سے ثابت صحیح دلائل کی روشنی میں یہ ہے اسلام کا واضح نظام طلاق۔ اس میں نہ تو کوئی استیج بیچ ہے اور نہ ہی ابہام۔ اس میں زوجین کی مصلحت کا پورا لحاظ اور ان کے حقوق کا پورا تحفظ کیا گیا ہے، اور یہ نظام انتہائی متوازن اور عدل و انصاف کے تقاضی کے عین مطابق ہے۔ مرد کو عورت پر بعض امتیازات حاصل ہیں۔ *الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ* اور عورت کو مرد پر بعض ایسے حقوق دیئے گئے ہیں جو مرد کے امتیازات کا معاوضہ ہیں۔ *وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دِمَاجَةٌ*۔

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ طلاق کا حق تنہا مرد ہی کو حاصل ہے، عورت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا۔ اب جبکہ شوہر طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اس کو اس باب میں حدود شریعت کے دائرہ ہی میں رہ کر یہ اقدام کرنا ہوگا اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، اگر عورت مدخول بہا ہے تو اسے شروع عدت میں طلاق دے۔ پس جب اُس نے طلاق کا ارادہ کر کے اس سے کہا کہ "تمہیں طلاق" تو ان الفاظ کے ادا کرتے ہی جو اس کے اس عزم پر دلالت کرتے ہیں، بلا کسی ادنیٰ تقدیم و تاخیر کے معا طلاق پڑ گئی۔ اب جبکہ ان دونوں کے درمیان رشتہ ازدواج ٹوٹ گیا اور قطع تعلق ہو گیا تو دوسری اور تیسری بار اس کو توڑنے اور کاٹنے کا حق اس کو کہاں رہا؟ کیا اس شریعتِ مطہرہ یا دیگر قوانین و شرائع میں اس کی کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے کہ ایک ہی عقد و معاہدہ کو ایک مرتبہ کاٹنے اور توڑنے کے بعد دوبارہ، سہ بارہ توڑا جائے۔ یہ تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ اُس کی دوبارہ، سہ بارہ تجدید ہو، تب اُس کے فسخ کی بھی تجدید ممکن ہوگی اور یہ نئے عقد کا فسخ اور توڑنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کو دیگر فسوخ سے چند معین امور میں مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے صرف شوہر کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور طلاق کے بعد ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق عائد کر دیئے ہیں۔ لیکن اللہ نے اس کو بیکسرا حکام عقل سے مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ یہ بھی دیگر فسوخ کی طرح ایک فسوخ ہے۔ ایک عقد کو ایک ہی بار توڑا جاسکتا ہے۔ اگر مرد اپنی مطلقہ کو عدت کے اندر رجوع کر کے زوجیت میں لے لے تو ان کے درمیان اس عقد کی تجدید ہوگی۔ گویا اُس نے پہلی بار توڑنے کے بعد اُسے جوڑ دیا۔ اب اس کا دوبارہ قطع کرنا ممکن ہوگا، اسی طرح دوسری بار بھی۔ رہا یہ کہ وہ عقد منقطع ہو چکا ہو اور اس کے بعد بھی اسے کاٹنا ممکن ہو تو اس کو نہ تو عقل ہی یاد کرتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل نقلیٰ ہی ہے، بلکہ یہ تو کتابِ سُنت کی نص کے بھی مخالف ہے۔ اللہ عزوجل نے طلاق کو مَرَّتًا بَعْدَ مَرَّتٍ (ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ) دینے کا حکم دیا ہے نہ کہ اکٹھا۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَمَا سَأَلْتُمْ مَعْهُ وَفِيهِ أَوْ طَلَاقٌ دُونَ ذَلِكَ كَيْفَ شِئْتُمْ مِنْهُ أَوْ طَلَاقٌ دُونَ ذَلِكَ كَيْفَ شِئْتُمْ مِنْهُ أَوْ طَلَاقٌ دُونَ ذَلِكَ كَيْفَ شِئْتُمْ مِنْهُ

تَسْرِيحٌ وَبِإِحْسَانٍ - الآية
اس آیت میں "مَرَّتَانِ" (دو دفعہ) کے لفظ سے عموماً طلاق کے لفظ کا دہرانا، جیسے "طلاق، طلاق، طلاق" یا عدد کی تصریح کے ساتھ طلاق دینا، جیسے "تم کو تین طلاق" مراد لیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اگر کوئی بیوی کو کہہ دے کہ تم کو طلاق، طلاق، طلاق یا تم کو تین طلاق، تو اس پر تین طلاق کا حکم لگا کر اس کی بیوی کو اس سے جدا کر دیا جاتا ہے اور بغیر طلاق کے وہ اس کی طرف اب لوٹ نہیں سکتی۔ حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب لفظ طلاق کا اعادہ و تکرار نہیں ہے، بلکہ ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا ہے۔

علامہ ابو بکر جصاصؒ آیت "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کے تحت لکھتے ہیں:-
تَعْنَتِ الْأَمْرُ بِإِقَاعِ الْإِثْنَيْنِ فِي مَرَّتَيْنِ فَمَنْ أَوْقَعَ الْإِثْنَيْنِ فِي مَرَّةٍ فَهُوَ مَخَالِفٌ لِحُكْمِهَا -
یعنی آیت الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ "دو طلاق کو دو مرتبہ میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے تو جس شخص نے دو طلاق بیک دفعہ ایک طہر میں دے دیا اُس نے اس حکم خداوندی کی مخالفت کی :-

علامہ سندھی حنفی فرماتے ہیں :-

قوله تعالى: الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ - اِنی قولہ وَلَا تَتَّخِذُوا
 آيَةَ اللَّهِ هُزُوًا - فَاِنَّ مَعْنَاهُ التَّطْلِيْقَ الشَّرْعِيَّ
 تَطْلِيْقَةً بَعْدَ تَطْلِيْقَةٍ عَلٰی التَّفْرِيقِ دُونَ الْجَمْعِ وَ
 الْاِرْسَالِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَلَمْ يُرِدْ بِالْمَرَّتَيْنِ التَّنْثِيَةَ
 وَمَثَلُهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ، اِى
 كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ لَا كَرَّتَيْنِ اِنْتَيْنِ -

(حاشیہ سنن نسائی ج ۲ صفحہ ۱۷۷ طبع انصاری دہلی)

مولانا شیخ محمد تھانوی، مولانا اشرف علی صاحب کے استاد نے بھی اس آیت کی
 تفسیر میں تقریباً یہی لکھا ہے اور اسی معنی کی تعیین و تائید کی ہے۔ فرماتے ہیں :-
 اِنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰى: الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ، مَعْنَاهُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ فَالتَّطْلِيْقَ الشَّرْعِيَّ عَلٰى التَّفْرِيقِ
 دُونَ الْجَمْعِ وَ الْاِرْسَالِ -

نیز لغت عرب بلکہ تمام زبانوں میں "مَرَّتَانٍ" (دو بار) کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں
 کہ کسی شئی کا وقوع ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ ہو، نہ کہ ایک ہی آن اور وقت میں دو بار۔ اب
 اگر کوئی اپنی منکوحہ کو بیک وقت کہہ دے "تم کو طلاق، طلاق، طلاق" یا "تم کو تین طلاق" تو اُس پر
 طلاقِ مغلطہ کا حکم لگا دینا اور یہ کہنا کہ اُس کو رجعت کا حق و اختیار نہیں، کیونکہ درست ہو سکتا ہے
 حالانکہ اُس نے صرف لفظ طلاق کا اعادہ کیا ہے نہ کہ ایقاع طلاق کا۔ کیونکہ کسی فعل کا ایک ہی
 آن اور وقت میں دو بار واقع کرنا محال ہے۔ پس جب دو بار طلاق کا ایک ہی آن میں واقع
 کرنا محال ہے اور ایک آن میں صرف ایک ہی واقع کی جا سکتی ہے تو تین تو بدرجہ اولیٰ محال ہوگی۔
 علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی آیت "الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ" کے تحت لکھتے ہیں :-

وكان القياس أن لا تكون التلقتان
 المتجمعتان معتبرة شرعاً وإلا لم يكن
 التلقتان المتجمعتان معتبراً لم يكن
 "قياساً كالتقاضي به كجموعى طودٍ ردى غمى ووطلاقين
 معتبرين هون اور جب اکٹھا دو طلاقین معتبر
 نہ ہوں گی تو تین اکٹھی کا تو بدرجہ اولیٰ اعتبار

الثلاث المجمعۃ معتبرۃ بالطریق الاولیٰ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ دونوں مع ایک زائد کے
وجود تھا فیہا مع زیادۃ۔ تین کے اندر موجود ہیں۔

آیت طلاق پر غور کرنے سے کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں
تین شمار ہوں گی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق اکٹھا نہیں دینی چاہئے۔
اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ حدود اللہ کو توڑ کر حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ جب تین طلاق کا اکٹھا
دینا ہی نص قرآنی کے خلاف ہے تو اس کا اعتبار کرنے کے بجائے اسے قرآنی حکم کی طرف
لوٹا کر ایک ہی مانا جائے گا۔ فیصلہ نبوی سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن عباس قال طلق رجلاً بن عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید، بنی
عبد یزید، اُخو بنی مطلب امرأتہ ثلاثاً مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں
فی مجلس واحدہ فحزن علیہا حزناً شدیداً دے دیں تو بیوی کی جدائی کا ان کو بڑا غم ہوا، تو ان سے
قال فسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے
کیف طلقتمہا؟ قال طلقتمہا ثلاثاً، قال کیسے طلاق دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو
فقال فی مجلس واحدہ؟ قال نعم! تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے پوچھا ایک ہی مجلس میں؟
قال فإماتتک واحدۃً فارجعہا آپ نے فرمایا تو یہ تو ایک ہی ہوئی۔ تم اگر
إن شئت قال فرجعہا۔ مکان ابن عباس چاہو تو اسے لوٹا لو۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رکانہ نے
یری أمّ الطلاق عنہ کل طہہ۔ اُس کو لوٹا لیا۔

(مسند احمد ج ۱ صفحہ ۲۶۷)

معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی، اور یہی نہیں بلکہ ان حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاق کو کتاب اللہ کے حکم کے ساتھ کھیل قرار دیا
اور ایسا کرنے والے پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔ سن تسائی میں بسند صحیح محمود بن لبید
سے مروی ہے۔

أخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص
عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات کے بارے میں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اکٹھا تین طلاقیں

جميعاً لتمام غضبان ختم قال ایکب
بکتاب الله وانا بین أظهرکم حتی قام
رجل و قال یا رسول الله! الا اقتله۔
دے دی ہیں تو آپ قصہ سے کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا کیا
میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جا سکتا ہے کہ ایک
شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اللہ کے رسول! کیا میں کتاب اللہ کے ساتھ
کھیل کرنے والے اس شخص کو قتل نہ کروں؟

عہد نبوی، خلافت صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں
میں تمام صحابہ کرام کا اسی پر عمل رہا۔ لیکن عہدِ فاروقی میں جب لوگوں نے اس قسم کی حکم کی
پروا کئے بغیر بعض دنیوی اغراض و مصالح کے تحت طلاق کو بدفعات دینے کے بجائے اکٹھا
تین ایک ہی مجلس اور ایک گھر میں دینا شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے
مشورہ کے بعد لوگوں کو طلاق کی بابت قرآنی ہدایت کی طرف لوٹانے کی غرض سے اور قرآنی تعلیم پر
عمل کرانے کے لئے ازراہ سیاست و تدبیر شریعیہ ان کو ان کے جنسِ عمل سے سزا تجویز کی کہ
جس طرح انھوں نے اللہ کی دی ہوئی رخصت کو ٹھکرا کر اپنے حق و اختیار کا غلط استعمال
کیا تو اب ان کو اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کا حق بھی نہیں، تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت و
نصیحت ہو اور اس باب میں عجلت سے کام نہ لیں۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی
عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اب بکر
وسنتین من خلافتہ عمر، طلاق الثلاث
واحدة، فقال عمر بن الخطاب إن الناس
قد استعجلوا فی أمر کان لہم فیہ أناة
فلو أمضیناہ علیہم فأمضناہ علیہم۔
ابن عباس فرماتے ہیں کہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
عہد میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور دو سال حضرت عمرؓ
کی خلافت کے دور میں تین طلاق ایک شمار کی جاتی تھی۔
تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کام میں لوگوں کو سوچ
بچا کر رکھنا چاہیے اس میں انہوں نے جلد بازی شروع
کر دی (یعنی طلاق کو بے فائدہ دینے کے بجائے اکٹھا تین دینے لگے) تو

اگر ہم ان تینوں کو ان پر لازم کر دیں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ اپنے
اس کو لازم کر دیا۔ (۲ صفحہ ۲۲۲-۲۲۳)

یہاں یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک حکم جو عہدِ نبوت، پوری خلافتِ صدیقی اور
خود حضرت عمر کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں برابر نافذ رہا تو اس شرعی حکم کو انھیں

بدلنے کا اور اُس کی جگہ دوسرا حکم نافذ کرنے کا اختیار کہاں سے مل گیا؛ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام قرآن و سنت سے ثابت کسی حکم کی تغیر اور اس میں رد و بدل نہیں، بلکہ یہ تو طلاق کے بارے میں قرآنی حکم کی اتباع کی طرف لوگوں کو واپس لانے کی شرعی تدبیر و سیاست کے حکم کا لوگوں کو پابند بنانا تھا۔ اور حکام وقت کو اس کا حق دیا گیا ہے کہ وہ ایسے حالات میں احکام شریعت کی باریکیوں سے آگاہ اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر علماء سے مشورہ کے بعد ایسا کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کردہ یہ سزا لوگوں کے لئے کچھ دنوں تک تو مؤثر رہی، مگر اس کے بعد اس میں کمزوری آگئی اور لوگوں نے پھر وہی روش اختیار کر لی۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے تو حضرت عمر کے اس حکم سے خروج سے احتراز کیا، مگر دوسرے گروہ نے اس حکم کو تعزیر اور زجر ہی سمجھا۔ چنانچہ طلاق دینے والوں کے حالات کو سامنے رکھ کر کبھی انہوں نے ایک ٹہر کی تین طلاقیں کو لازم کر دیا اور کبھی اسے ایک قرار دیا۔ اور ایک مجلس کی تین طلاقیں کا تین شمار کئے جانے پر تمام امت کا اجماع کبھی بھی نہیں ہوا، بلکہ اس کے برخلاف عہد نبوی، پورے عہد صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تو اجماع اس پر رہا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری حکم کے بعد بھی صحابہ کرام مُطلق کے حالات کو سامنے رکھ کر کبھی تین کے تین شمار کئے جانے اور کبھی ایک کا فتویٰ دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دونوں طرح کے فتوے منقول ہیں۔ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ایک ٹہر کی تین طلاق کو ایک ہی مانتے ہیں۔ تابعین میں جابر بن زید، حجاج، طاؤس، عطاء، عمرو بن دینار، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ، عکرمہ، فلاس اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے، اور یہی مذہب ہے اہل بیت کا بھی اور اسی کے قائل ہیں مشائخ قرطبہ ابن رباح، شیخ حذیٰ فقیہ عصر محمد بن عبدالسلام الحسینی، محمد بن یحییٰ بن مخلد، اصحٰب بن حباب، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم، علامہ شوکانی وغیرہ اور اہل حدیث حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے، دوسری یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک رحمی ہوتی ہے۔ جیسا کہ محمد بن مقاتل رازی نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے۔ (دیکھو افاتہ العقیان ص ۱۵۸ طبع مصر) امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ بعض اصحاب امام احمدؒ اور امام داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عمدة الزعایة۔ ج ۲ ص ۶۷)

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاق کے تین ہونے کا ثبوت بصرحت نہ تو کتاب اللہ سے ہے اور نہ سنت نبوی سے اور نہ ہی کسی دہلی میں اس پر اجماع رہا ہے، بلکہ عہدِ سلف ہی سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔

ہندوستان کے مسلم معاشرہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد تعلیم سے بے بہرہ اور ان کی ذہنی معلومات صرف عبادات کے حصہ صوم، حلالہ کے چند معروف مسائل تک ہی محدود ہیں۔ معاملات، بیع و شراء، نکاح و طلاق کے مسائل و احکام سے بالعموم ناواقف اور بے خبر ہیں۔ چونکہ طلاق عموماً غصہ ہی کا نتیجہ ہوتی ہے اور بیوی کی ادنیٰ ایسی بات سے بھی ناراض ہو کر طیش و غضب کی حالت میں اکٹھا تین طلاق دے ڈالتے ہیں اور جب غیظ و غضب کا یہ آگ سرد پڑ جاتی ہے اور حالات کا ٹھنڈے دل سے سامنا کرتے ہیں تو چھتاتے اور پریشان ہوتے ہیں اور اربابِ فتاویٰ کے یہاں دوڑتے ہیں کہ ممکن ہے بیوی کی واپسی کا کوئی شرعی حیلہ و تدبیر نکل آئے۔ مفتی صاحب تو اپنا فقہی مسلک بتا کر الگ ہو جاتے ہیں اور مستفتی حیران و پریشان گھر کی ویرانی، بچوں کی آہ و بکا اور ان کی کس مہر سی کو دیکھتا اور رفیقہ حیات جس کے ساتھ زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا تھا اس کے اپنی ہی حماقت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل جانے پر کھنکھانے افسوس لگتا، سر پٹیتا ہے۔ کبھی خود کو کوستا ہے اور کبھی فقہی گروہ بندیوں پر نفرین کرتا اور اس سے اظہارِ بیزاری کرتا ہے، اور بیوی کو واپس لانے کی مختلف تدبیریں اور حیلے سوچتا ہے۔

مستفتی اگر اپنے تقلیدی مسلک میں متشدد ہے تو اس کے پاس مطلقہ کو اپنی زوجیت میں دوبارہ واپس لانے کی حلالہ مروجہ کے سوا کوئی دوسری سبیل نہیں۔ چنانچہ نیرت و حسرت اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر بیوی کی طہارت و پاکیزگی اور حرمت و کرامت کے

طرف نظر کر کے اس فعل ملعون کے لئے راہ ہموار کرتا ہے، اور اس فعل حرام کا ارتکاب کر کے خود کو اللہ اور اُس کے رسول کی لعنت کا مستحق ٹھہراتا ہے اور مخالفین اسلام کے لئے اسلامی تظلم کی تعمیک اور اُس پر حرف زنی کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل احادیث و آثار سے حلالہ مروجہ کی قیامت و شہادت کا بخوبی اندازہ

لگایا جاسکتا ہے:-

عن عبد اللہ بن عباس قال لعن رسول اللہ ﷺ - عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ صلی اللہ علیہ وسلم المہلل والمہلّل لئ۔ کو نیکو امر اور اچھے کیلئے حلالہ کیا تھا، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

عن عقبہ بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ - عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں کرایہ کے لوگ (بجئے) کا خیر نہ دے گا؟ صحابہ نے کہا، ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے، اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا تھا، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں:-

لا اوتی بجملة ولا محلل لئ الا وجمتہما۔ وفی روایتہ لا اوتی بجملة ولا محللة الا رجعتہما۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حلالہ کو بیفاح (زنا) قرار دیتے تھے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ پہلا شوہر اور حلالہ کرنے والا دوسرا شوہر اور عورت ان تینوں میں سے اگر کسی کی بھی میت نکاح ثانی سے حلالہ کی ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔

ظاہر ہے کہ کوئی مباح اور حلال کام مستوجب لعنت اور باطل اور مستحق سزا نہیں ہو سکتا۔ حلالہ کی یہ ملعون شکل مسلم معاشرہ کے اندر جنسی بے راہ روی کا بھیانک پیش خیمہ ہے۔ مجھے خود بعض ایسے لوگوں کا علم ہے جنہوں نے اس بیفاح کو جنسی ہوس رانی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

اور اس فعلِ شنیع پر کوئی نیکر کرنے والا نہیں کہ آمت کے ایک طبقہ نے اس کی گنجائش نکال دی ہے۔ حالانکہ شریعت میں جس تحلیل کا اعتبار ہے وہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کے طلاقِ مغلظہ کے بعد عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کر کے اس کی صحبت سے ہٹنا، جو جائے اور اس کے ساتھ حُرین معاشرت سے بسر کرنے لگے اور اس دوسرے نکاح سے سابق شوہر، عورت اور اُس کے موجود شوہر تانی جس کی زوجیت میں وہ اس وقت ہے، ان تینوں میں سے کسی کی نیتِ حلالہ کی نہ ہو، پھر قصداً الہی سے شوہر فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

اندریں حالات بیک مجلس دی گئی تین طلاقوں کے تین شمار کئے جانے سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں جو مختلف مسائل اور مشکلات اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں ان کا حل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اقلاً مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ کی رُوح بیدار کرنے کے ساتھ ہی انہیں طلاق دینے کے شرعی اصول اور طریقے سے آگاہ کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ اگر کوئی بدرجہ مجبوری طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اسے پاکی (طہر) کی حالت میں جس کے اندر اس سے صحبت نہ کی ہو، ایک رجعی طلاق دے تاکہ اگر باہمی نباہ کی کوئی شکل عدت کے وقفہ میں نکل آئے تو عدت گزارنے سے پہلے پہلے وہ رجوع کر لے اور کھپتا نہ پڑے، اور اگر رجوع نہیں کرنا چاہتا تو عدت گزار کر بیوی کو آزاد ہو جانے دے۔ عدت گزارنے کے بعد پھر اس کو عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کا موقع رہے گا۔

دوسری طرف ہمارے اربابِ فتاویٰ، حالاتِ زمانہ سے صرف نظر کر کے فقہی مسلک کے تنگ قول میں بندہ کر فتویٰ دینے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیں اور ایک مجلس کی تین طلاق کو تین کے بجائے ایک شمار کئے جانے کا فتویٰ دیں۔

ایک مجلس میں تین طلاق کا مسئلہ



مسلم پرسنل لا کے جو مسائل ہندوستان اور عالم اسلامی کے مسلمانوں کیلئے پریشان کن اور پیچیدہ بن گئے ہیں، اُن میں ایک مجلس میں تین طلاق کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ طلاق کے سلسلہ میں اسلامی احکام کی پیروی کی جائے تو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ طلاق اُس وقت دی جائے جب کہ ناگزیر ہو اور صرف ایک طلاق رجعی دی جائے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ عدت کے اندر رجعت اور عدت کے بعد نکاح کے ذریعہ میاں بیوی پھر اکٹھا ہو سکتے ہیں۔ اسلام کی ان ہدایات کے برعکس لوگ بے سوچے بچھے طلاق دے دیتے ہیں اور تین طلاق سے کم نہیں دیتے۔ جہالت کا عالم یہ ہے کہ ایک فی ہزار مسلمان بھی طلاق سنت کا طریقہ نہیں جانتے۔ انہیں طلاق کا ایک ہی طریقہ معلوم ہے اور وہ یہ کہ ایک سانس میں تین طلاقیں دے دی جائیں۔ وکلاء تک طلاق نامے میں تین طلاقیں لکھواتے ہیں۔

ایک مجلس میں تین طلاق دے دینے کے بعد بالعموم سخت ندامت و پریشانی سے دوچار ہوتا پڑتا ہے۔ گھر کی بربادی، بچوں کی پرورش و تربیت کی دشواری، مرد کی بیوی سے محرومی اور عورت کے لئے باسانی دوسری شادی نہ ہو سکنے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں معاش کے حصول اور اخلاق و عفت کی نگہداشت کی وقت، یہ سب مسائل ہجوم کر کے سامنے آتے ہیں۔ اُس وقت مختلف لوگ مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں۔

۱۔ کچھ لوگ پوری ڈھٹائی اور ناخدا ترسی کے ساتھ مطلقہ بیوی کو پھر سے گھر میں ڈال لیتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ اس سلسلہ میں شریعت کے احکام کیا ہیں؟

۲۔ کچھ لوگ حلالہ کا ملعون طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ کچھ لوگ حنفی ہوتے ہوئے اہل حدیث علماء سے فتویٰ لے آتے ہیں۔

۴۔ کچھ لوگ گھر کی بربادی، بیوی سے محرومی اور اولاد کی خستہ حالی کو گوارا کرتے ہیں۔ پہلی صورت استہوائی غلط ہے اور نمشا اور بدکاری کی تعریف میں آتی ہے۔ دوسری صورت

کے قبیح ہونے میں بھی کلام نہیں، جیسا کہ احادیث و آثار اور ائمہ فقہ اور محدثین کے اقوال سے واضح ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور اور اختلافی ہے کہ حلالہ کی نیت سے جو نکاح ہوتا ہے اُسے حقیقۃً نکاح کہا بھی جاسکتا ہے یا نہیں اور اس سے عورت سابق مرد کے لئے حلال بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خود جنفی ائمہ کے ملین اختلاف ہے۔۔۔

آخری صورت فی الواقع مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ بس تیسری صورت رہ جاتی ہے یعنی اہل حدیث مسلک جس سے لاکھوں خاندانوں کو تباہی و بربادی سے بچایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ کتاب و سنت کی رو سے اسے اختیار کرنے کی گنجائش تکل سکے اور ایک مجلس کی تین طلاق کو طلاق مغلظہ بائنہ نہ شمار کیا جائے۔

ذیل کی سطور حضرات علماء کرام کے غور و فکر کے لئے تحریر کی گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ حضرات علماء مسئلہ کو حل کرنے کی نیت سے ان پر غور کریں گے۔ فَا بِاللهِ التَّوْفِیْقُ۔

کِتَابُ اللّٰهِ

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں عورت مرد کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور دوسرے مرد سے نکاح، خلوتِ صحیحہ اور طلاق کے بغیر اُس کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ کیا یہ بات کتاب اللہ سے ثابت ہے؟

کتاب اللہ کی متعلقہ آیات و سوج ذیل ہیں۔

”الطَّلَاقُ مَوْتَانِ فَاَسَاكَ بِمَعْنَوْيْ اَوْ تَسْبِيْحٍ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَجِزُ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا بِمَا اْتَيْتُكُمْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا اَمْتَدْتُمْ بِهَا مِنْ تَرَكَ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا

”طلاق دوبار ہے۔ تو معروف طریقہ پر ہدک لینا ہے یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دینا اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ نہیں دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو الا یہ کہ دونوں (مرد و عورت) کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ تو اگر (مرد و عورت) کے لوگوں، تمہیں ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں کہ عورت فدیہ دیکر خلع کر لے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو

فَلَا تَجِدُ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَقِّ الشَّيْخِ زَوْجًا
 غَيْرًا فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
 أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا
 حُدُودَ اللَّهِ ط وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
 يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

اور جو اللہ کا محدود سے تجاوز کریں وہ ظالم ہیں۔ تو اگر اس نے
 دوبارہ کے بعد پھر طلاق دے دی تو اب وہ عورت اُس کے لئے
 حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔
 تو اگر وہ بھی طلاق دے دے تو اُن دونوں کے لئے کوئی گناہ
 نہیں کہ وہ پھر سے نکاح کر لیں اگر انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کی
 حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں جنہیں وہ مسلم

(سورہ بقرہ - ۲۲۹-۲۳۰)

رکھنے والوں کے لئے بیان فرماتا ہے :-
 ان آیات کو بغور پڑھ جائیے۔ ان میں ایک بار یا ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم
 موجود نہیں ہے۔ تین بار میں تین طلاق دینے کا حکم ہے جن میں سے پہلی دو بار کی طلاقیں قابلِ رجعت
 ہوں۔ تین بار کی ان طلاقوں کے بارے میں قرآن مجید نے یہ حکم صادر کیا ہے کہ ایسی مطلقہ عورتیں
 طلاق دینے والے کے لئے حرام ہیں۔ الایہ کہ اس کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے اور پھر وہ بھی
 کسی وجہ سے اسے طلاق دے دے۔ اس صورت میں وہ دونوں پھر سے نکاح کر کے میاں بیوی
 بن سکتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ آیت میں نہ ایک مجلس کا ذکر ہے، نہ تین مجلسوں کا۔ نہ ایک
 ٹہر کا ذکر ہے، نہ تین ٹہروں کا۔ صرف تین طلاق دینے کا ذکر ہے۔ آیات عام ہیں۔ تین طلاق
 جب بھی اور جس طرح بھی دی جائیں گی، طلاق منغلظہ بانسہ پڑ جائے گی۔ جو اباً عرض ہے کہ
 قرآن پاک میں تین بار طلاق دینے کا ذکر ہے، جن میں سے دوبارہ کی طلاق کے بعد رجعت کی گنجائش
 ہو، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دے دینے کا۔ کم از کم قرآن پاک کے ظاہر الفاظ کا اقتضا تو یہی ہے۔

مفسرین کی تصریحات

اب آئیے مفسرین کی تصریحات کا مطالعہ کریں۔
 "الطَّلَاقُ مَوْتَانِ" کا کیا مطلب ہے۔ کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاق
 رجعی کے بیان کے لئے اُتری ہے اور مطلب یہ لیتے ہیں کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں جن کے بعد

رجوع کرنے اور عورت کو چھوڑ دینے، دونوں کی گنجائش ہے۔ تین طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے۔“

کچھ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں مسلمانوں کو شرعی طلاق دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق یکے بعد دیگرے بس دو بار ہونی چاہئے، جن کے بعد رجوع کرنے یا عورت کو چھوڑ دینے کا موقع رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے بعد بھی طلاق دے دے تو پھر یہ عورت اُس پر حرام ہو جائے گی؟

ان دو اقوال کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی ہیں، لیکن بنیادی اہمیت کے یہی اقوال ہیں۔ مفسرین میں امام ابن جریر طبریٰ دونوں قول بیان کرتے ہیں اور پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں وہ پہلے قول کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:-

بأختلف أهل التاویل فی تاویل ذالک فقال بعضهم هو دلالة علی عداة الطلاق الذی یکون للرجل فیہ الرجعة و العداة الذی تبین بہ زوجة منه۔

تفسیر کرنے والوں کے مابین اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں طلاق کی دو تعداد بتائی گئی ہے جن میں مرد کو رجعت کا حق ہے اور وہ تعداد جس میں عورت مرد سے جدا ہو جاتی ہے:-

وہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب میں طلاق دینے کے سلسلہ میں کوئی حد نہیں تھی۔ وہ طلاقیں دیتے اور رجوع کرتے رہتے۔ اس سلسلہ میں وہ کچھ آثار و اقوال نقل کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں:-

فتاویل الایة علی ہذا الخبر الذی ذکرنا عداة الطلاق الذی لکم ایھا النبا فیہ علی ارجاعکم الرجعة اذا کنت من ذوالا بہن تطیقان ثم الواجب علی من راجع منکم بعد التظلیقتین اما علی من راجع بعد التظلیقتین باحساب لانه لا رجعة له بعد التظلیقتین ان سرحها فطلقها الثالثة۔

”ان آثار کے مطابق جو ہم نے بیان کئے، آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ اسے لوگو! طلاق کی وہ تعداد جس میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے سلسلہ میں جبکہ اُن سے مباشرت ہو چکی ہو، رجعت کا حق ہو، دو طلاقیں ہیں۔ پھر تم میں سے جو کوئی دو طلاقوں کے بعد رجوع کرے اُس پر واجب ہے کہ وہ معزز طریقہ پر عورت کو روک لے یا خوبصورتی سے چھوڑ دے۔ کیونکہ دو طلاقوں کے بعد اس کیلئے رجعت کا حق نہیں اگر اسے چھوڑ دیا اور تیسری طلاق دے دی۔“

دوسرے قول کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:-

وقال اخرون إنما أنزلت هذه الآية " اور کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت اللہ کے نبی پر
 علی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعریفاً " اس لئے اُتری ہے تاکہ اللہ اپنے بندوں کو طلاق کا طریقہ
 من اللہ تعالیٰ ذکرة عیادة سنتہ طلاقہم بتائے جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہیں۔ نہ اس لئے
 نساءہم إذا أرادوا طلاقہن۔ لا دلالة علی کہ وہ اُن پر طلاق کی وہ تعدد واضح کرنے جس سے عورت
 القدر الذی تبین بہ المرأة من زوجہا۔ اپنے شوہر سے جدا ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ اس سلسلہ کے آثار و اقوال نقل کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں:-

وتأویل الآية علی قول هؤلاء سنتہ " اور ان لوگوں کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر یہ ہوگی۔
 الطلاق اتق سنتہما وأبجثہما کہ طلاق کا طریقہ جو میں نے تمہارے لئے مقرر کیا اور جائز ٹھہرایا
 إن أردتم طلاق نساءکم أن تطلقوهن اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو، یہ ہے کہ تم انہیں دو
 ینتین فی کلّ طهرٍ واحدة ثم الواجب طلاقیں دو۔ ہر طہر میں ایک طلاق۔ پھر اس کے بعد تم پر واجب
 بعد ذلك علیکم إماء أن تمسکوهن ہے کہ تمہیں معروف طریقے پر روک لو، خواہ عورتی
 بمصروف أو تسترحوهن بإحسان۔ کے ساتھ چھوڑ دو۔

اس کے بعد وہ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

والذی أویئ بظاہر التنزیل ما " اور قرآن کے ظاہر الفاظ سے قریب بات وہ ہے جسے عروہ،
 قاله عروہ وقتادة ومن قال مثل قتادہ اور ان جیسی بات کہنے والوں نے کہا ہے یعنی یہ آیت
 قولہما أن الآية إنما هی دلیل علی عدد طلاق کی تعدد پر دلیل ہے، اس تعدد پر جس سے عورت حرام ہو جاتی
 الطلاق الذی یکون بہا التحريم وبطال الوصیة ہے اور رجعت ختم ہو جاتی ہے اور اس تعدد پر جس میں
 فیہ والذی یکون فیہ الرجعة منه۔ رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔

جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے، بات بالکل واضح ہے۔ آیت میں دو طلاقوں کے

یکے بعد دیکرے الگ الگ دینے اور ان کے بعد رجعت کی گنجائش کا ذکر ہے۔ پھر تیسری بار
 طلاق دینے کے نتیجہ میں بیوی کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ اس مفہوم کی رُو سے (اور یہی آیت کا
 ظاہر مفہوم ہے) ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا حکم آیت میں نہیں ہے، بلکہ ایک بار میں

تین طلاق دینا ہی غیر مشروع اور آیت میں غیر متصور ہے۔

پہلے قول کی رو سے بھی آیت ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تعزیر نہیں کرتی بلکہ جیسا کہ امام ابن جریر طبری نے صراحت کی ہے، آیت میں اس شکل کا ذکر ہے کہ کسی شخص نے دو طلاق رجعی دی ہوا پھر رجوع کرنے کے بعد یا رجوع کے بغیر تیسری طلاق بھی دے دی ہو۔

علامہ زحشریؒ کا مفسرین میں دونوں اقوال کا ذکر کر کے دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

الطلاق بمعنى التّطليق كالسلام بمعنى التسليم " طلاق، تطليق (طلاق دینے) کے معنی میں ہے۔ جیسے سلام،
أى التّطليق الشرعى تطلقته بعد التّطليقة تسلیم (سلام کرنے) کے معنی میں ہے۔ یعنی مشروع طلاق دینا
على التّطريق دون الجمع والإرسال دفعةً یہ ہے کہ طلاق کے بعد طلاق دی جائے۔ ایک ایک ذکر ایک ساتھ
واحدة ولم يردّ بالمترتين التّشنيّة ولكن اولیک دم اولیک ہی بار میں۔ اور مترتین سے مراد تثنیہ نہیں ہے
التّكوير كقولهم ثمّ أرحح البصر كترتين أى بلکہ تکرار ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَرْحِحْ أَبْصُوكُمْ تَيْنِ
مَرَّةً بعد مَرَّةً، لا كترتين تشنين ونحو ذلك (دیکھو کہ بار بار لڑائی) یعنی ایک بار کے بعد ایک بار اور۔ نہ کہ دوبار
من التّثانی الّتی یُراد بها التّكوير. قولهم اور اس قسم کے تثنیہ کی جن سے مراد تکرار ہوتی ہے، مثال اہل
لبیک وسعدیک وحنانیک وھذا عرب کے اقوال میں ہے۔ لَبَيْكُ، سَعْدُكُ، حَنَانُكُ،
ذیک و ذوالیک۔ هَذَا ذَيْكُ اور ذَوَا ذَيْكُ

پھر وہ پہلے قول کا ذکر کرتے ہیں، مگر ذرا مختلف انداز میں۔ فرماتے ہیں:-

وقيل معناه الطّلاق الرجعی مولاتان " اور ایک قول یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق بھی مقدار
لأنّ لا رجعة بعد الثّلاث " ہے کیونکہ تیسری کے بعد رجعت نہیں ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ علامہ زحشریؒ نے ثنتان (دو) کے بجائے مرتان
(دوبار) کہا ہے۔

فَإِنْ طَلَقْتَهَا فَلَا تَحِلُّ لَكَ مِنْ بَعْدِ حَقِّ تَنْكِحِ زَوْجًا غَيْرَهَا كى تفسیر میں وہ اور
زیادہ واضح انداز میں لکھتے ہیں:-

فَإِنْ طَلَقَهَا الطّلاق الّهمزة كود الموصوف " لہذا اگر اس نے وہ طلاق دی جس کا وصف تکرار ہے اور

بالتکرار فی قولہ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ وَاسْتَوْفَى نَصَابَهُ أَوْ فَرَانَ طَلَّقَهَا مَرَّةً ثَالِثَةً بَعْدَ مَرَّتَيْنِ - جس کا ذکر الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں ہے اور اس کا نصاب (تین) پورا کر دیا یا اُس نے دوبار کے بعد تیسری بار طلاق دے دی۔

امام محمد الدین رازی تفسیر کبیر میں الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَمَا سَأَلْتُ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْوِيجٍ يَأْخُذُ بِالنَّصَابِ كَمَا فِي قَوْلِ كَذَرِيحٍ الْفَاطِمِيْنَ كَرَّتَيْنِ -

اختلف المفسرون أن هذا حكمٌ مبتدئٌ « مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ نیا حکم ہے جس کے اُوهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا قَبْلَهُ. قَالَ قَوْمٌ إِنَّهُ حَكْمٌ مُبْتَدِئٌ وَمَعْنَاهُ أَنَّ التَّطْلِيقَ الشَّرْعِيَّ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ تَطْلِيقَةً بَعْدَ تَطْلِيقَةٍ عَلَى التَّفَرِيقِ دُونَ الْجَمْعِ وَالْإِرْسَالِ دَفْعَةً وَاحِدَةً وَهَذَا التَّفْسِيرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ الْجَمْعُ بَيْنَ الثَّلَاثِ حَرَامٌ وَنَعْمَ أَبُو زَيْدٍ وَالِدِي فِي الْأَسْرَارِ أَنَّ هَذَا هُوَ قَوْلُ عُمَرَ وَعُمَرَ وَعَثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَعِمْرَانَ بْنِ الْحُسَيْنِ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَصَدِيقَةَ (رضي الله عنهم) -

گر وہ نے کہا یہ ایک حکم ہے جس کا آغاز نہیں سے ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ "شرعی طلاق" ضروری ہے کہ طلاق کے بعد طلاق دینا ہو، الگ الگ، نہ کہ ایک ساتھ، ایک دم ایک ہی بار میں۔ اور یہ تفسیر ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ ایک دم تین طلاق دینا حرام ہے۔ اور ابو زید دیوبندی نے "اسرار" میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ قول ہے حضرت عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عمران بن حصین، ابو موسیٰ اشعری، ابوذر اور صدیقہ رضی اللہ عنہم کا۔

معلوم ہوا کہ یہ قول فقہاء صحابہ کی اکثریت کا ہے۔

اس کے بعد پہلے قول کا ذکر امام رازی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

والقول الثانی فی تفسیر الایة أن هذا ليس ابتداءً كلامٍ بل هو متعلقٌ بما قبله والمعنى أن الطلاق الرجعي مرتان ولا رجعة بعد الثلاث، وهذا قول من جاز الجمع بين الثلاث وهو مذاهب الشافعي رضي الله عنه - اور آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نیا کلام نہیں ہے بلکہ یہ ما قبل سے متعلق ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاقِ رجعی دوبار ہے اور تین کے بعد رجعت نہیں ہے اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو بیک وقت تین طلاق کے جواز کے قائل ہیں اور یہ امام شافعی کا مسلک ہے۔

بہ یک وقت تین طلاق کے مشروع ہونے کے قائل امام شافعیؒ اور علامہ ابن حزمؒ ہیں۔ جمہور ائمہ فقہ و حدیث و تفسیر اس طلاق کو غیر مشروع اور بدعت تصور کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس پر تازیانی سے سزا دیتے تھے۔

امام رازیؒ آیت کی تفسیر میں ایک اور قول نقل کرتے ہیں:-

القول الثالث فی تفسیر الایة أن نقول إنها ليست كلاماً مبتدأ بل هي متعلقة بما قبلها وذلك لأن الله تعالى بين في الآية الأولى أن حق المراجعة ثابت للزوج ولم يذکر أن ذلك الحق ثابت دائماً أو إلى غاية معينة فكان ذلك كالجمل المطلق إلى المخصص فبين في هذه الآية أن ذلك الطلاق الذي ثبت فيه الرجوع حق الرجعة هو أن يوجد طلقان فقط وأما بعد الطلقتين فلا يثبت الله حق الرجعة بالألف واللام في قوله "الطلاق" للمعهود السابق، یعنی ذلك الطلاق الذي حکمنا فيه بثبوت الرجعة هو أن يوجد مرتين فلهذا تفسیراً حسن مطابقاً لنظم الآية:-

"تیسرا قول آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کا آغاز یہیں سے ہو بلکہ یہ بات ما قبل سے متعلق ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ بیان کیا کہ رجوع کرنے کا حق شوہر کے لئے ثابت ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ حق دائماً ثابت ہے یا کسی مقررہ وقت تک۔ تو یہ آیت مجمل ہوئی جس کے لئے کسی شخص کی ضرورت ہے۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ وہ طلاق جس میں شوہر کیلئے رجعت کا حق ثابت ہے وہ یہ ہے کہ فقط دو طلاقیں دی جائیں۔ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق ہرگز نہ رہے گا۔ یہ بات الف اولام سے واضح ہوتی ہے جو الطلاق میں ہے اور جو معهود سابق کے لئے ہے۔ یعنی وہ طلاق جس کے بارے میں ہم نے رجعت کے ثابت ہونے کا حکم دیا وہ ہے کہ طلاق دوبارہ دی جائے۔ تو یہ بہتر تفسیر ہے جو آیت کے نظم کے مطابق ہے۔"

امام رازیؒ کے اس قول اور پہلے قول میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

امام ابو بکر جصاص رازی حنفیؒ احکام القلان میں ان آیات پر تفصیلی بحث

کرتے ہوئے تین مفہوم بیان کرتے ہیں:-

قال أبو بکر قد ذکرنا فی معناه وجوہاً أحدھا أنه بیان للطلاق الذي تثبت

ابو بکر نے کہا: اس آیت کے معنی کے سلسلہ میں کئی اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس طلاق کا

معنہ الرجعة یرویٰ ذالک عن عروة بن الزبیر وقتادہ۔ والثانی اَنَّهُ بَيَانُ طَلَاقِ السُّنَّةِ الْمَدُوبِ إِلَيْهِ وَيُروى ذالک عن ابن عباسٍ ومجاهدٍ والثالث اَنَّهُ أَمْرٌ بِأَنَّهُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَطْلُقَهَا ثَلَاثًا فَعَلِيهِ تَفْسِيرُ الطَّلَاقِ فَيَتَغَيَّرُ الْأَمْرُ بِالطَّلَاقِ مَتَى تَمَّ ذِكْرُ بَعْدِهَا الثَّلَاثَةُ۔

بیان ہے جس کے ساتھ رجعت کا حق ہوتا ہے۔ یہ قول عروہ بن زبیر اور قتادہ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق سنت کا بیان ہے، جو طلاق کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس قول کی روایت ابن عباس اور مجاہد سے کی گئی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم ہے کہ جب کوئی تین طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ طلاق الگ الگ کر کے دے۔ اس میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ صرف دوبارہ طلاق دی جائے، اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا گیا ہے :

آخری دو اقوال کی رو سے ان آیات میں طلاق کے ایک ایک کر کے دینے کا ذکر یا حکم ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دینے کا۔ پہلے قول کی رو سے بھی یہ آیت ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے حکم میں صریح نہیں ہے، کیونکہ اس قول کی رو سے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاقِ زوجی دو طلاقیں ہوتی ہیں جن کے بعد پھوڑنے اور رجوع کرنے، دونوں کا حق باقی رہتا ہے۔ دو طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق دے دی جائے تو یہ حق باقی نہیں رہتا۔ تین طلاق ایک ساتھ دینے کا تذکرہ آیت میں کسی مفہوم کی رو سے نہیں ہے۔

امام ابو بکر حنیف رازی قول ثانی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

قال أبو بكر: فأما قول من قال إنه بيان لما يفتى معه الرجعة من الطلاق فإنه وإن ذكر معه الرجعة عقيبه فإن ظاهره يدل على أنه قصد به بيان المباح وأما ما عداه فمحمولٌ وبين مع ذلك حكمه إذا وقع على الوجه المأثور به، إذ الرجعة عقيبه، والدليل على أن المقصد فيه الأمر بتفسير الطلاق وبيان حكمه ما يتعلق بالبيع ما دون الثلاث من الرجعة أنه قال الطلاق مثل

ابو بکر نے کہا: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اس طلاق کا ذکر ہے جس میں رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہ اس آیت سے قبل متصل ہی رجعت کا ذکر ہے، ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود مباح طلاق کا بیان ہے جس کے ماسوا طلاقِ ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ اگر اس نے حکم کے مطابق طلاق واقع کی تو اس کا حکم ہے، اسے بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہ بات کہ اس آیت میں طلاق کو الگ الگ دینے کا حکم اور میں سے کم طلاقوں کے واقع کرنے سے متعلق حکم یعنی رجعت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

وذلك يقتضى التفريق لا محالة فباتة
 ان طلق اثنتين معاً لما جاز ان يقال
 طلقها مرتين. وكذلك لو دفع رجلاً
 الى اخره رحمتين لم يجز ان يقال اعطاه
 مرتين حتى يفترق الدفع فحينئذ يطلق عليه
 واذا كان هذا هكذا، فلو كان الحكم
 المقصود باللفظ هو ما تعلق بالتطليقتين
 من بقاء الرجعة لأدنى ذلك الى اسقاط
 فائده ذكر مرتين، اذا كان الحكم ثابتاً
 فى المرة الواحدة اذا طلق اثنتين، فثبت
 بذلك ان ذكر المراتين إنما هو أمر بايقاع
 مرتين ونهى عن الجمع بينهما فى مرة واحدة
 ومن جهة أخرى لو كان اللفظ محتملاً
 لأمرين لكان الواجب حمل على إثبات
 الحكم فى إيجاب الفائدتين وهو الأمر
 بتفريق الطلاق متى أرا، أن يطلق اثنتين
 وبين حكم الرجعة اذا طلق كذلك فيكون
 اللفظ مستوعباً للمعنيين. وقوله تعالى
 "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" وإن كان ظاهر الخبر
 فى معنى الأمر. كقوله تعالى "وَأَمَّا طَلَّقَتْ
 يَتَرَبِّصَنَّ يَأْتِيَنَّهَا مُرَبُّهَا وَوَالِدَاتُهَا
 يُرَبِّصْنَ أَوْلَادَهُنَّ" وما جوف هذا الخبر
 إنما هو فى صيغة الخبر ومعناه الأمر -

فرميا: طلاق دبار ہے۔ اور اس کا تقاضا لامحالہ الگ الگ
 طلاق دینا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے دو طلاق دین تو یہ کہنا صحیح نہ
 ہوگا کہ اُس نے دبار طلاق دی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کو
 دو درہم دیئے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس نے اسے دو بار دیئے
 جب تک وہ الگ الگ نہ دے تب تک اُس پر دو بار دینے کا
 اطلاق نہیں ہوگا۔ اس صورت میں آیت کے الفاظ کا مطلب
 یہ لیا جائے کہ دو طلاقوں کے بعد رجعت کا حق باقی رہتا ہے تو
 مَرَّتَيْنِ کا ذکر بے فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ایک ہی بار میں
 دو طلاق دے تب بھی یہ حکم ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ
 اللہ تعالیٰ کا مَرَّتَيْنِ (دو بار) کے لفظ کا ذکر دبار طلاق دینے کا
 حکم اور دو طلاقوں کو ایک ہی بار میں دے دینے سے منع کرنے
 کے لئے ہے۔ ایک اور پہلو سے اگر لفظ دو امور کو محتمل ہو تو
 ضروری ہے کہ اسے دونوں امور پر موقوف کیا جائے تاکہ دو فائدے
 ثابت ہوں۔ اور یہاں وہ دو امور یہ ہیں (۱) طلاق کو الگ
 الگ دینے کا حکم جب دو طلاق دینے کا ارادہ کرے۔ اور (۲)
 رجعت کے حکم کا بیان جب اس طرح طلاق دے۔ تو لفظ دو
 معنی پر حاوی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ"
 (طلاق دو بار ہے) ظاہر الفاظ کی توجہ سے اگرچہ خبر ہے مگر معنی
 حکم ہے۔ جیسے وَأَمَّا طَلَّقَتْ يَتَرَبِّصَنَّ يَأْتِيَنَّهَا مُرَبُّهَا وَوَالِدَاتُهَا
 يُرَبِّصْنَ أَوْلَادَهُنَّ (مطلقہ عورتیں جن ماہوار تک انتظار کریں گی) اور وَالْوَالِدَاتُ
 يُرَبِّصْنَ أَوْلَادَهُنَّ (مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں گی)
 اور اس طرح کی دوسری آیتیں جن کا صیغہ خبر کا ہے مگر معنی
 امر (حکم) کا ہے۔

گویا امام ابو بکر رضی عنہ سے کہ اطلاق مرتباً میں دو طلاق کا نہیں دوا۔
طلاق کا ذکر ہے۔ یہ بحث آگے بڑھتی ہے جس کے بعد وہ امام شافعی کا قول نقل کر کے
اُس کے جواب میں مزید دلائل لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

وقال الشافعی فی ما رواہ عنہ المذنبی " اور امام شافعی نے، جیسا کہ اُن سے مُرنی نے روایت کیا ہے،
لا یحرم علیہ ان یتلقھا ثلاثاً ولو قال أنت
طالق ثلاثاً للسنۃ وہی طاهرۃ من غیر جماع
طلقت ثلاثاً معاً۔ قال ابو بکر فنبذ
بالکلام علی الشافعی فی ذلک فنقول ان
دلالة الآية التي تلويها طاهرۃ في بطلان
هذه المقالة لانها تضمنت الامر بإيقاع
ثنتين في مرتين، فمن أوقع الإثنتين في
مرة فهو مخالف لما كرمها وما يدل على
ذلك قوله تعالى لا تحريموا الطيبات
ما أحل الله لكم: وظاهره يقتضي تحريم
الثلاث لما فيها من تحريم ما أحل لنا
من الطيبات، والدليل على أن الزوجات
قد تناولهن هذا العموم قوله تعالى
"فألكموا ما طاب لكم من النساء"
فوجب بحق العموم حظر الطلاق الموجب
لتحريمها. ولولا قيام الأدلة في إيقاع
الثلاث في وقت السنۃ وإيقاع الواحد في
غير المدخول بها لاقتضت الآية حظره.
ومن جهة أخرى من دلائل الكتاب أن الله تعالى

فرمایا ہے کہ تین طلاق (بیک وقت) دینا حرام نہیں ہے۔ اگر
مرد نے کہا، تم پر تین طلاق سنت " اور وہ پاک ہے اور اُس کا
پاک میں اُس سے مباشرت نہیں کی گئی ہے تو اس پر بیک وقت
تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ ابو بکر نے کہا، اب ہم اس مسئلہ میں
امام شافعی پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں روایت کی تلافی
میں نے کی ہے اُس سے تاکہ غلط ہونا امر ثابت ہے۔ کیونکہ
اس آیت میں یہ حکم موجود ہے کہ دو طلاقیں دوا میں دی جائیں۔
تو عرضِ خاص نے ایک بار میں دو طلاقیں دوا میں اُس نے آیت کے حکم کی
خلافت کی۔ اور تین طلاق کے حرام ہونے کی ایک اور دلیل اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی
ہیں انہیں حرام نہ کرو۔" آیت کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے کہ تین طلاق
حرام ہو کیونکہ اس سے ان پاکیزہ عورتوں کی حرمت ہوتی ہے جو
اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ یہ تاکہ آیت کے لفظ "طیبات" کے
عموم میں حرمتیں بھی داخل ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
"عورتوں میں جو تمہیں طیب ہیں ان سے نکاح کرو۔ ان الفاظ کے
عموم سے وہ طلاق ممنوع ثابت ہوتی ہے جو عورتوں کو حرام کر دے۔ اولاً
سنت کے وقت میں تین طلاقوں کے واقع کرنے اور غیر مدخول بہا کیلئے
ایک طلاق کے واقع کرنے کے سلسلہ میں حلال نہ ہوتے۔ روایت اس کی
حرمت کی تقاضی تھی۔ کتاب اللہ کے دلائل کا ایک اور پیلہ۔

لَمْ يُبَحِّحِ الطَّلَاقَ لِمَنْ تَجِبَ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ
إِلَّا مَقْرُونًا بَذْكَرٍ رَجَعَتْ مِنْهَا قَوْلُهُ تَعَالَى
أَلطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَمَا مَسَاكُ يَعْرِفُ قَوْلُهُ تَعَالَى
وَأَمَّا مَطْلَقَاتُ يَتَرَبِّصْنَ يَا نَفْسُ مِنْ ثَلَاثَةِ قُرُوءٍ
وَقَوْلُهُ تَعَالَى وَإِذَا طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ فَبَلِّغْنَ
أَجَلَهُنَّ فَمَا مَسْكُوهُنَّ يَعْرِوْفُ أَوْ سَرَّوَهُنَّ
يَعْرِوْفُ أَوْ فَارِقُوهُنَّ يَعْرِوْفُ فَمِنْ بَحِّحِ الطَّلَاقِ
الْمُبْتَدِئَاتُ وَالْعِدَّةُ الْإِمْقَرُونًا بَذْكَرٍ رَجَعَتْ
وَحُكْمُ الطَّلَاقِ مَا خَرَجَ مِنْ هَذِهِ الْآيَاتِ -
لَوْلَاهَا لَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ مِنْ أَحْكَامِ الشَّرْعِ فَلَمْ يَجُنْ
لِنَا آيَاتُهُ مَسْنُونًا إِلَّا أَعْلَى هَذِهِ الطَّرِيقَةِ وَبِهَذَا
الْوَصْفِ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
أُدْخِلَ فِي أُمْرٍ مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رُدٌّ -
وَأَمَّا أَحْوَالُ هَذِهِ اللَّفْظِ حِظْرًا لِمَا تَفَقَّهْتَ الْآيَاتِ
الَّتِي تَلُونَا مِنْ إِيقَاعِ الطَّلَاقِ الْمُبْتَدِئَاتِ مَقْرُونًا
بِمَا يُوجِبُ الرَّجْعَةَ -

اللہ تعالیٰ نے عدت دینی عورت کے لئے طلاقِ مباح نہیں کی
مگر اس کے ساتھ رجعت کا ذکر ضرور کر دیا ہے۔ جیسے اللہ
تعالیٰ کا ارشاد اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَمَا مَسَاكُ يَعْرِفُ قَوْلُهُ تَعَالَى
وَأَمَّا مَطْلَقَاتُ يَتَرَبِّصْنَ الْآيَةَ اِدْرَادًا طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ
فَبَلِّغْنَ أَجَلَهُنَّ فَمَا مَسْكُوهُنَّ الْآيَةَ - تو ابتداء
عدت والی عورتوں کے لئے طلاق کو جائز نہیں قرار دیا مگر
رجعت کا ذکر اس کے ساتھ کیا۔ اور طلاق کا حکم ان ہی آیات
سے ماخوذ ہے۔ اگر یہ آیات نہ ہوتیں تو طلاق احکامِ شرع
میں سے نہ ہوتی۔ پس ہمارے لئے طلاق کا اثبات
سنت کے طور پر اس وقت جائز ہے جب وہ اس شرط
اور اس وصف کے ساتھ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے: جو شخص ہمارے معاملہ (دینی) میں وہ چیز
داخل کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ قابلِ رد ہے۔ اور ان
الفاظ کے مفہوم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ طلاق ممنوع ہو
ان آیات کے خلاف ہو جن میں طلاق کے اس طرح واقع کرنے کا
ذکر ہے کہ اس کے بعد رجعت ہو سکے:۔

اس کے بعد امام ابو بکر جصاص احادیث و آثار صحابہ نقل کرتے ہیں۔ پھر
فرماتے ہیں:-

فَقَدْ تَلَبَّتْ مِنْ هَلْوَاءِ الْعِمَامَةِ حُظْرًا مَجْمَعِ
الثَّلَاثِ، وَلَا يُرَوَى عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ
خِلَافَهُ فَصَادِرٌ إِجْمَاعًا -
تو ان صحابہ سے تین طلاق بیک وقت دینے کی حرمت
ثابت ہوئی اور چونکہ کسی صحابی سے اس کے خلاف روایت
نہیں تو اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا:-

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا حرام ہے اور مذکورہ
بالآیات میں ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ تین بار میں تین طلاق

میں تین طلاق دینے کے سلسلہ میں۔ اس ذیل میں امام ابو بکر حبصاً نے ایک طہر یا کئی طہروں کی جو بحث چھیڑ دی ہے، اُس کا تعلق فی الواقع حدیث سے ہے، نہ کہ قرآن سے۔

اپنے اس قول پر ایک اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں۔

فإن قيل قد امتأدت بدتياً في معنى الآية • اگر کہا جائے کہ تم نے آیت کے معنی کے سلسلہ میں پہلے ہی واضح
 أن المراد بها بيان المندوب واليه والمأمور به • کیا تھا کہ آیت کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ طلاق کا مطلوب اور مندوب
 من الطلاق وإيقاع الطلاق الثالث معاً • طریقہ کیا ہے، اور تین طلاقوں کا ایک وقت واقع کرنا تھا کہ
 خلاصت المسنون عنده فكيف تمسح بها • نزدیک خلاف سنت ہے تو تم اس آیت سے طلاق کے غیر مندوب
 في إيقاعها على غير الوجه المباح، • طریقہ پر واقع کرنے کے سلسلہ میں کیوں استدلال کر رہے ہو، حالانکہ
 والآية لم تستفهمها على هذا الوجه قيل • آیت کے مفہوم میں یہ طریقہ داخل نہیں ہے۔ جواب میں کہا جاتا ہے کہ
 لـ قد دلت الآية في هذه المعاني كلها • آیت دو تین طلاقوں کے غیر سنون طریقہ پر واقع کرنے کی شکلوں
 من إيقاع الإنتين والثلاث غير التسنة • پر بھی دلالت کرتی ہے بلکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ مطلوب اور سنون
 وإن المندوب واليه والمسنون تفریقها في • طریقہ طہروں میں متفرق طور پر طلاق دینا ہے، اور یہ بات
 الأظهار وليس يمتنع أن يكون مراد الآية • ممتنع نہیں ہے کہ آیت کا مفہوم یہ سب کچھ ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے
 جميع ذلك. ألا ترى أنه لو قال طلقوا • کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ طلاق تین بار (مختلف) طہروں میں
 ثلاثاً في الأظهار وإن طلقتم جميعاً معاً • دو، لیکن اگر تم نے تینوں طلاقیں ایک بار دے دیں تو وہ واقع
 وقعت، كان جائزاً. وإذالم يمتنع • ہو جائے گی، تو یہ فرمانا صحیح ہوتا۔ تو جب دونوں مفہوم ایک دوسرے
 المعنيين واحتملتها الآية وجب • کے منافی نہیں ہیں اور آیت دونوں کو محصل ہے تو آیت کا
 حملها عليها۔ • دونوں پر محمول کرنا ضروری ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ابو بکر حبصاً نے فی الواقع اعتراض کا جواب نہیں دے سکے
 ہیں اور انہوں نے عدم امتناع اور احتمال کا سہارا لیا ہے جن سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور
 وہ بھی عورت کی حرمت مغتلفہ جیسا حکم۔ ایسے حکم کے لئے صریح نص چاہئے، نہ کہ احتمالات
 اور عدم امتناعا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ہوں یا

متعدد مجالس میں، ایک بار میں ہوں یا کئی بار میں، متفرق ہوں یا ایک ساتھ، ہر حال میں عورت حرام ہو جائے گی تو آیت کے الفاظ یہ نہ ہوتے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَمَا سَاكَ بِمَعْرَافٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَقِّي تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ .

بلکہ یوں ہوتے۔

الطَّلَاقُ إِثْنَتَانِ فَمَا سَاكَ بِمَعْرَافٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَقِّي تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ .

ان الفاظ کے نہ ہونے اور "مرتان" اور "فان طلقها" کے الفاظ ہونے کی صورت میں آیت کے صریح معنی ہیں کہ "فان طلقها فی المرۃ الثالثة بعد المرتين" جیسا کہ امام ابو بکر حبیباً، علامہ زعمشیری اور دوسرے مفسرین نے اس مفہوم کا ذکر کیا ہے۔

ایک اور اعتراض کا ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہوئے امام ابو بکر حبیباً فرماتے ہیں۔

فَإِنْ قِيلَ مَعْنَى هَذِهِ الْآيَةِ مَحْمُولٌ "اگر کہا جائے کہ اس آیت کا مفہوم محمول ہے اس پر مجھے

عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ بِقَوْلِهِ "فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ" اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ (انہیں طلاق کی

وقد بينت الشارح الطلاق للعدّة وهو أن يطلقها في ثلاثة أظهار إن أراد إيقاع الثلاث، ومعنى خالف ذلك لم يقع طلاقه۔

قِيلَ لَهُ تَسْتَعْمَلُ الْآيَتَيْنِ عَلَى مَا تَقْتَضِيَانِهِ مِنْ أَحْكَامِهِمَا، فَنَقُولُ إِنَّ الْمُنْدُوبَ إِلَيْهِ الْمَأْمُورُ بِهِ هُوَ الطَّلَاقُ

لِلْعَدَّةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ وَإِنْ طَلَّقَ لِعَدَّتِهَا وَجَمَعَ الثَّلَاثَ قَعْنُ مَا اقْتَضَتْهُ الْآيَةُ الْأُخْرَى وَهِيَ قَوْلُهُ تَعَالَى

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ"

فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ" کا اقتضاد ہی ہے، کیونکہ آیت

فَطَلَّقَهُنَّ لِأَعْدَتِهِنَّ فِي إِنْ بَاتَ كُنْفِي نَهَيْتُمْ عَنْ حَسَبِ مَا
 اقتضاء دوسری آیت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے
 مفہوم میں بھی جس میں طلاق عدت کا ذکر ہے، یہ بات موجود ہے
 کہ طلاق لغیر العتہ دینے کی شکل میں نیز طلاق واقع ہو چکی
 گی۔ چنانچہ آیت فَطَلَّقَهُنَّ لِأَعْدَتِهِنَّ کے آخر میں وَقَوْلِكَ
 حُكْمًا وَعَدْلًا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ تَارِكًا
 طلاق لغیر العتہ واقع نہ ہوتی تو اسے عاقل کرنے سے اور طلاق
 دینے سے وہ خود پر ظلم کرنے والا نہ ہوتا ۛ

إذ ليس في قوله فَطَلَّقَهُنَّ نفي لما اقتضته
 هذه الآية الأخرى على أن في نحو الآية التي
 فيها ذكر للطلاق للعدّة دلالة على وقوعها
 إذا طلق لغیر العتّة وهو قوله تعالى فَطَلَّقَهُنَّ
 لِأَعْدَتِهِنَّ إني قوله وَقَوْلِكَ حُكْمًا وَعَدْلًا وَمَنْ يَتَعَدَّ
 حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ فلو لا أنه إذا طلق
 لغیر العتّة وقع ما كان طالماً لنفسه باهياً
 ولا كان طالماً لنفسه بطلاقه -

اس بحث میں امام موصوف نے ایک بار میں تین طلاق دینے کے سلسلے میں اَلطَّلَاقِ
 مَوْتَابِ الْاَيَةِ کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا ان آیات کی رو سے ایک مجلس کی تین طلاق کا
 طلاق معتظربائتہ ہونا کوئی ثابت شدہ امر ہو۔ حالانکہ یہی چیز محل گفتگو ہے۔ پھر انہوں نے
 فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ سے طلاق کے وقوع پر جو استدلال کیا ہے وہ اور بھی عجیب ہے۔ ظلم نفس
 سے مراد صریح طور پر گناہ اور اُس کے نتائج ہیں۔ اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ طلاق
 لغیر العتہ واقع ہو جائیں اور وہ بھی اس طرح کہ طلاق معتظربائتہ پڑ جائے۔

متعلقہ آیات یہ ہیں :-
 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ
 لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْضُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا
 اللَّهَ رَبَّكُمْ. لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْتِهِنَّ
 وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّكُمْ
 مَبْرَأَةٌ. وَقَوْلِكَ حُكْمًا وَعَدْلًا. وَمَنْ
 يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ
 لَا تَدْرِي لَعْنُ اللَّهِ يُخَذِّبُ بَعْدَ
 قَوْلِكَ أَمْرًا -

اے نبی! (اہل ایمان سے کہو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو
 تو انہیں اُن کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کا شمار
 کرو اور اپنے رب اللہ سے ڈرو۔ انہیں اُن کے گھروں سے
 نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی
 کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں۔ اور جو کوئی اللہ
 کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرنے کا
 تم نہیں جانتے، ہر کتاب ہے اللہ اس کے بعد کوئی امر
 پیدا فرماوے :-

ان آیات میں فقہان ظلمِ نفسہ کا تعلق متعدد امور سے ہے، مذکورہ صرف طلاقِ غیر العدة سے اور صحیح مفہوم یہی ہے کہ حدودِ اللہ کی خلاف ورزی کرنے والا کسبہ گار اور عذابِ الہی کا مستحق ہو گا۔ ظلمِ نفس کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم اللہ کی نافرمانی کر کے اپنے نفس کی حق تلفی کرنے اور اسے ہلاکت میں ڈالنے کے مفہوم میں آیا ہے، اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ اس سے کسی قانونی حکم کا استخراج صحیح نہیں۔
امام ابو بکر جصاصؓ مزید فرماتے ہیں:-

وفي هذه الآية دلالة على وقوعها " اور اس آیت میں تین طلاقوں کے وقوع پر دلالت ہے۔
واطلاق لغیر العدة ویدل علیہ قولہ " جبکہ طلاق دینے والا طلاقِ غیر العدة دے، اور اس پر سلسلہ
تعالیٰ فی نسق الخطاب " وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ " کلام میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ وَمَنْ
يَتَّقِ اللَّهَ " (اور جو اللہ کی نافرمانی سے بچے گا، اللہ
اس کے لئے راہ نکال دے گا) یعنی اگر اس نے خدا کے حکم
اللہ صان له مخرجاً ما أوقع إن کے مطابق طلاق واقع کی تو ندامت کی صفت میں اس کے لئے
لحقہ نہم وهو الترجعة - نکلنے کی شکل یعنی رجعت ہو گی۔ واللہ اعلم۔

لیکن یہ اس آیت کا مدلول نہیں ہے۔ یہ مخرج کی ایک ممکنہ صورت ہو سکتی ہے۔
یوں بھی یہ پوری آیت کسی متعینہ شکل کے بجائے عمومی مفہوم ہی پر دلالت کرتی ہے۔ پوری
آیت بلکہ آیات یوں ہیں:-

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ " " تو جب وہ اپنی مدتِ عدت کو پہنچنے لگیں تو انہیں معروضہ طریقہ
پسند کی اور معروف طریقہ پر ان سے چلا جاؤ۔ اولیٰ فی
وَأَشْهَدُوا وَأَدْوَىٰ هَذَا مِنْكُمْ وَاقْبُوا سے مد نظر لوگوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لئے ٹھیک ٹھیک
الشهادة لله " وَاللَّهُ يُوَعِّظُكُمْ مِنْ كَلِمَاتٍ
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللہ کے لئے چاروں طرف سے
اللَّهُ يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا وَيُرْسِلْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ عَلَى اللَّهِ

اس جگہ سے روزی دے گا جہاں سے آگے لائے گا اور اللہ

فَصَحَّحْتُ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ يَبْلُغُ اَمْرًا قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○
 بھروسہ کرتا ہے اللہ اُس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یقیناً اللہ اپنے فیصلہ کو نافذ کر کے رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ نے ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ (طلاق - آیت ۲-۲)

ان آیات میں اِمْسَاک بِالْمَعْرُوفِ، تَفْرِیْقٌ بِالْمَعْرُوفِ، طَلَاقٌ یَا رُجُوعٍ پَرِغَوَاہِ بنانے اور سچی گواہی دینے، کئی اُمور کا ذکر ہے۔ مسئلہ زیر بحث سے براہِ راست ان آیات کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں! گذشتہ آیت میں طَلَاقٌ لِّلْعَدَّةِ کا ذکر ضرور ہے۔ بہر حال ان آیات سے وہ حکم نکالنا صحیح نہیں ہے جو امام موصوف نے نکالا ہے۔ پھر ایک بات اور بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص تین طہروں میں تین طلاقیں دے تو وہ تقویٰ کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اس کے باوجود ناجم ہونے کی صورت میں اُس کے لئے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا جہاں تک امام ابو بکر جصاص کی تشریح کی رو سے اُس کے لئے بھی کوئی صورت نکالنی چاہئے۔
 ایک اہل اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں:-

فَاِنْ قِيلَ لِمَا كَانَ عَاصِيًا بِاِيقَاعِ الثَّلَاثِ
 مَعًا لَمَقْعٍ اِذْ لَيْسَ هُوَ الطَّلَاقُ الْمَأْمُورُ بِهٖ
 كَمَا لَوْ قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلًا بَانَ يَطْلُقُ
 اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا فِي ثَلَاثَةِ اَطْحَاہِ لَمْ يَبْقِ
 اِذَا جَمَعَتْ فِي طَهْرٍ وَّاحِدٍ قِيلَ لَهَا
 كَوْنُهُ عَاصِيًا فِي الطَّلَاقِ فَغَيْرُ مَانِعٍ صَحَّةً
 وَقَوْعُهُ لِمَا دَلَّتْ فِي مَاسَلَفٍ وَمَعَ ذَلِكَ
 فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الطَّهَارَ مُمْكِنًا مِنَ الْقَوْلِ
 وَتُدْرًا وَحُكْمًا مَعَ ذَلِكَ بِصَحَّةٍ وَقَوْعِهِ
 فَكَوْنُهُ عَاصِيًا لَا يَمْنَعُ لَزُومِ حُكْمِهِ
 وَالْاِنْسَانَ عَاصِيًا لِلّٰهِ فِي رَدِّتِهِ عَنِ
 الْاِسْلَامِ وَلَمْ يَمْنَعُ عَصِيَانَتُهُ مِنَ الزُّوْمِ
 اگر یہ کہا جائے کہ وہ تین طلاقیں کے بیک وقت دینے سے گناہگار ہوتا ہے اس لئے وہ واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ وہ طلاق نہیں ہے جس کا حکم دیا گیا ہے مثلاً کوئی شخص کسی کو اس بات کے لئے دلیل بنا کر وہ اس کی بیوی کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے، اگر وہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے تو وہ واقع نہ ہوں گی۔ (جواباً) کہا جائے گا کہ طلاق کے سلسلے میں اگر نافرمان ہونا طلاق کے واقع ہونے میں مانع نہ ہوگا، اُن دلائل کی بنا پر جو ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ظہار کو قولِ منکر و نذر فرمایا ہے۔ اس کے باوجود اس کے صحت و وقوع کا حکم دیا ہے۔ تو ماحسوس ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ حکم ثابت نہ ہو۔ اسی طرح اسلام سے مرتد ہونے کی صورت میں انسان اللہ کا نافرمان ہوتا ہے۔ یہ نافرمانی اس بات کے لئے مانع نہیں ہوتی کہ اس کا حکم ثابت نہ ہو اور اُس کی بیوی اس سے مجملات نہ ہو

حکمہ و فراقِ امراۃم وقد نھاہ اللہ عن مراجعتھا ضرارا بقولہ تعالیٰ وَلَا تَمْسُکُوْهُنَّ اَسْرَارًا لَّتَقْتَدُوْاۤ اَنْ فَلَیْ لَیْجَہَا وَہُوَ یُرِیْدُ ضَرَارًا لَّیْتَبَّ حَکْمُہَا وَصَحَّتْ رَجْعَتُہٗ ۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے کی نیت سے عورت سے رجوع کرنے کو منع کیا ہے۔ وَلَا تَمْسُکُوْهُنَّ اَسْرَارًا لَّتَقْتَدُوْاۤ اَنْ فَلَیْ لَیْجَہَا وَہُوَ یُرِیْدُ ضَرَارًا لَّیْتَبَّ حَکْمُہَا وَصَحَّتْ رَجْعَتُہٗ ۔

پہنچانے کیلئے نہ دیکھو کہ اس طرح تم تعدی کے مرتکب ہو لیکن اگر کوئی شخص نقصان پہنچانے کی نیت سے رجوع کرے تو حکم رجعت ثابت ہوگا اور اُس کی رجعت صحیح ہوگی۔

یہاں خلطِ مبعوث ہو گیا ہے۔ ظہار کا رواج عرب میں پہلے سے تھا۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی بیٹی کی طرح حرام کہہ دیتا اور وہ اُس کے لئے حرام ہو جاتی۔ ایک صحابی اس رواج کے مطابق اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے۔ بعد میں انہیں ندامت ہوئی اور اُن کی بیوی کو پریشانی ہوئی جو مخلص مومنہ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے مقدمہ کو لے کر آئیں اور بیعت ہوئیں کہ اُن کے معاملہ کو حل کیا جائے، تب یہ آیات نازل ہوئیں:-

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الرِّقِّ اْتِیَ اِدْلٰکَ رَفِیْ فَرُوْجِہَا وَتَشْتٰکِیْ اِلٰی اللّٰہِ، وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ تَخٰوْرُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ۝

” اللہ نے اُس عورت کی بات سُن لی جو (اسے نبی) تم سے اپنے خیمہ کے بارے میں بحث اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا، بلاشبہ اللہ سُننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اُن کی بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنم دیا اور وہ مُسکر اور جھوٹ بات کہتے ہیں، اور بے شک اللہ معاف کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنے قول سے رجوع کرتے ہیں انہیں ہمبستری سے قبل ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس بات کا تمہیں نصیحت کی جاتی ہے، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ جو شخص غلام نہ پائے وہ اپنے حد سے دو مہینوں کے روزے رکھے، ہمبستری کرنے سے پہلے، اور جسے اس کی طاقت نہ ہو وہ ساڑھے مسکینہ کو

اَلَّذِیْنَ یُظاہِرُوْنَ مِنْکُمْ مِنْ نِّسَائِهِمْ مٰھُنَّ اُمَّھَاتُھُمْ، اِنْ اُمَّھَاتُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ ۝ وَلَذٰلِکَ اَنْہُمْ وَاَنْہُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا، وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِیْنَ یُظاہِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ یَمُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ۝ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّمْسَا، ذٰلِکُمْ تَوْعَدُوْنَ بِہٖ، وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ حٰییْرٌ ۝

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فِصْیَامَ شَہْرَہٖنِ مُنْتَابِعِیْنِ ۝ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّمْسَا، فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ

فَلَمَّا سَأَلْتُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْكُمْ لِمَ تَصَدَّقُونَ بِاللَّهِ قَدْ سَأَلْتُمُوهُ، وَتَذَكَّرْتُمُوهُ وَإِنَّكُمْ لَكُفْرًا بِهِ يَتَّبِعُونَ رُكُوعًا لِمَا كَفَرُوا بِهِ لَعَنَ اللَّهُ مَن كَانَ كَافِرًا
 عَدَاةً آلِ أَبِي سَهْلٍ ○ (مجادلہ) دذناک غلاب ہے :-

قرآن مجید نے جس بات کو منکر اور زور کہا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو ماں کہا جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو صریح عقل کے مطابق ہے۔ اس کے باوجود عرب میں یہ طریقہ عورت کو اپنے اور پر حرام کر لینے کا تھا۔ قرآن مجید نے اس طریقہ کو ممنوع نہیں قرار دیا، بلکہ مشروع طریقہ پر اسے باقی رکھا۔ اگلی آیات میں اس کے احکام بیان کئے اور ان سب کو حدود اللہ سے تعبیر کیا اور وَاتَّاتِ اللَّهُ لَعَفُورًا غَفُورًا سے یہ بات واضح کر دی کہ اس میں معصیت کا جو پہلو ہے اللہ اسے معاف کرتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ نے رجوع اور تلافی ماغات کا طریقہ بتایا اور وہ عورت جو عرب جاہلیت کے رواج کی رو سے حرام تھی، اللہ کے حکم سے اس کے حلال ہونے کا راستہ نکل آیا۔

صورت زیر بحث میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ عرب جاہلیت میں نہ طلاق کی کوئی حد تھی، نہ رجوع کرنے کے لئے طلاق کی کوئی تعداد تھی۔ اسلام نے طلاق اور رجوع دونوں کے احکام دیئے اور یہ بتایا کہ طلاق ایک مرتبہ میں ایک ہی دینا چاہئے۔ دو بار طلاق دینے تک رجعت کا حق باقی رہتا ہے اور تیسری بار طلاق دینے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ ایک بار میں تین طلاق دینا غیر مشروع اور معصیت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو شخص ایک بار میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع طریقہ اختیار کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ واقع ہوئی تو کتنی؟ اس کی عورت اس پر حرام ہوئی یا رجعت کی گنجائش باقی ہے؟

جہاں تک عرب جاہلیت کا سوال ہے، مرد کو اس کے بعد بھی رجعت کی گنجائش تھی اور قرآن نے بھی رجعت کو ختم اور عورت کو مرد پر اس وقت حرام قرار دیا ہے جبکہ وہ تیسری بار طلاق دینے کا مرتکب ہو چکا ہو۔ اس کے علاوہ طلاق کی کسی صورت میں عورت کو صراحتاً حرام قرار نہیں دیا اور نہ رجعت کے طریقہ کو منسوخ کیا۔ جو لوگ ایک بار کی تین طلاق کو طلاق منغلظہ یا نہ قرار دیتے ہیں، ان سے سوال یہ ہے کہ ان کے اس فتویٰ کا ماخذ کیا ہے؟ ہمارا کہنا یہ ہے کہ

یہ حکم کم از کم قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ظہار کی مثال دینا صحیح نہیں ہے۔ ظہار کے قول منکر و نکر ہونے کے باوجود عرب جاہلیت کی رکاؤٹوں کو اللہ نے دُور فرمادیا اور حرام عورت کو حلال کرنے کا طریقہ اہل ایمان کو بتایا۔ مگر یہ حضرات طلاق کے سلسلہ میں اُس سہولت کو جو قبل از اسلام لوگوں کو حاصل تھی اور جسے قرآن نے ختم نہیں کیا، ختم کرنا چاہتے ہیں اور ظہار کی مثال دیتے ہیں۔

امام ابو بکر جصاص نے ارتداد کی مثال اس سلسلہ میں دی ہے۔ یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے۔ کمرہ کی عورت اس لئے اُس سے جدا ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور ایک سلسلہ غیر مسلم کے عقد میں نہیں رہ سکتی۔ ارتداد کی کوئی خاص شکل اسلام نے مشروع نہیں کی ہے کہ غیر مشروع شکل اختیار کرنے کی صورت میں کوئی سوال پیدا ہو۔ یہاں بالکل دوسری بات ہے۔ ایک مسلمان کے عقد میں ایک مسلمان عورت ہے۔ اُس نے اسے غیر مشروع طریقہ پر تین طلاقیں دیں۔ گناہ ہونے سے قطع نظر یہ سوال بہر حال پیدا ہو گا کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور ہوئی تو اس کی بیوی اُس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی یا رجعت کی گنجائش باقی ہے۔ یہ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ قرآن میں تین بار طلاق دینے اور اُس کے بعد بیوی کے حرام ہونے کا ذکر ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دینے کا۔ اس کے برعکس مسلمان عورت غیر مسلم کے عقد میں نہیں رہ سکتی۔ یہ بات کتاب سنت سے صراحتاً ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔

آخر میں امام ابو بکر جصاص نے وَلَا تَنْكِحُوا مَنِّمَٰنًا اَلَّذِيْنَ اٰتٰنَا سَعٰی جَوٰسِدًا لِّاَلْحٰبِیِّہِ

وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْتُمْ اَجَلَہُمْ فَ لَا تَنْكِحُوہُنَّ یَعْرُوٰنَ اَوْ سَبَّرُوہُنَّ یَعْرُوٰنَ وَلَا تَنْكِحُوہُنَّ حَتّٰی یَاْتُوہُنَّ بِاٰیٰتِنَا اَلَّذِیْنَ اٰتٰنَا سَعٰی جَوٰسِدًا لِّاَلْحٰبِیِّہِ
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت تک کو پہنچنے لگیں تو انہیں عروہ طریقہ پر دوک لڑیا معروف طریقہ پر چھوڑ دو اور انہیں نقصان پہنچانے کی نیت سے دوک نہ کر کہ اس طرح تم تعدی کے مرتکب ہو اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے اور ظلم کیا اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ اور اللہ کے احسانات کو اور اس بات کو یاد کرو کہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی

وَالْحِكْمَةَ، يَعِظُكُمْ فِيهَا وَيُعَلِّمُكُمُهَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ
 اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
 جس سے وہ تہیں نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور
 جان لو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

”فَاَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ“ سے واضح طور پر ایسا کہ بالقرآن مراد ہے جس سے یہ واضح
 ہوتا ہے کہ یہ گناہ ضروری ہے، مگر مرد کے اختیار میں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے اور عورت کو ضرر
 پہنچانے کے لئے اُس سے رجوع کر لے تو قانوناً اُسے اس حرکت سے روکا نہیں جاسکتا۔ وہ
 رجوع کر سکے گا۔ البتہ اُس سے دینی و اخلاقی اپیل کی جاسکتی ہے اور وہ قرآن نے کی ہے۔
 ہاں! عورت کو اس شخص سے نکلنے کے لئے اسلام نے دوسرے قانونی طریقے فراہم کئے
 ہیں۔ مثلاً خلع اور فسخ نکاح کا طریقہ۔

ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا مسئلہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ یقیناً
 ایک شخص ایک مجلس میں تین کیا، ہزار طلاقیں دے سکتا ہے، لیکن کیا یہ سب طلاقیں واقع
 ہو جائیں گی؟ تین سے زیادہ طلاق واقع ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا
 جاسکتا ہے کہ ایک بار میں ایک سے زائد طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ ایسا کرنا غیر مشروع ہے۔
 اسی طرح یہ سوال بھی باقی رہ جاتا ہے کہ اس صورت میں اُس کی عورت اُس کے لئے حرام ہوئی یا
 نہیں؟

اس سلسلہ کی ایک دلچسپ بات سن لیجئے۔ امام ابو بکر جصاص نے طلّقوہن
 لعنة تهنّ والی آیت میں فقہاء ظلم نفساً سے یہ مراد لیا ہے کہ اُس نے تین طلاق ایک بار میں
 دے کر اپنے آپ کو اپنی بیوی سے محروم کر لیا اور اس طرح اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ یہی الفاظ
 عورت کو نقصان پہنچانے کی غرض سے روکنے کے سلسلہ میں بھی آئے ہیں، لیکن اس صورت
 میں نہ عورت اُس کے لئے حرام ہوئی اور نہ اسے اور کوئی دُنیوی نقصان پہنچا۔ جو کچھ نقصان
 ہوا عورت کو ہوا۔ ہاں! مرد کی عاقبت خراب ہوئی۔ حالانکہ امام ابو بکر جصاص کی رائے کی رو
 سے اُسے کوئی دُنیوی اور قانونی نقصان پہنچنا چاہئے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں
 میں فقہاء ظلم نفساً سے گناہ اور اُس کے عواقب مراد ہیں، نہ کہ کوئی قانونی حکم۔

امام ابو بکر بن عربی مابکی " احکام القرآن " میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے تحت

چار اقوال نقل فرماتے ہیں۔

المسئلة الرابعة أن هذه الآية عرف فيها الطلاق بالألف واللام واختلف الناس في تأويل التعريف على أربعة أقوال الأول، معناه الطلاق المشروع مرتان فما جاء على غيرهما فليس بمشروع. يروى عن المجتاج بن أريطاة - والرافضة قالوا لأن النبي صلى الله عليه وسلم إنما بعث لبين الشرح فما جاء على غير فليس بمشروع - الثاني، معناه الطلاق الذي فيه الرجعة مرتان وذلك لأن الجاهلية كانت تطلق وتترد أبداً، فبين الله تعالى أن الترد في طلقتين بدليل قوله تعالى "فإنسأك بمعروف أو تسرح بإحسان" الثالث، إن معناه الطلاق المسنون مرتان، قاله مالك - الرابع، معناه الطلاق الجائز مرتان، قاله أبو حنيفة فأما من قال إن معناه الطلاق المشروع فصحيح، لكن الشرع يتضمن الفرض والسنة والمجاز والمحرّم فيكون المعنى يكونه مشروعاً أحداً أو كلياً المشروع الثلاثة المتقدمة و هو المسنون، وقد كُتِبَ القول بأن غير

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ طلاق پر تعریف کا الف ولام داخل ہے اور لوگوں سے اس لام تعریف کی تفسیر میں چار مختلف اقوال منقول ہیں۔ پہلا قول۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق مشروع دوبارہ ہے۔ تو جو طلاق اس طریق پر نہ ہو وہ غیر مشروع ہے۔ یہ قول مجتاج بن اریطاة سے مروی ہے۔ اور روافض کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں تو جو طلاق اس سے مختلف طریق پر ہو وہ مشروع نہیں ہے۔ دوسرا قول۔ وہ طلاق جس میں رجعت کی گنجائش ہے، دوبارہ ہے۔ یہ اس لئے کہ جاہلیت میں لوگ طلاق دیتے اور رجوع کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ رجوع صرف دو طلاقوں میں ہے۔ فإنسأک بمعروف أو تسرح بإحسان۔ تیسرا قول۔ آیت کے معنی ہیں، طلاق مسنون دوبارہ ہے یہ امام مالک کا قول ہے۔ چوتھا قول۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق جائز دوبارہ ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے تو جن لوگوں نے یہ کہا کہ آیت کے معنی ہیں طلاق مشروع۔ انہوں نے صحیح کہا۔ لیکن شرع فرض، سنت، جائز اور حرام سب پر مشتمل ہے۔ تو یہاں اس کے مشروع ہونے کے معنی شروع کے تین اقسام مشروع۔ فرض، سنت اور جائز ہیں۔ اور یہی مسنون ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے ماسواطلاق مشروع نہیں ہے، مگر

لیس بشروع لولا تظاہر لأخبار والاثار، اخبار آثار اور امت کے اجماع کا اس پر اتفاق نہ ہوتا
 انعقاد الإجماع من الأکثر بآن من طلق کہ جس نے دو یا تین طلاقیں دیں وہ اس کے لئے
 طلقین أن لا شأن ذلك لازماً۔ لازم (واقع) ہو جائیں گی =

گویا امام ابو بکر بن عمرؓ نے تسلیم کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاق مطلقہ
 بانہ ہونے کا مسئلہ احادیث، آثار صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے قرآن مجید کا
 نسخ تو اس کے خلاف ہی ہے۔

علامہ محمود آلوسی حنفیؒ روح المعانی میں اس آیت کے تحت تین قول رکھتے ہیں۔
 پہلے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

وهذا يدل على أن معنى مَرَّتَانِ "اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتان کے معنی اثنان
 اثنان، وهذا هو الذي حمل عليه (دو) کے ہیں۔ اور شرافع نے آیت کو اسی مفہوم پر محمول کیا
 الشافعية الآية ولعله أليق بالنظم۔ ہے اور شاید یہ بات نظر آیات کے زیادہ مطابق ہے۔"

دوسرے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

وحملوا الآية على أن المراد التطلق وحملوا الآية على أن المراد التطلق
 الشرعي تطلقاً بعد تطلقاً على التفريق الشرعي تطلقاً بعد تطلقاً على التفريق
 لما أن وظيفة الشارع بيان الأمور لما أن وظيفة الشارع بيان الأمور
 الشرعية واللهم ليست نصاً في العهد الشرعية واللهم ليست نصاً في العهد
 بل الظاهر منها الجنس وإيضاً تقييد بل الظاهر منها الجنس وإيضاً تقييد
 الطلاق بالزوجي يدي ذكراً ورجعة الطلاق بالزوجي يدي ذكراً ورجعة
 بقوله سبحانه "فَمَا سَأَلْتُمْ بِمَعْرُوفٍ تَكَرَّرَ بقوله سبحانه "فَمَا سَأَلْتُمْ بِمَعْرُوفٍ تَكَرَّرَ
 - وإيضاً لا يعلم على ذلك الوجه حكم - وإيضاً لا يعلم على ذلك الوجه حكم
 الطلاق الواحد إلا به دلالة التنصيص الطلاق الواحد إلا به دلالة التنصيص
 وهذا الوجه مع كونه أبعد عن توهم وهذا الوجه مع كونه أبعد عن توهم
 التكرار ودلالة على حكم الطلاق الواحد التكرار ودلالة على حكم الطلاق الواحد

"اور انہوں نے آیت کو اس مفہوم پر محمول کیا کہ شرعی
 طلاق، طلاق کے بعد طلاق ہے تفریق کے ساتھ۔
 اس لئے کہ شارع کا کام یہ ہے کہ وہ امور شرعیہ کو بیان
 کرے۔ اور یہ بات ہرگز نہیں ہے یہاں لام تعریف
 عہد کے لئے ہے بلکہ بظاہر وہ جس ہی کے لئے ہے۔ یہ
 کے علاوہ طلاق کے ساتھ زوجی کی قید لگادی جائے تو قائم
 بمعرفہ کے الفاظ کے ساتھ رجعت کے تذکرہ سے تکرار
 لازم آئے گی۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یہ مفہوم یعنی صورت
 میں ایک طلاق کا حکم نہیں معلوم ہوگا مگر دلالت النص سے
 لیکن (طلاق زوجی کے بجائے) طلاق شرعی لینے کی صورت میں
 آیت تکرار کے واہم سے تعدد ہوگی اور ایک طلاق کا حکم

بإعادة يفيد حكماً إذاً وهو التفريق ودلالة الآية حيث نزلت على ما ذهبوا إليه ظاهرة إذا كان معنى مرتين مجرد التكرير دون التثنية على حدّ "ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ" أي كرتاً بعد كرتة لا كرتين ثنتين إلا أنه يلزم منه إخراج التثنية عن معناها الظاهر، وكذا إخراج الفاء أيضاً وجعل ما بعد ها حكماً مبتدأً و تخييراً مطلقاً عقيب تعليمهم كيفية التطلاق، وليس مرتباً على الأول ضرورة أن التفريق المطلق لا يترتب عليه أحد الأمرين لأدّة إذا كان بالثلاث لا يجوز بعده الإمساك ولا التسريح وتحمّل الفاء حينئذٍ على الترتيب الذي ذكرنا أي إذا علمتم كيفية الطلاق فاعلموا أن حكمه الإمساك أو التسريح، فالإمساك في الترجعي والتسريح في غيرہ۔

لیکن اس قول کو اختیار کرنے کی صورت میں "فَإِنْ طَلَّقَهَا" کا ربط کہاں سے ہوگا اور جب "مَرَّتَيْنِ" میں تثنیہ کا مفہوم ہے ہی نہیں تو "فَإِنْ طَلَّقَهَا" سے یہ مفہوم کیسے نکل آئے گا کہ تیسری بار طلاق کے بعد عورت حلال نہیں رہتی۔

تیسرے قول کا، جسے وہ راجح قرار دیتے ہیں، ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
وإذا كان معنى مرتين. التفريق مع التثنية كما قال بها المحققون بناءً

عبارة النص سے معلوم ہوگا اور اس سے ایک مرتبہ تک معلوم ہوگا یعنی یہ کہ طلاق ایک انگ دی جاوے جو حال ان اصحاب نے جو کچھ مراد لیا ہے اس پر آیت کی دلالت ظاہر و باہر ہے بشرطیکہ مرتب سے تکرار کا مفہوم لیا جائے تثنیہ مراد نہ لیا جاوے جیسے آیت "ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ" میں "كَرَّتَيْنِ" کے معنی تکرار بعد تکرار دیواریاں کے ہیں نہ کہ دیوار کے۔ لیکن اس صورت میں تثنیہ کو اس کے ظاہری مفہوم سے نکالنا ہوگا اور اس سے اس طرح فائدہ کو بھی اور اس کے مابعد کو ایک نیا حکم ماننا ہوگا یعنی طلاق کی کیفیت کی تعلیم کے بعد مطلق اختیار دیا گیا ہے کہ رجعت کا سبب پھر دیا جاوے اور یہ حکم پہلے حکم پر مرتب نہیں ہے کیونکہ مطلق تفریق پر (بعض اوقات) دونوں میں سے کوئی ایک امر مرتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ تین طلاق کے بعد تفریق کی صورت میں اس کے بعد روکنا جائز نہیں ہے اور نہ پھر ڈرنا ہے۔ اور اس صورت میں قلم کو ذکر کی ترتیب پر محمول کرنا ہوگا یعنی جب تم نے طلاق کی کیفیت جان لی تو جان لو کہ اس کا حکم روک لینا ہے یا پھر ڈر لینا ہے۔ روک لینا جس میں طلاق کی صورت میں اور پھر ڈر لینا غیر صحیح کی صورت میں۔

"اور مرتب" کے معنی تفریق مع تثنیہ کے ہیں جیسا کہ محققین نے کہا ہے اس وجہ سے کہ یہ لفظ

علیٰ اِنَّ حَقِیْقَةَ فِی الثَّانِی ظَاهِرٌ فِی الْاَوَّلِ
 اِذْ لَا یُقَالُ لِمَنْ دَفَعَ اِلٰی اٰخِرٍ دَرَهْمِیْنَ
 مَرَّةً وَاحِدَةً اِنَّهُ اَعْطَاهُ مَرَّتَیْنِ حَتّٰی
 یَفْرُقَ بَیْنَهُمَا، وَكَذَا لِمَنْ طَلَّقَ زَوْجَتَهُ
 ثَلَاثَیْنِ دَفْعَةً اِنَّهُ طَلَّقَ مَرَّتَیْنِ، اِنْ دَفَعَ
 حَدِیْثَ اَرْكَابٍ خِلَافَ الظَّاهِرِ فِی التَّثْنِیَّةِ
 كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ، وَفِی مَا بَعْدَهَا اِیضًا
 لَصَحَّةِ التَّرْتِیْبِ، وَیَكُوْنُ عَدَمُ جَوَازِ
 الْجَمْعِ بَیْنَ التَّطْلِیْقَتَیْنِ مُسْتَفَادًا مِنْ مَرَّتَاوِ
 الذَّالَّةِ عَلٰی التَّفْرِیْقِ وَالتَّثْنِیَّةِ وَعَدَمُ
 جَوَازِ الْجَمْعِ بَیْنَ الثَّلَاثَةِ مُسْتَفَادًا مِنْ
 قَوْلِهِ بِسْمِحَانَةٍ "اَوْ تَسْرِیْحٍ" حَيْثُ سَأَلَتْ
 عَلٰی مَا قَبْلَهُ بِالْفَاءِ، قِیْلَ اِنَّهُ مُسْتَفَادٌ
 مِنْ دَلَالَةِ النَّصِّ -

حقیقت ہے دوسرے معنی میں، ظاہر ہے پہلے معنی میں۔
 کیونکہ جو شخص کسی کو ایک بار میں دو درہم دے، اُس کے
 بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس نے اسے دو بار دیا ہے
 جب تک الگ الگ دو دفعہ نہ دے۔ اسی طرح جو شخص
 اپنی بیوی کو ایک بار میں دو طلاق دے اُس کے بارے میں یہ بھی
 کہا جاسکتا کہ اُس نے دو بار طلاق دی۔ اس صورت میں یہ اقراض
 ختم ہو جائے گا کہ اس مفہوم کے لینے میں تثنیہ کے ظاہری معنی کے
 خلاف انکاب کیا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور اس کے بعد کے
 سلسلہ میں بھی اقراض ختم ہو جائے گا، کیونکہ لفظ احکام صحیح طور پر اس پر
 مرتب ہو سکیں گے۔ اور دو طلاقوں کو جمع کرنے کا حکم جواز مرتب
 سے مستفاد ہوگا جو تفریق اور تثنیہ دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح
 کو جمع کرنے کا حکم جواز اور تثنیہ سے مستفاد ہوگا، کیونکہ یہ
 ما قبل پر فلاو کے ساتھ مرتب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ
 دلالت النص سے مستفاد ہے۔

اس کے بعد علامہ آلوسیؒ ایک مجلس میں تین طلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
 "پھر جو لوگ الگ الگ طلاق دینے کو واجب قرار دیتے ہیں
 اُن کی رائے یہ ہے کہ اگر اُس نے تفریق کے بغیر تینوں طلاقیں
 دے دیں تو سب واقع ہو جائیں گی، مگر وہ گنہگار ہوگا۔ ثنیہ اور
 بعض اہل سنت مثلاً شیخ احمد بن تیمیہ اور اُن کی پیروی کرنے
 والوں نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ
 اگر ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں تو صرف ایک طلاق واقع
 ہوگی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے
 اور اعلان کی شہادتوں اور دمی جمرات پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ اگر

ثُمَّ مِنْ اَوْ جِبِ التَّفْرِیْقِ ذَهَبَ اِلٰی اِنَّهُ
 لَوْ طَلَّقَ غَیْرَ مَفْرُقٍ وَقَعَ طَلَاْقُهُ وَكَانَ
 عَاصِیًا وَخَالَفَ ذٰلِكَ الْاِمْاْمِیَّةُ وَبَعْضُ
 مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ كَالشَّیْخِ اَحْمَدَ بْنِ تَیْمِیَّةٍ وَ
 مَنْ اتَّبَعَهُ قَالُوْا لَوْ طَلَّقَ ثَلَاثًا بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ
 لَا یَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ اِحْتِجَابًا بِهَذِهِ الْاٰیَةِ وَ
 قِیَاسًا عَلٰی شَهَادَاتِ الْبَعَانِ وَرَمَحِ
 الْجَمْرَاتِ فَاِنَّهُ لَوْ اَتَى بِالْاَرْبَعِ بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ

لا تَعْدِلْ لَهُ أَرْبَعًا بِالْإِجْمَاعِ كَذَا لَوْ رَوَى
 بِسَبْعِ حَصِيَّاتٍ دَفْعَةً وَاحِدَةً لَمْ يَجْزِهِ
 إِجْمَاعًا وَمِثْلُ ذَلِكَ لَوْ حَلَفَ لِيُصَلِّيَنَّ
 عَلَيَّ الْقَبْرِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْفَ مَرَّةٍ
 فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ بِنَاءً أَمَّا الْمِيَّاتُ
 بِإِحَادٍ أَلْفٍ -

بعان میں ایک ہی لفظ سے چار گواہیاں دے تو اس پر
 اجماع ہے کہ وہ چار شمار نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر اس نے
 سات کنکریاں ایک ہی بار میں پھینکیں تو اس پر اجماع ہے کہ وہ
 کافی نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر اس نے قسم کھائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 پر ہزار بار درود بھیجے گا تو جب تک وہ ہزار بار درود نہ بھیجے
 اس کی قسم پوری نہ ہوگی۔

اگے علامہ آلوسی نے اُن احادیث کو نقل کیا ہے جن سے ایک مجلس میں تین
 طلاق کے ایک ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید سے استدلال کا
 جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

والجواب عن الإحتجاج بالآية أنها كما
 علمت ليست نصاً في المقصود -

اور آیت سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ تم کو معلوم
 ہے، یہ اس مفہوم میں صریح نہیں ہے۔

لیکن اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ یہ آیت اس کے مخالف مسلک
 کے لئے بھی صریح نہیں ہے، بلکہ جہاں تک آیت سے استنباط کا تعلق ہے، آیت کا وزن اُن
 لوگوں کے حق میں پڑنا نظر آتا ہے جو ایک مجلس میں تین طلاق کے بعد عورت کو حرام قرار نہیں
 دیتے۔ کیونکہ جیسا کہ علامہ آلوسی نے کہا ہے۔ اور امام ابو بکر جصاص نے بھی یہی بات
 کہی ہے۔ محققین کی تشریح کے مطابق ایک بار میں تین طلاق، تین بار طلاق نہیں ہوتی،
 اور قرآن مجید میں عورت کے حرام ہونے کا حکم تین بار طلاق دینے پر دیا گیا ہے، نہ کہ
 ایک بار میں تین طلاق پر۔

علامہ آلوسی نے بعان کی شہادتوں، رمی جمرات اور صلوة علی النبی کی مثالوں
 کا جواب بھی دیا ہے، مگر ان مثالوں کا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز علامہ کے جواب
 میں کوئی جان بھی نہیں ہے، اس لئے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

یہ ہیں ان آیات سے متعلق اہم مفسرین کی تصریحات اور دوسرے حنفی مفسرین نے بھی
 عام طور سے یہی کہا ہے کہ "الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ" کا مفہوم الگ الگ دو بار طلاق ہے نہ کہ یکجا دو طلاق۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیت میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلظہ بانئہ پڑ جاتی ہے۔ ہاں، آیت سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ایک استنباط یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کو تین بار طلاق پر قیاس کیا جائے اور عورت کی حرمت کے حق میں فتویٰ دیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس دوسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ چونکہ طلاق تین بار نہیں دی گئی ہے اس لئے آیت کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا اور حق رجعت باقی رہتا ہے۔ یہ رائے آیت کے مفہوم سے، خصوصاً جس طرح اس کی تشریح علامہ زعشریؒ اور حنفی محققین نے کی ہے، زیادہ قریب اور زیادہ صحیح محسوس ہوتی ہے۔

بہر حال یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید کی آیات ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بارے میں خاموش ہیں۔ ہاں، احادیث سے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے آئیے احادیث کی طرف رجوع کریں۔

أَحَادِيثُ

جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلظہ بانئہ پڑ جاتی ہے ان میں سے نسبتاً قوی روایات حسب ذیل ہیں:-

۱۔ عن الحسن قال حدثنا عبد الله بن عمرو أنہ طلق امرأته تطليقة و هي حائض ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين
عنه القميين فبلغ ذلك رسول الله فقال يا بن عم ما هكذا أمرك الله إنك أخطأت السنة والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق بكل قرء
وقال فأمرني رسول الله فراجعها

حسن سے مروی ہے کہ ہم سے عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی پھر ارادہ کیا کہ دو حیضوں کے وقت انہیں دو طلاقیں اور دینے اس بات کی خبر رسول اللہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ، ابن عمر! اللہ نے تمہیں اس طوح حکم نہیں دیا تھا۔ تم نے سنت کی خلاف ورزی کی۔ سنت یہ ہے کہ تم طہر کا انتظار کرو اور ہر طہر میں ایک طلاق دو تو مجھے رسول اللہ نے حکم دیا اور میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا

شم قال إذا هي طهرت فطلق عند
 ذلك أو أمسك فقلت يا رسول الله لو
 كنت طلقتهما تلافياً كان لي أن أراجعها
 قال لا كانت تبين وتكون معصية -
 پھر آپ نے فرمایا جب وہ پاک ہو جائے تو اس وقت
 طلاق دیا روک لو میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! اگر
 میں اسے تین طلاق دے رہتا تو کیا میں اس سے رُجم
 کر سکتا تھا۔ فرمایا، نہیں، وہ جدا ہو جاتی اور گناہ ہوتا ہے۔
 (بیہقی، داؤطنی، طبرانی)

اس حدیث کے آخری ٹکڑے سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ ایک مجلس
 میں تین طلاقیں دینے سے طلاق منقطع بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اگرچہ یہ ٹکڑا اس مفہوم میں
 صریح نہیں ہے۔ طلقہا تلافياً کا مفہوم تین بار طلاق بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ
 بعض دوسری احادیث کی روایات میں یہی مفہوم ہے۔ پوری حدیث کو سامنے رکھ کر جو
 مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر حالت حیض میں ایک یا دو طلاق دی جائے تو رجوع
 کا حق باقی رہتا ہے، لیکن اگر تین بار طلاق دے دی جائے تو حق رجعت باقی نہیں
 رہتا البتہ حالت حیض میں طلاق دینے کا گناہ باقی رہے گا۔

بہر حال اس ٹکڑے کے مجمل الفاظ سے استدلال کیا جاسکتا ہے، لیکن
 یہی آخری ٹکڑا جس پر استدلال کا دار و مدار ہے، سب روایتوں میں نہیں ہے۔
 بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس ٹکڑے کے راوی صرف
 شعیب ہیں اور ان کے سلسلہ میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ یہی نہیں، تفسیر قرطبی میں
 اس کے برعکس یہ روایت موجود ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس
 میں تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ
 تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوئی۔ (تفسیر قرطبی، جلد سوم صفحہ ۱۲۹)

پھر زین بن شعیب یا شعیب بن رزین کے علاوہ جنہیں محدثین نے
 ضعیف قرار دیا ہے، اس حدیث کی سند میں عطاء خراسانی بھی ہیں جنہیں امام بخاری،
 شعبہ اور ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے۔ علاوہ سعید بن مسیب نے انہیں جھوٹا بتایا
 ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ روایت اس طرح آتی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر أنَّه طلق امرأته
 وهى حائض على عهد رسول الله صلى الله
 عليه وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول الله
 صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله
 عليه وسلم مَرَّةٌ فَلْيُرْجِعْهَا تَمْ لِيْمَسْكَمَا
 حَتَّى تَطَهَّرَتْ تَمْ تَحِيضٌ تَمْ تَطَهَّرَتْ تَمْ إِنْ شَاءَ
 أَمْسَكَ بَعْدُ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ
 يُمْسِكَ فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ
 أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ۔

عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض
 کی حالت میں طلاق دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
 دور میں۔ تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 سے اس سلسلہ میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، انہیں حکم
 ردوہ رُجوع کر لیں، پھر اسے روک رکھیں یہاں تک کہ
 پاک ہو جائے، پھر حائض ہو، پھر پاک ہو جائے، پھر اگر
 چاہیں تو روک لیں اور چاہیں تو ہم بستر ہونے سے پہلے
 طلاق دے دیں تو یہ ہے وہ عدت جس کے سلسلہ میں اللہ نے
 فرمایا ہے کہ اس کے وقت طلاق دی جائے :-

(بخاری، کتاب الطلاق)

اس روایت میں مزید ایک طہر کے انتظار کا ارشاد اس لئے ہے کہ طلاق کا فیصلہ
 ٹل جائے یا حالت حیض میں طلاق دینے کی سزا کے طور پر ہے۔ بہر حال اس روایت میں وہ
 آخری ٹکڑا انہیں ہے جس سے استدلال کیا گیا تھا۔ البتہ صحیح مسلم میں اس کے بعد
 اتنا اور ہے۔

وزاد ابن رُحیح فی روایتہ وكان عبد اللہ
 واذا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ قَالَ لِأَحَدِهِمْ إِنْ
 طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي
 بِهَذَا وَإِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ
 حَرَمْتَ عَلَيْكَ حَتَّى تَنْكَحَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَ
 عَصَيْتَ اللَّهَ فِيمَا أَمَرَكَ مِنْ طَلْقِ امْرَأَتِكَ
 صحیح مسلم کی ایک روایت میں مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ کے بجائے وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ
 بھی ہے۔ صحیح مسلم کی یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ لیکن اس اضافہ میں عبداللہ بن عمر کا

اور ابن ریح نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ اور کیا ہے اور عبداللہ
 بن عمر سے جب اس سلسلہ میں سوال کیا جاتا تو وہ سائل سے فرماتے
 اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بار طلاق دی ہے تو یہ نہ ضرورت
 ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس
 رجعت) کا حکم دیا ہے لیکن اگر تم نے تین طلاقیں دے دیں تو
 تم پر بیوی حرام ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے اور
 تم نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلہ میں اللہ کی نافرمانی کی :-

اپنا فتویٰ ہے، نہ کہ حدیث رسول۔ پھر یہ مکرڑا بھی ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے لئے صریح نہیں ہے۔ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا سے تین بار طلاق مُرَاد ہو سکتی ہے اور عَصِيَّتِ اللّٰهِ کا تعلق حالتِ حیض میں طلاق دینے سے ہو سکتا ہے اور اسی صورت میں یہ مکرڑا اوپر سے صحیح طور پر چسڑتا ہے۔

۲۔ عن سہل بن سعدٍ أنّ عُمیرَ العجلانیّ • سہل بن سعد سے مروی ہے کہ عُمیرِ عجلانی نے رسول اللہ بعد أن لآعن زوجته أمّام رسول اللہ کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کرنے کے بعد کہا، اگر میں نے اسے روکے رکھا تو اس پر اسے اللہ کے رسول! جھوٹ بانہا۔ تو رسول اللہ کے حکم دینے سے قبل انہوں نے رسول اللہ بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

یہ حدیث صحیح بخاری اور دوسری مستند کتب احادیث میں ہے اور سب میں یہ بات مشترک ہے کہ عُمیرِ عجلانی نے لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں اور کسی روایت میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ آپ نے عُمیرِ عجلانی پر اس سلسلہ میں کوئی تنقید کی ہو۔

لیکن اس روایت سے مسئلہ زیر بحث پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ عُمیرِ عجلانی کی بیوی لعان کے بعد اُن کے پاس رہ نہ سکتی تھی، دونوں میں جدالی مُقَدَّر تھی۔ اس لئے طلاق ایک ہویا تین، سب بے ضرورت تھیں۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عُمیرِ عجلانی کو لوگوں کا کیوں نہیں تو علامہ سرخسی نے مبسوط میں اس کے دو جواب دیئے ہیں:-
 ۱۔ اِنَّمَا تَرَكَ الْاِنْكَارَ عَلَى الْعَجَلَانِي فِي الْوَقْتِ • رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت عُمیرِ عجلانی کو لوگوں کا شفقةً عليه لعنه اِنَّهُ بِشَدَّةِ الْغَضَبِ رِيَا نہیں، یہ بات شفقت کی بنا پر تھی، کیونکہ قدرت غضب کی بنا لا يقبل قوله فيكفر، فأخرا الانكار إلى پورے آپ کی بات شاید قبول نہ کر پاتے اور کافر ہو جاتے۔ وقتٍ اُخْرٍ اذْكَرَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِ فَلَا سَبِيلَ اس لئے حضور نے دوسرے مناسب وقت کے لئے لڑنے کو مؤخر

لے فقہاء کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ تفرق کے لئے لعان کافی ہے یا قصائے قاضی کے بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ بہر حال یہ طے ہے کہ لعان کے بعد طلاق کی ضرورت نہیں ہے۔ لعان کے نتیجے میں قصائے قاضی سے یا اس کے بغیر دونوں جدا ہو جائیں گے۔

لك عليها أو كراهة إيقاع الثلاث كرويا اور تانفراديا كرتھے اس پر (اب) کوئی اختیار نہیں ہے۔
 لسا فيه من سدة باب التلافي من غير ياب بات ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا اس لئے مکروہ ہے
 حاجة و ذالك غير موجود في حق العجلائی کہ تلافی کا دروازہ بلا ضرورت بند ہونا ہے اور عجلانی کے کہیں
 لأن باب التلافي بين المتلاعنين منسدة میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ کیونکہ لعان کرنے والے
 ماداماً مسترین علی اللعان والعجلائی جب لعان پر مضر ہوں تو تلافی کا دروازہ بند ہوتا ہے اور
 كان مضمراً علی اللعان۔ عجلانی لعان پر مضر تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فیض الباریؒ میں اس حدیث پر بحث کی ہے اور
 علامہ سرخسیؒ کے جوابات کے علاوہ اور بھی جواب دیئے ہیں۔ ان کا پہلا جواب یہ ہے :-
 أقلاً فإن التتابق بين الحكاية والمحكى پہلا جواب یہ ہے کہ صورت واقعہ اور اس کے بیان کے
 عنه في الصفة ليس بضروري يمكن درمیان صفت واقعہ میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔ یہ ہو
 أن تطلقها في الخارج متفقاً واعتبر سکتا ہے کہ عجلانی نے تین طلاقیں الگ الگ دی ہوں اور
 عنه التواوي ثلاثاً أخذاً بالحاصل راوی نے بطور حاصل کے انہیں تین کہہ دیا ہو، اور
 ولا بعد فيه۔ اس میں کوئی بعد نہیں ہے۔

علامہ انور شاہؒ کے اس جواب سے بہت سی متعلقہ احادیث کو صحیح طور پر
 سمجھا جاسکتا ہے۔

ان جوابات سے قطع نظر حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ ایک مجلس
 میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلظہ یا نثہ پڑ جاتی ہے، کہ وہ اس مسئلہ میں حجت بن سکتے۔
 صرف تین طلاق دینے کا ذکر ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ عموماً عجلانی اور ان کی بیوی کے درمیان
 تفریق لعان کی بنیاد پر ہوئی، نہ کہ طلاق کی بنیاد پر۔ یہ حدیث اگر حجت بن سکتی ہے تو
 صرف اس امر کی کہ ایک مجلس میں تین طلاق غیر مشروع اور بدعت نہیں ہے، جیسا کہ امام
 شافعیؒ کا مسلک ہے۔ جمہور اس کے برعکس ایک مجلس میں تین طلاق کو غیر مشروع
 اور بدعت قرار دیتے ہیں، ماوراء علامہ سرخسیؒ اور علامہ انور شاہؒ نے اپنی کی طرف سے
 جوابات دیئے ہیں۔

۳۔ عن محمود بن لبید قال أخبر رسول الله عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقام غضبان ثم قال أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم حتى قام رجل فقال يا رسول الله ألا أقتله وفي بعض الروايات وأمضاه عليه ولم يرده۔

”محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں تو آپ غصہ میں کھڑے ہو گئے پھر فرمایا، کیا اللہ کی کتاب سے کھیل کیا جا رہا ہے جبکہ میں ابھی تمہارا درمیان موجود ہوں۔ ایک آدمی نے اٹھ کر کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل نہ کروں؟ اور جن روایات میں ہے کہ آپ نے (تینوں) طلاق جاری کر دیں، انہیں کوٹایا نہیں۔“

لیکن بعض روایات کا یہ ٹکڑا، جو محل استدلال ہے، ثابت نہیں ہے۔ علاوہ انہی محمود بن لبید، عہد نبوی میں پیدا ہوئے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے۔

۴۔ عن عبادة بن الصامت قال طلق جدی امرأة لئلا تطليقات فانطلق إلى رسول الله فذکر له ذلك فقال النبي صلی الله علیه وآله وسلم ما اتى الله جدهك أمّا ثلاثاً فله وأما سبع مائة وسبع وتسعون فعُدوانٌ وظلم إن شاء الله عدّابه وإن شاء عفر له۔

”عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو نہر طلاق میں توڑ دیا حضور کے پاس آئے اور انہوں نے (دادا کے) اس فعل کا ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تمہارے دادا نے خدا کا تعویٰ اختیار نہیں کیا، تین طلاقوں کا تو انہیں حق تھا، باقی رہیں نو سو ستانوے، تو وہ ظلم و عدوان ہیں۔ اللہ چاہے گا تو غدا بے گنا اور چاہے گا تو معاف فرمادے گا۔“

(مصنّف عبد الرزاق)

لیکن یہ روایت استدلالی ہے، اس کے کچھ راوی ضعیف ہیں اور کچھ مجہول۔ پھر یہ روایت درایہ بھی غلط ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کے والد کے اسلام پانے کے بارے میں بھی کوئی روایت موجود نہیں ہے، چہ جائیکہ ان کے دادا نے اسلام پایا ہو اور حالت اسلام میں طلاق دی ہو۔

۵۔ عن فاطمة بنت قيس قالت طلقني فاطمة بنت قيس سے مروی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے

زوجی ثلاثاً فلم يجعل لي رسول الله ﷺ حين طلقته من طلاقين دين تو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے (خبر
 علیہ وسلم سکنی و لا نفقة - (مسلم) کے ذمہ نہ جائے بل اُش رکھی اور نہ نفقہ ۵

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلطہ
 بائنہ پڑ جاتی ہے، کیونکہ طلاق رجعی پڑتی تو بہ اتفاق وہ نفقہ کی مستحق ہوتیں لیکن جیسا کہ
 صحیح بخاری صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو قبول نہیں کیا
 اور حضرت عمرؓ نے اس روایت کو سُن کر فرمایا :-

لانترک کتاب اللہ وسنة نبينا صلى الله عليه وسلم کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو
 علیہ وسلم لقول امرأة لا ندرى لعدها ایک عورت کے قول کی بنا پر نہیں پھوڑیں گے۔ ہر نہیں مہم
 حفظت أولسيت - لها السكنى والنفقة کہ اس عورت کو گھج یا یاد دہے یا وہ بھول گئی بطلتہ کو جائے
 قال الله عز وجل لا تخربوا وجوهكم من لاش اور نفقہ دونوں میں گے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا لا تخربوا
 بيوتهم ولا يخرجن إلا أن يأتين الایہ (انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا
 بفاحشة مبينة - یہ کہ وہ کھلا ہوا بے حیائی کا کام کریں)۔

(صحیح مسلم)

یوں بھی اس حدیث سے مسئلہ زیر بحث میں استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ
 ثلاثاً کا لفظ اس مفہوم میں صریح نہیں ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں جبکہ
 اس حدیث کی دوسری روایات میں اس کی صراحت موجود ہے کہ یہ تین طلاقیں مختلف اوقات
 میں دی تھیں :-

عَنْ ابْنِ شَهَابٍ أَنَّ ابَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابن شہاب سے مروی ہے کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف
 بن عوف اخبرته ان فاطمة بنت قيس نے انہیں بتایا کہ فاطمہ بنت قیس نے انہیں بتایا
 اخبرته انها كانت تحت عمر بن حفص کہ وہ عمرو بن حفص بن مغیرہ کی زوجیت میں تھیں تو انہوں نے
 بن المغيرة فطلقها اخر ثلاثا تطلقات۔ تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی :-

(مسلم)

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے :-

عبد الرحمن بن الزبير القزفي و إنما معناه مثل الهدية، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعليّ تريدين أن ترهقي إلى رفاعة. (لاحقاً) يذوق عُسَيْلَتَكَ وَتَذْرِقِي عُسَيْلَتِي۔

نکاح کیا اور اُن کے پاس پلو کی طرح (عضو) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شاید تم چاہتی ہو کہ رفاعة کے پاس لوٹ کر چلی جاؤ۔ نہیں، جب تک کہ وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لیں اور تم اُن کا مزہ نہ چکھ لو۔

(بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفاعة نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی، جیسے تین طلاق قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں رفاعة کی بیوی اُن پر حرام ہو گئی۔ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس استدلال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَأَسْتَدِلُّ بِقَوْلِهَا "بِتَّ طَلَاقِي" عَلَى أَنَّ الْبِتَّةَ ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ، وَهُوَ عَجَبٌ مِمَّنْ اسْتَدَلَّ بِهِ فَإِنَّ الْبِتَّةَ بِمَعْنَى الْقَطْعِ وَالْمُرَادُ بِهِ قَطْعُ الْعَصْمَةِ، وَهُوَ أَعْمٌ مِنْ أَنْ يَكُونَ بَانِثَلَاثَ مَجْمُوعَةً أَوْ بِوَجْهِ الثَّلَاثَةِ الَّتِي هِيَ الْخُرُوثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ۔ وَسَيَأْتِي فِي النَّبَاسِ صَرِيحًا أَنَّهُ طَلَّقَهَا أَمْرًا ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ فَبَطُلَ الْإِحْتِمَاجُ۔

اور رفاعة کی بیوی کے قول "بِتَّ طَلَاقِي" سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ بتہ تین طلاق ہیں۔ جس شخص نے بھی یہ استدلال کیا ہے اس کا استدلال عجیب ہے کیونکہ بت کے معنی قطع کے ہیں اور اس سے مراد قطع عصمت ہے اور وہ عام ہے اس بات سے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ ہوں یا تیسری طلاق، جو تین طلاقوں میں سے آخری ہو، واقع ہو۔ اور لباس کے بات میں ملاحظہ یہ بات آنے لگی کہ رفاعة نے اپنی بیوی کو آخری تیسری طلاق دی تھی، تو اس سے استدلال ختم ہو گیا۔

(فتح الباری، جلد ۵، صفحہ ۳۳)

حافظ ابن حجر نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صحیح بخاری کتاب الادب

میں اس طرح ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَبِتَّ طَلَّاقَهَا فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذَلِكَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ الزُّبَيْرِ فَجَاءَتْ النَّبِيَّ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رفاعة قرظی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور طلاق بتہ دی تو عبد الرحمن بن زبیر نے رفاعة کے بعد ان سے نکاح کر لیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اُس نے کہا، اے اللہ کے رسول! وہ

رفاعتہ فطلقہا آخر ثلاث تطلیقات
فتزوجہا بعدہ عبد الرحمن بن الزبیر۔ (الموتی)
رفاعتہ کے پاس تھی تو رفاعہ نے اسے تین طلاق میں آخری طلاق بتوی
تو اس عبد الرحمن بن زبیر نے اس کے بعد نکاح کر لیا :-

اس روایت میں پہلے "فبت طلاقہا" (طلاق بتدی) کہا۔ پھر اس کی تشریح
فطلقہا آخر ثلاث تطلیقات (تو اسے آخری تیسری طلاق دے دی) سے کر دی۔ معلوم ہوا کہ
اس حدیث کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں سب سے زیادہ صاف و صریح حدیث، حدیث رکانہ ہے۔
جسے ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے، اور وہ اس طرح ہے :-

عن رکانة أنه طلق امرأته البتة
فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم
فقال ما أردت، قال واحدة، قال
الله، قال الله، قال هو على ما أردت
وقال أبو داود وهذا أصح من حدیث
ابن جریج أن رکانة طلق امرأته
ثلاثاً، لا تعلم أهل بيته وهم أعلم به
وحدیث ابن جریج رواه عن بعض بنی
أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس -
"رکانہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتدی تو
وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے
پوچھا تمہاری نیت کیا تھی؟ کہا، ایک کی۔ فرمایا، جدا؟ کہا
بخدا! فرمایا، تو جیسی تمہاری نیت تھی ویسی ہی طلاق ہوگی۔
ابوداؤد نے کہا، یہ حدیث ابن جریج کی اس حدیث سے زیادہ
صحیح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں کیونکہ
یہ لوگ رکانہ کے گھروالے ہیں اور وہ ان کا حال زیادہ جانتے
ہیں، اور ابن جریج کی حدیث کو بعض بنی رافع نے عکرمة سے
اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے :-

حدیث ابن جریج جس کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے، ابوداؤد ہی میں اس طرح نقل
کی گئی ہے :-

عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد أبو
رکانة وراخوتہ أم رکانة ونكح امرأَةً
من مزنیة فجاہات البتة فقالت ما یعنی
عنی إلا كما تعنی هذه الشعرة الشعرة
أخذتها من رأسها ففرق بي وبيني
ابن عباس سے مروی ہے کہ رکانہ اور ان کے بھائیوں کے
باپ عبد زید نے رکانہ کی ماں کو طلاق دے دی اور مزنیہ کی
ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ تو وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
آئی اور کہا وہ میرے ذرا بھی کام نہیں آتا، مگر اتنا ہی جتنا یہ بال
اس بال کے اور اس نے اپنے سر کا ایک بال پکڑا۔ تو آپ مجھ میں لو

قال النبي (صلى الله عليه وسلم) لعبد يزيد طلقها
فعل، قال راجع امرأتك أم ركانة و
إخوتهم وقال إن طلقتهما ثلاثاً
يا رسول الله. قال قد علمت راجعها
وتلا، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
فَطَلِقُوهُنَّ رِعْدَةً يَبْتِهَأً -
اس میں جدائی کراد مجھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد زید سے کہا، آپ نے
طلاق دے دو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے کہا، اپنی بیوی کو تین
اور اُس کے بھائیوں کی ماں سے رجوع کر لو۔ انہوں نے کہا، میں نے آپ
سے (یک وقت تین طلاقیں ہی میں فرمایا، مجھے معلوم ہے۔ تم اس سے رجوع
کر لو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ الْآيَةَ ۝

ابوداؤد نے طلاقِ بتہ والی روایت کو طلاقِ ثلاث والی روایت سے زیادہ صحیح قرار دیا
ہے۔ لاکھوں سال تک نہیں کہ بلادِ اُردو کی طلاقِ ثلاث والی روایت سداً الضعیفہ ہے۔ لیکن اس
روایت میں یہ نہیں ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، جیسا کہ ابوداؤد نے کہا ہے۔
بلکہ یہ ہے کہ رکانہ کے والد عبد زید نے رکانہ کی ماں کو طلاق دی۔ درحقیقت اس روایت میں
دوسرا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے جو رکانہ اور اُن کی بیوی سے نہیں، رکانہ کے والد اور والدہ
سے متعلق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلقہ بائتہ ہونے
کے حق میں مرتجح ہے۔ لیکن ابوداؤد کی یہ روایت فی الواقع صحیح نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-
إِنَّ أُمِّيَاوَدَ لَمْ يَحْكَمْ بِمَحْتَمٍ وَإِنَّمَا قَالَ "ابوداؤد نے اس حدیث کی صحت کا حکم نہیں لگایا، بلکہ اس کی
بعد روایت ہے ہذا أصح من حدیث ابن
جریج، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، وَهَذَا
لَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ هَذِهِ الْحَدِيثَ عِنْدَهُ
صَحِيحٌ، فَإِنَّ حَدِيثَ ابْنِ جُرَيْجٍ ضَعِيفٌ
وَهَذَا ضَعِيفٌ أَيْضًا. فَهَوَ أَصَحُّ الضَّعِيفَيْنِ
عِنْدَهُ، وَكَثِيرًا مَا يُطَلِّقُ أَهْلَ الْحَدِيثِ
هَذِهِ الْعِبَارَةَ عَلَى أَصَحِّ الْحَدِيثَيْنِ الضَّعِيفَيْنِ
وَهُوَ كَثِيرٌ مِنْ كَلَامِ الْمُتَقَدِّمِينَ
روایت کے بعد صوفیہ کہا کہ یہ ابن جریر کی اس حدیث سے
زیادہ صحیح ہے جس میں یہ ہے کہ اُس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں
اور اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہ حدیث اُن کے نزدیک
صحیح ہے کیونکہ ابن جریر کی حدیث ضعیف ہے اور یہ حدیث
بھی ضعیف ہے تو اُن کے نزدیک یہ دو ضعیف حدیثوں میں سے
صحیح تر ہے۔ اور سب اوقات محدثین اس عبارت کا اطلاق اس
حدیث پر کرتے ہیں جو دو ضعیف حدیثوں میں سے زیادہ صحیح ہو
اور محدثین کے کلام میں ایسا سب سے ہے۔ اور اگر یہ اُن کی

ولو لم يكن اصطلاحاً له لم تدل اللغة
 على إطلاق الصفة عليه - فإثباتك تقول
 لأحد المريضين هذا أصح من هذا،
 ولا يدل على أنه صحيح مطلقاً -
 اصطلاح نہ ہوتی تو لغت میں صحت کا اطلاق اس طرح کے
 معاملہ پر نہ ہوتا۔ کیونکہ تم دو مریضوں میں سے ایک کے لئے
 یہ کہتے ہو کہ یہ اُس سے زیادہ صحت مند ہے۔ اس کا مطلب
 یہ نہیں ہوتا کہ وہ بالکل تندرست ہے۔

یہ انہوں نے سنن ابوداؤد کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ اغاثۃ اللہفان میں
 وہ فرماتے ہیں۔

بات أبا داؤد إنما صح حدیث بئسۃ علی
 حدیث ابن جریر لآئسۃ روی حدیث
 ابن جریر عن طریق فیہا جمہول ولم
 یروا ابوداؤد الحدیث الذی رواہ احمد
 فی مسندہ من طریق محمد بن اسحق أن
 رکانۃ طلق امرأۃ ثلاثاً فی مجلس
 واحد، فلذا ارجح ابوداؤد حدیث البئسۃ
 ولم یتعرض بحدیث الحدیث ولا رواہ فی
 سننہ - ولاریب أنہ أصح من الحدیثین،
 وحدیث ابن جریر صحیح شاکلہ۔
 ابوداؤد نے حدیث ابن جریر پر حدیث البئسۃ کو اس لئے ترجیح
 دی ہے کہ انہوں نے ابن جریر کی حدیث کو اسی سند سے روایت
 کیا ہے جس میں ایک جمہول راوی ہے، اور ابوداؤد نے اُس
 حدیث کو روایت نہیں کیا جسے احمد نے اپنی مسند میں محمد بن
 اسحق کی سند سے روایت کیا ہے کہ ”رکانۃ نے اپنی بیوی
 کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔“ اسی لئے ابوداؤد نے
 حدیث بئسۃ کو ترجیح دی اور اس حدیث سے تعرض نہیں کیا
 نہ اسے اپنی سنن میں روایت کیا اور یقیناً مسند احمد کی
 یہ روایت دونوں روایتوں سے زیادہ صحیح ہے اور ابن
 جریر کی حدیث اس کی شاہد ہے۔

امام ابن جوزی نے ”کتاب العلل“ میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ حدیث رکانۃ
 لیس بشیخ (رکانۃ کی حدیث کچھ بھی نہیں ہے)۔ حلال نے کتاب العلل میں اشرم سے نقل کیا ہے کہ
 میں نے ابو عبد اللہ سے رکانۃ کی حدیث البئسۃ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تضعیف کی۔
 اسی طرح امام ترمذی نے امام بخاری سے حدیث بئسۃ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا، وہ
 مضطرب ہے۔ کیونکہ اس میں کبھی ثلاثاً آتا ہے اور کبھی واحداً۔ حافظ منذری نے بھی
 اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔
 وہ امام بخاری کے علاوہ امام احمد کے حوالہ سے بھی فرماتے ہیں، ”إن طلاقہ ضعیفہ۔“ پھر اس حدیث

کی سند میں زبیر بن سعید ہاشمی بھی جنہیں بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مختصر یہ کہ ابوداؤد کی البتہ والی روایت مضطرب بھی ہے اور ضعیف بھی، اس لئے وہ قابل استدلال نہیں۔ مسند احمد کی رکازہ والی حدیث جس میں طلاقِ بتہ کے بجائے طلاقِ ثلاث کا ذکر ہے اور جو صحیح ہے، آگے آتی ہے۔

۷۔ عن علی قال سمع النبی صلی اللہ علیہ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا رسولاً رجلاً طلق البتہ فغضب وقال کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی تو آپ غصہ ہوئے تتخذون آیات اللہ ہزواً ولعباً، اور فرمایا، تم اللہ کی آیات کا مذاق اڑاؤ اور کھیل بناؤ۔ جو شخص من طلق البتہ الزمان ثلاثاً لا تحل لہ بھی طلاقِ بتہ دے گا، ہم اُس پر تین طلاقِ لازم کر دیں گے اور حتیٰ تنکح زوجاً غیراً۔ اس کی عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ کسی اور کو نکاح نہ کرے۔ (دارقطنی)

لیکن اس روایت کے ایک راوی کے بارے میں دارقطنی خود فرماتے ہیں :-

اسماعیل بن ابی اُمیۃ القشیری ضعیفٌ " اسماعیل بن ابی اُمیۃ قشیری ضعیف اور متروک الحدیث۔ متروک الحدیث ہیں۔ "

اس سے پہلے وہ اس کے بارے میں لکھ چکے ہیں، ہذا یضع الحدیث (وہ جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے) اس روایت کے ایک اور راوی عثمان بن قطر کے بارے میں ابن معین نے کہا، لایکتب حدیثہ (اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی) ابن حبان نے کہا، یروی الموضوعات عن الثقات (ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے)۔

ایک اور راوی عبد الغفور کے بارے میں علامہ محمد طاہر نے کہا، یضع الحدیث (حدیثیں گھڑتا ہے) اس روایت کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے فرمایا، فی اسنادہ ضعفاء و مجاہیل (اس کی سند میں ضعیف اور مجہول راوی ہیں)۔

دارقطنی ہی کی ایک اور روایت ہے :-

۸۔ اُتی رجل طلق امرأته ثلاثاً مبہمۃ أو جس شخص نے اپنی بیوی کو تین مبہم طلاقوں میں یا تین طلاقوں ثلاثاً عند الأقرام لم تحل لہ حتیٰ تنکح تین طہرول میں دیں اُس کے لئے وہ عورت حلال نہ ہوگی جب تک

کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔“

لیکن اس روایت کے ایک نہیں، متعدد راوی ضعیف ہیں۔

یہ ہے ان روایات کا حال جنہیں اس سلسلہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیت محکمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت ثابتہ اس بات کے حق میں موجود نہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ میری نظر میں وہ تمام کوششیں ہیں جن کے ذریعہ ان روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے زور لگایا گیا ہے۔ مگر پوری دیانت داری اور غیر جانبداری سے ان پر غور کرنے سے رائے یہی بنتی ہے کہ ان میں سے کوئی روایت جرح اور ضعف سے پاک نہیں ہے لہذا ان سے اتنا اہم حکم ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

اجماع

احادیث کے بعد اس مسئلہ میں اجماع اُمت سے استدلال کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاق مغلظہ بائنہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس لئے اس کے خلاف رائے غلط اور باطل ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بعض دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اجماع کا دعویٰ کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے، اجماع کا کوئی ثبوت فی الواقع موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس مسئلہ میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے محدثین اور فقہاء کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ باب من جوز الطلاق الثلاث (جس نے تین طلاق کو جائز قرار دیا) کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-

وفي الترجمة إشارة إلى أن من السلف "أودر حجة الباب في اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سلف من لم یجوز وقوع الطلاق الثلاث۔ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تین طلاق کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے۔“

(جلد ۹، صفحہ ۲۸۹)

کچھ دور آگے چل کر اسی سلسلہ کلام میں وہ فرماتے ہیں:-

التراج أنة مذهب شاذ فلا يعمل به
 وأجيب بآنة نقل عن علي وابن
 مسعود وعبد الرحمن بن عوف و
 الزبير، مثله نقل ذلك ابن مغيث
 في كتاب الوثائق لوعزاه لمحمد بن
 وضاح ونقل الغنوي ذلك عن مشايخ
 قرطبة كمحمد بن تقى بن مخلد ومحمد بن
 عبد السلام الخشفي وغيرهما ونقله
 ابن المنذر عن أصحاب ابن عباس كعطاء
 ويطاوس وعمر بن دينار. ويتعجب من
 ابن التين حيث حزم بآنة لزوم الثلاث
 لإختلاف فيه وإنما الإختلاف في التصریم
 مع ثبوت الإختلاف كما ترى -

(فتح الباری، جلد ۹، مغلط)

اس سے چند سطور پر انھوں نے محمد بن اسحق صاحب مغازی کو اس مسلک کا قائل
 بتایا ہے۔ امام طحاوی "شرح معانی الآثار" میں فرماتے ہیں:-

فذهب قوم إلى أن الرجل إذا طلق
 امرأته ثلاثاً معاً فقد وقعت عليها واحدة
 إذا كان في وقت السنة وذلك أن تكون
 طاهراً في غير جماع واحتجوا في ذلك
 بهذه الحديث -

تو ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کو ایک دفعہ
 تین طلاقیں دے تو عورت پر ایک ہی طلاق واقع ہوگی جبکہ
 وقت سنت میں یعنی اس وقت دی گئی ہو کہ وہ پاک ہو
 اور اس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔ اور انھوں نے اس سلسلہ میں
 اس حدیث سے استدلال کیا ہے:-

(جلد ۲، مع ۳)

واضح رہے کہ امام طحاوی، امام ابن تیمیہ سے بہت پہلے کے محدث ہیں۔ وہ

پونہ سو بات یہ کہی گئی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے ایک سچے
 کی بات شاذ مسلک ہے اس لئے اس پر عمل نہ ہوگا جواب یہ گیا
 ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود، عبدالرحمن بن عوف اور زبیر
 رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی بات منقول ہے۔ آگے ابن مغیث
 نے کتاب الوثائق میں نقل کیا ہے اور اسے محمد بن وضاح کی طرف
 منسوب کیا ہے اور غنوی نے اس مسلک کو قرطبہ کے
 مشایخ کے ایک گروہ مثلاً محمد بن تقی بن مخلد اور محمد بن
 عبدالسلام خشنی وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ابن المنذر نے
 اسے ابن عباس کے اصحاب مثلاً عطاء، طلووس اور عمرو بن
 دینار سے نقل کیا ہے۔ اور ابن تین پر حیرت ہے کہ انہوں نے
 اس یقین کا اظہار کیا کہ تین طلاق کے لزوم میں اختلاف
 نہیں ہے، اختلاف صرف تحریم میں ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ
 رہے ہو کہ اختلاف ثابت ہے:-

امام بخاریؒ کے معاصر ہیں۔ گویا امام طحاویؒ کے زمانہ تک بھی اس مسلک کے قائل اتنے تھے کہ انہیں قوم (یعنی گروہ) سے تعبیر کیا جاسکتا تھا۔

امام رازیؒ تفسیر کبیرہ میں اَنْطَلَقَ مَثَرَاتِنِ کے تحت لکھتے ہیں :-

ثم القائلون بهذه القول اختلافوا على قولين، الأول وهو اختيار كثير من علماء الدين أنه لو طلقها اثنين أو ثلاثاً لا يقع إلا الواحدة وهذا القول هو الأقيس لأن التهييد على اشتغال المنهي عنه على مفسدة واحدة. والقول بالوقوع سعى في إدخال تلك المفسدة في الوجود وأنه غير جائز فوجب أن يحكم بعدم الوقوع.

پھر اس قول کے قائلین میں اختلاف ہو گیا اور ان کے دو قول ہیں۔ ایک قول جو بہت سے علماء دین کا اختیار کردہ ہے، یہ ہے کہ اگر اس نے بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیں تو صرف ایک واقع ہوگی اور یہی قول قیاس سے قریب تر ہے۔ کیونکہ مانعت سے واضح ہوتا ہے کہ ممنوع چیز کوئی راجح مفسدہ رکھتی ہے۔ اور وقوع کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کی کوشش ہے جو غیر جائز ہے۔ تو ضروری ہوا کہ عدم وقوع کا حکم کیا جائے۔

امام رازیؒ کے اس بیان سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ مسلک زیادہ قریب قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مسلک، شاذ مسلک نہیں، بلکہ بہت سے علماء دین کا ہے۔

امام ابن قیمؒ نے بھی اعلام الموقعین میں متعدد صحابہ، تابعین، تابعین اور بعد کے علماء کا ذکر کیا ہے جو اس قول کے قائل ہیں۔

علامہ علیؒ "معدۃ القاری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں :-

ذهب طاؤس وابن إسحق والمجتاج بن أرقطاة والنخعي وابن مقاتل والظاهرية إلى أن الزوج إذا طلق امرأته ثلاثاً معافاة وقعت عليها واحدة واحتجوا بحديث أبي الصهباء

طاؤس، ابن اسحق، مجتاج بن ارقطاة، نخعی، ابن مقاتل اور ابن ظاہر کا مسلک یہ ہے کہ جب آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیں تو اس پر ایک ہی واقع ہوگی، اور انہوں نے ابو صہباء کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی فرماتے ہیں :-

والقول الثاني أنهما طلق ثلاثاً تقع واحدة رجعية وهذا هو المنتسول عن بعض الصحابة وبه قال داود الظاهري وأتباعه وهو أحد القولين لمالك وأصحاب أحمد :-

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں تو ایک بھی واقع ہوگی مادہ یہ قول بعض صحابہ سے منقول ہے اور اس کے قائل داؤد ظاہری اور ان کے پیرو ہیں۔ اور یہ امام مالک کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمد کے بعض اصحاب کا قول ہے :-

(عمدة الرماية - جلد ۲، صفحہ ۱)

اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اس قول کو حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابن عباسؓ، طاؤسؓ، عطاءؓ، جابر بن زبیدؓ، ہادیؓ، قاسمؓ، ناصرؓ، احمد بن عیسیٰؓ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہؓ، زید بن علیؓ اور اصحاب ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (جلد ۱ ص ۲۴)

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ نہ صرف یہ کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے مطلقہ بائنہ ہونے پر اجماع نہیں ہے، بلکہ اس کے ایک طلاق ہونے کا مسلک علماء کی قابل لحاظ تعداد کا ہے۔

آثار صحابہؓ

قرآن مجید، احادیث رسول اور اجماع امت کے بعد آثار صحابہ کا نمبر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے آثار سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاق کو طلاق مطلقہ بائنہ مانتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے مسلک کو، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا معروف مسلک تو یہی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو وہ تین طلاق مانتے تھے، مگر ان کی طرف یہ قول بھی منسوب ہے کہ وہ اس طلاق کو ایک طلاق مانتے تھے۔ - ابو داؤد میں ہے :-

عن عکرمۃ عن ابن عباس إذا قال أنت طالق ثلاثاً بغير واحد فی واحدۃ۔
 عکرمہ سے مروی ہے وہ عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایک منہ سے تین بار أنت طالق فی واحدۃ۔ کہا تو یہ ایک طلاق ہوگی۔

ایک اور صحیح روایت میں حضرت طاؤس سے مروی ہے۔

واللہ ما کان ابن عباس یجہلہا الا واحدۃ۔ بخدا! ابن عباس اسے ایک ہی شمار کرتے تھے۔

(عنوان المعیور جلد ۲، صفحہ ۲۲)

ایک طلاق ہونے کے دلائل

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق منغلظہ بانئہ پڑ جاتی ہے، یہ بات نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے، نہ سنت رسول اللہ سے اور نہ اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد مزید کسی بحث کی فی الواقع ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن ایجابی طور پر دو احادیث ایسی ہیں جو اس مسئلہ کا فیصلہ کر دیتی ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں ہے۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ وأبی بکر وسنتین من خلافتہ عمۃ طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعملوا فی أمر کان لہم فیہ إناقة فلو أمضیناہ علیہم فأمضناہ علیہم۔
 ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ اور حضرت ابو بکر کے دورِ احمدِ خلافتِ عمر کے دو برسوں تک (بیک وقت) تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی تو عمر بن خطاب نے کہا، لوگوں نے ایک ایسے معاملے میں جس میں ان کیلئے غور و فکر کا موقع تھا، جلدی کی۔ تو ہم ان طلاقوں کو نافذ کر دیں، تو آپ نے انہیں نافذ کر دیا۔

الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت مختلف اسناد سے صحیح مسلم اور دوسری کتب میں آئی ہے۔ روایت اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث اپنے اس مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق کے

نہد میں اور دورِ فاروقی کے ابتدائی دو برسوں میں (بعض روایات میں تین سال آئے ہیں) ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بجلئے اس کے کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت و سہولت سے فائدہ اٹھاتے اور ایک مجلس میں ایک طلاق پر پُرس کرتے، انھوں نے ایک مجلس میں تین طلاق کو معمول بنالیا اور طلاق کے غیر مشروع طریقہ پر مُصر ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ لوگوں پر تین طلاقیں نافذ کر دی جائیں۔ چنانچہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہ حکم انہوں نے نافذ کر دیا۔

حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے۔ اس مفہوم کی رو سے دورِ نبوی، دورِ صدیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی کا یہ تعامل سامنے آتا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق مانا جاتا تھا۔

جو لوگ اس کے خلاف مسلک رکھتے ہیں انھوں نے اس حدیث کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ ہم ان میں سے قابلِ ذکر تاویلات کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ امام نوویؒ شرحِ مسلم میں ایک تاویل کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

وقیل المراد أن المعتاد في الزمن الأول كان طلاقاً واحداً وصار الناس في زمان عمر يوقعون الثلاث دفعةً فنفاذاً عمداً وعلى هذا يكون إخباراً عن اختلاف عادة الناس، لا عن تغير حكمه في مسألة واحدة۔

”کہا گیا ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بعد ازل میں یہ رواج تھا کہ طلاق ایک ہی دی جاتی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تین طلاق ایک ہی بار میں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے انہیں نافذ کر دیا تو یہ لوگوں کی عادت کے مختلف ہونے کی اطلاع ہے، نہ کہ ایک ہی مسئلہ میں حکم کے بدل جانے کی۔“

یہ تاویل متعقدہ راہِ بابِ علم نے کی ہے، مگر آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کے متحمل ہیں۔ علامہ ہمامؒ اس تاویل پر یہ اشکال عائد کرتے ہیں۔

”اور اس حدیث کی تاویل میں یہ جو کہا گیا ہے کہ تین طلاقیں جو اب دیتے تھے بعد ازل میں ان کا رواج تھا، ایک ہی کا رواج تھا اور یہ اس زمانہ کے تغیر اور سنت کی مخالفت

وقیل في تأويله أن الثلاث التي يوقعونها الآن إنما كانت في الزمان الأول واحدةً تنبيهٌ على تغير الزمان

ومع الفة السنة فيشكل إذا لتيح حينئذ
قوله فأمضاه عمره

صحیح مسلم کی بعض روایات صراحتہ اس تاویل کی تردید کرتی ہیں :-

عن طائوس أن أبا الصهباء قال لابن عباس أتعلما إنما كانت التلات تجعل واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وثلاثاً من إماراة عمر فقال ابن عباس نعم .

طائوس سے مروی ہے کہ ابو صہبائے نے ابن عباس سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاق قول کو دور نبوی (صلى الله عليه وسلم) اور ابو بکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے تین برسوں میں ایک، شمار کیا جاتا تھا۔ انہوں نے فرمایا: ہاں :-

(مسلم، ابوداؤد)

پھر یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ دور نبوی میں لوگ ایک مجلس میں تین طلاقیں نہیں دیتے تھے۔ روایات سے اس کے برعکس ثابت ہے۔

۲۔ یہ حکم غیر مدخول پہا کے لئے ہے، جیسا کہ بعض روایات میں صراحتہ ہے :-

عن أيوب عن غير واحد عن طائوس أن رجلا يقال له أبو الصهباء كان كثير التزوا لابن عباس قال أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وصدراً من إماراة عمر، قال ابن عباس بلى، كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وصدراً من إماراة عمر فلما رأبى الناس

آیوب سے انہوں نے متعدد افراد سے نقل کیا ہے، انہوں نے طائوس کو ایک شخص سے ابو صہباء کہا جاتا تھا، ابن عباس سے بہت سوال کرتا تھا۔ انہوں نے ابن عباس سے پوچھا کیا آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو ہم بستری سے پہلے ایک وقت تین طلاق دیتا تھا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے ابتدائی دور میں ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔ ابن عباسؓ نے کہا، ہاں، آدمی جب ہم بستری سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو دور نبوی (صلى الله عليه وسلم)، دور صدیقؓ اور ابتدائی دور عمرؓ میں اسے ایک شمار کیا جاتا تھا، تو جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بے درپے میں طلاق دیتے

قد تابعوا فيها قال أجزوهن عليهم - دینے لگے تو ان پر تینوں نافذ کر دیں =

(ابوداؤد)

یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ غیر مدخول بہا کے لئے ہوگی، اور دوسری روایات غیر مدخول بہا اور مدخول بہادوں کے لئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابوداؤد کی یہ روایت ضعیف ہے اور طاؤس سے روایت کرنے والے مجہول لوگ ہیں۔ (شرح مسلم للنووی) ۳۔ یہ حدیث ایک خاص صورت سے متعلق ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:-

قال ابن سريج وغيره يشبه أن يكون "ابن سريج نے کہا، خیال ہوتا ہے کہ یہ حدیث الفاظ کی تکرار
ورد في تكرير اللفظ كأن يقول، أنتِ
کے سلسلہ میں آئی ہے۔ جیسے کہ وہ کہے، تجھے طلاق، تجھے
طالق، أنتِ طالق، أنتِ طالق، وكانوا أقلاً
طلاق، تجھے طلاق۔ تو دراصل میں دلوں کی سلامتی کے پیش
أُن كايه قول قبول كرايا جاتا تھا کہ اُن کا ارادہ تائید کا تھا
(تین طلاق کا نہیں) تو جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان
زیاہ ہو گئے اور فریب دہی وغیرہ بھی زیادہ ہو گئی جس کے
عمر و كثر فيهم الخداع ونحوه ما
باعت تائید کا دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے لفظ كو
يمنع قبول من ادعى التاكيد حمل عمر
ظاہر تکرار فامضاء عليهم -
نہ زیادہ ہو گئے اور فریب دہی وغیرہ بھی زیادہ ہو گئی جس کے
باعت تائید کا دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے لفظ كو
ظاہر تکرار پھول کر دیا اور تین طلاقیں اُن پر نافذ کر دیں =

(فتح الباری، جلد ۹، صفحہ)

امام نووی نے اس تاویل کو صحیح ترین تاویل قرار دیا ہے۔ علامہ ابن الہمام نے بھی فتح القدیر میں اس تاویل کو اختیار کیا ہے۔ مگر آپ خود دیکھ لیجئے کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ نہ حدیث میں خاص الفاظ کا ذکر ہے، نہ اس بات کا کہ جو لوگ تائید کا دعویٰ کرتے تھے اُن کا دعویٰ مان لیا جاتا تھا اور جو دعویٰ نہ کرتے تھے اُن کے حق میں تین طلاقوں کا فیصلہ ہوتا تھا، نہ دلوں کی صفائی یا کھوٹ کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ آخر تاویل کے لئے کوئی بنیاد تو ہو۔

۴۔ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔ ورنہ حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ دیتے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کے خلاف مسلک پر اجماع نہ ہوتا۔ امام نووی اس

تاویل کو نقل کر کے اس پر علامہ مازریؒ کی تنقید نقل کرتے ہیں۔

قال المازری وقد زعم من لا خبرة له
 بالحقائق أن ذلك كان ثم نسخ
 قال وهذا غلط فاحش لأن عمر
 لا ينسخ ولو نسخ حاشا له لبادرت
 الصحابة إلى إنكاره، وإن أراد هذا
 القائل أنه نسخ في زمن النبي فذلك
 غير ممكن ولكن يخرج عن ظاهر
 الحديث لأنه لو كان كذلك لم يجوز
 لراوى أن يخبر ببقاء الحكم في خلافة
 أبي بكر وبعض خلافة عمر — فإن
 قيل قد يجمع الصحابة على النسخ فيقبل
 ذلك منهم، قلنا لا تقبل ذلك لأنه
 يستدل بإجماعهم على ناسخ وأما
 إتهم ينسخون من تلقاء أنفسهم فمعاذ
 الله لأنه إجماع على الخطأ، وهم
 معصومون عن ذلك — فإن قيل
 ففعل النسخ إنما ظهر لهم في زمن عمر،
 قلنا هذا غلط أيضا لأنه بيون قد
 حصل الإجماع على الخطأ في زمن أبي بكر
 والمحققون من الأصوليين لا يشترطون
 إنقرض العصر لصحة الإجماع، والله أعلم.

مازری نے کہا، جن لوگوں کو حقائق کی خبر نہیں ہے ان کا
 خیال ہے کہ یہ حکم تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔ مازری نے کہا،
 یہ واضح طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ منسوخ نہیں کر سکتے
 اور اگر وہ حاشا و کلاً منسوخ کرتے تو صحابہ فوراً انکار کرتے۔
 اور اگر قائل کا منشا یہ ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
 دور میں منسوخ ہو گیا تھا تو یہ بات غیر ممکن نہیں ہے۔
 لیکن یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر ایسا
 ہوتا تو راوی کے لئے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ خلافت ابو بکرؓ
 اور خلافت عمرؓ کے بعض برسوں میں اس حکم کے باقی رہنے
 کی خبر دیتا — اگر یہ کہا جائے کہ کبھی صحابہ نسخ
 پر اجماع کر لیتے ہیں اور ان کا اجماع قبول کر لیا جاتا ہے۔
 ہم کہتے ہیں کہ ان کا اجماع اس لئے قبول کر لیا جاتا ہے کہ
 اس سے ناسخ کے وجود کے لئے دلیل فراہم ہوتی ہے۔ یہی یہ
 بات کہ وہ خود منسوخ کرتے ہیں تو اس سے اشد کی پناہ کیونکہ
 یہ فلسفی پر اجماع ہو گا اور وہ اس سے معصوم ہیں۔
 — اگر یہ کہا جائے کہ نسخ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں
 ظاہر ہوا — ہم کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں
 غلطی پر اجماع ہو گیا تھا، اور محقق اصولیین اجماع
 کی صحت کے لئے زمانہ کے ختم ہونے کی شرط نہیں
 ٹھہراتے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ =

حافظ ابن حجر نے ماذریٰ کی اس تنقید کا ذکر کر کے جگہ جگہ اس پر تعقب کیا ہے۔ مگر تعقب میں نئی الواقع کوئی جان نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ان تاویلات میں سے کسی تاویل کی متحمل نہیں ہے اور حدیث کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ متعدد حنفی علماء نے بھی حدیث کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا وہ یا تو ان کا اجتہاد تھا کہ حالات بدل گئے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول نے لوگوں کے لئے جو سہولت فراہم کی تھی، شریعت کی نافرمانی کی بنا پر وہ اُس کے مستحق نہیں رہے، یا خلیفہ کی حیثیت سے یہ ان کا سیاسی فرمان تھا جس کا مقصد لوگوں کی اصلاح اور ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے رواج عام کو روکنا تھا، ان میں سے کوئی بھی بات ہو۔ تم اس اجتہاد یا اس سیاست سے کیوں اختلاف کر رہے ہو؟ — جواب یہ ہے کہ اصل چیز یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ وہ ہر چیز پر سچی کہ خلیفہ راشد کے اجتہاد پر بھی مقدم ہے اور خلفاء راشدین کے اجتہادات سے اختلاف سلف میں کوئی انوکھی بات نہیں رہی ہے اور یہاں نوعیت کے فیصلے اور کبھی عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ پھر یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ اس میں ایک تعامل عہد نبوی اور دورِ صدیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی کا ہے اور دوسرا دورِ فاروقی کا۔ ہم پہلے تعامل کو دوسرے تعامل پر ترجیح دے رہے ہیں۔

جہاں تک حالات کا تعلق ہے وہ بلاشبہ پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ خراب ہیں، لیکن حالات کی یہ خرابی اور سنگینی ہی اس کی منقاصی ہے کہ ہم اس مسئلہ پر اذ سر لو غور کریں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ نبوی کے ایک فیصلہ نبوی کیا تھا، انھوں نے چھینہ اور انتظام بھی کئے تھے۔ ایک انتظام دینی تعلیم کو عام کرنے کا تھا، دوسرا انتظام معاشرہ کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے اور تیسرا حدود و تعزیرات کے قیام کا تھا۔ اس سلسلہ کی مزید ایک بات یہ تھی کہ حضرت عمرؓ ایک مجلس میں تین طلاق دینے والوں کو ڈرے مارتے تھے۔ اور آخری بات یہ کہ مسلمانوں کے معاش کی حکومت کفالت کرتی تھی۔ عامۃ المسلمین بھی

ناچار اور معذور مردوں اور عورتوں کی کفالت کی طرف زیادہ متوجہ رہتے تھے اور مسلمان معاشرہ کی اخلاقی اور دینی حالت آج سے بہت زیادہ بہتر تھی۔ اسی کے ساتھ عرب میں طلاق کوئی عار کی بات نہ تھی اور مطلقہ عورتوں کا نکاح بہت آسانی سے ہو جاتا تھا۔

اب دین کی تعلیم کا نظم درہم برہم ہو چکا ہے، لوگ طلاق کے بنیادی مسائل بھی نہیں جانتے، حضرت عمرؓ کا ڈرہ بھی نہ رہا جس کے ڈر سے لوگ تین طلاقیں نہ دیں، حدود و تعزیرات کتابوں میں بند ہیں، معاشرہ کی دینی و اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہے، ماحول اس قدر رُپِ فتن ہے کہ مردوں اور عورتوں کو اخلاق و عفت کا بچا لینا مشکل ہو گیا ہے اور بے شوہر کی عورت کے لئے تو فتنے ہی فتنے ہیں۔ ہندوستانی سماج ایسا ہے کہ اس میں مطلقہ عورتوں کا نکاح بہت دشوار ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مطلقہ عورت کی اگر شادی نہ ہو تو یا طویل مدت تک نہ ہو تو عورت اور معاشرہ دونوں کے اخلاق کی نگہداشت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے جو بے سہارا عورتوں کی کفالت کر سکے، نہ معاشرہ ہی اس طرف متوجہ ہے۔ یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم خیال کرتے ہیں کہ دورِ فارسی کے تعامل سے عہدِ نبوی اور دورِ صدیقی کے تعامل کی طرف واپس جانا چاہئے۔

۴۔ مسندِ احمد میں ہے :-

حدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ ابِرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا
أَبِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي دَاوُدُ
بْنُ الْحَصِينِ عَنْ عِكْمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ طَلَّقَ رُكَّانَةَ بِنْتُ عَبْدِ يَزِيدَ أَحْوَبِي
مَطْلَبَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ
فَحَزِنَ عَلَيْهِ حَزْنًا شَدِيدًا أَقَالَ فَمَسَأَلَهُ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا قَالَ
طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، قَالَ فَقَالَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ
قَالَ تَسْمُ، قَالَ فَبِأَمَّا تِلْكَ وَاحِدَةً
”سعد بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے میرے
باپ نے بیان کیا، انھوں نے محمد بن اسحاق سے، انہوں نے کہا مجھ
داؤد بن حصین نے بیان کیا، انہوں نے عکرمہ مولى ابن عباس سے
نقل کرتے ہوئے کہا، رکانہ بن عبد یزید اُحویبی نے مطلب سے
بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس پر
انہیں شدید غم ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے
پوچھا، تم نے اپنی بیوی کو کس طرح طلاق دی؟ وہ جواب میں نے
اسے تین طلاقیں دیں۔ پوچھا، ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں
آپ نے فرمایا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی۔ تو اگر تم چاہو تو

فاریجھا ان شئت قال فراجعہا فان ابن عباس یروی انما الطلاق عند کل طهر۔
 اُس سے رُجوع کر لو، تو رکات نہ اپنی بیوی سے رُجوع کر لیا۔ تو ابن عباس کی رائے یہ تھی کہ طلاق ہر طہر کے وقت ہونی چاہئے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:-

وأحدیة أحمد وأبو یعلیٰ وصحیحہ من طریق محمد بن إسحاق وهذا الحدیث نقل فی المسئلة لا یقبل التأویل الذی فی غیرہ من الروایات الا ذی ذکرہا وقد اُجابوا عنہا بأربعة أشياء، أحدها أن محمد بن إسحاق وشيخه یختلف فیہما وأجیب أنهم احتجوا فی عدلہ من الأحكام بمثل هذه الاستناد کحدیث "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رد علی ابن العاص بن الترمیح زینب ابنتہ بالنکاح الاوّل ولیس کل مختلف فیہ مردوداً۔ والثانی معارضة بفتویٰ ابن عباس بوقوع الثلاث کما تقدم من رواية مجاهد وغيره، فلا یلین بابن عباس أنه کان عندہ هذا الحكم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شذیفةً بمن خلافہ الا بفتح طهر لہ، وروای الخیر اُخبر من غیرہ یاروی، وأجیب بأن الإعتبار بروایة التراوی لا بروایہ لما یطرق رأیہ من احتمال التسیان وغیر ذلک، وأما کونه متمسکاً

”احمد اور ابو یعلیٰ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اسے محمد بن اسحاق کی سند سے صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں جو آگے آنے والی روایتوں میں ممکن ہے۔ لوگوں نے اس حدیث کے چار جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ محمد بن اسحاق اور ان کے شیخ (داد بن حصین) میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ متعدد احکام میں اس طرح کی سند کو مانا گیا ہے جیسے کہ یہ روایت کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کو ابو العاص کے پاس پہلے ہی کے نکاح کے ساتھ بھیج دیا اور اس روایت میں یہی سند ہے اور ہر وہ شخص جس میں اختلاف کیا جائے وہ لازماً قابل رد نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس کے فتویٰ کے معارض ہے جیسا کہ مجاہد وغیرہ نے اُن سے روایت کیا ہے اور یہ روایت اور گلدرد چکی ہے۔ اور ابن عباس کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہو پھر وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں مگر یہ کہ کوئی مرتجع اُن کے سامنے ظاہر ہو گیا ہو، اور حدیث کا راوی دوسروں کے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ جانتا ہے۔ جواب دیا گیا کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہے ذکہ اُس کی رائے کا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نسیان وغیرہ کا اُس کی رائے پر اثر پڑا ہو۔ یہی بات کہ اُس نے کسی مرتجع سے متمسک ہوا

تو یہ منہج حدیث منہج ہی تک محدود نہیں ہے، کیونکہ ہر مکتبہ ہے کہ اس نے تخصیص یا تقييد يا تاويل کا سہارا لیا ہو، اور کسی مجتہد کا قول دوسرے مجتہد کے لئے حجت نہیں ہے۔ تیسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ ابو داؤد نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ رکاز نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی جیسے کہ انہوں نے رکاز کے اہل بیت سے روایت کیا ہے اور یہ ایک قوی دلیل ہے۔ کیونکہ ہر مکتبہ کے بعض راویوں نے بتہ کو تین پر محمول کیا ہے تو یہ کہہ دیا ہو کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیا۔ اس نکتہ کے باعث ابن عباس کی روایت سے استدلال موقوف ہو جائے گا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ تہا مسلک سے اس لئے اس پر عمل نہ ہوگا۔ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود، عبدالرحمن بن عوف اور سیر بن رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی بات نقل کی گئی ہے۔ اس بات کو ابن مغیث نے کتاب التلخیص میں نقل کیا ہے اور اسے محمد بن وحیح کی طرف منسوب کیا ہے اور ضوی نے اسے قرطبہ کے مشائخ کے ایک گروہ، جیسے محمد بن تقی بن محمد اور محمد بن عبدالسلام خشنی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اور ابن منذر نے اسے ابن عباس کے اصحاب مثلاً عطاء، طاؤس اور عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اور ابن تین پر حیرت ہے انہوں نے یقین سے کہا ہے کہ تین طلاق کے لازم ہو جانے میں اختلاف نہیں ہے، اختلاف اس کی تحریم میں ہے۔ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ اختلاف ثابت ہے، اور ابن عباس کی حدیث کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جسے مسلم نے عبدالرزاق عن معمر

بموجب فلم یخصر فی المرفوع لإحتمال التمسك بتخصیص أو تقييد أو تاویل، وليس قول مجتهد محجة على مجتهد آخر، الثالث، أن أبدا ود رجح أن ركازة إنما طلق امرأته البتة كما أخرجها هو من طريق ال بيت ركازة وهو تعلق قوی لجواز أن يكون بعض رواة حمل البتة على الثلاث فقال طلقها ثلاثاً بهنذا التكتة يقف الإستدلال بمجديت ابن عباس - التراجيح أنه مذهب شاذ فلا يعمل به، وأجيب بأنه نقل عن علي و ابن مسعود وعبد الرحمن بن عوف والزيبر مثله نقل ذلك ابن مغيث في كتاب التلخيص له وعزاه لمحمد بن وضاح ونقل القنوي ذلك عن جماعة من مشايخ قرطبة كمحمد بن تقى بن محمد و محمد بن عبدالسلام الخشني وغيرها ونقله ابن المنذر عن أصحاب ابن عباس كعطاء و طاؤس و عمرو بن دينار و يعقوب بن ابن التين حيث جزم بأن لزوم الثلاث لا اختلاف فيه وإنما الإختلاف في التحريم مع ثبوت الإختلاف كما ترى و يقوى حدیث ابن اسحق المذکور ما أخرجہ مسلم من طریق

عبداللہ تہاق عن معمر بن عبد اللہ بن طاہر عن
 ابیہ عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بکرٍ وثنتین
 من خلافتہ عمرٌ طلاق الثلاث واحدۃ
 فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد
 استعملوا فی أمر کانتم لہم فیہ اناۃ فلو
 أمضیناہ علیہم فأمضاہ علیہم۔
 (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۹۷)

عبداللہ بن طاہر عن ابیہ عن ابن عباس کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کے عہد کے شروع کے دو برسوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ تو عمرؓ نے کہا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلدی کی جس میں ان کے لئے غور و فکر کا موقع تھا، تو کہیں وہ تم ان پر تین طلاق لازم کر دیں تو انہوں نے ان پر تین طلاقیں لازم کر دیں۔

حافظ ابن حجر نے روایت پر کئے گئے چار اعتراضات میں سے تین کا جواب تو خود دے دیا، مگر تیسرے اعتراض کا ذکر کر کے خاموش ہو گئے ہیں، انہوں نے اسے قوی خیال کیا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض بھی قوی نہیں ہے۔ ابوداؤد نے "البتہ" کی روایت کو طلاق ثلاث کی اس روایت سے صحیح تر قرار دیا ہے جو انہوں نے ابن جریر سے روایت کی ہے۔ اس روایت کی سند میں مجہول راوی موجود ہے اور وہ یقیناً ضعیف ہے۔ مسند احمد کی مذکورہ روایت کو ابوداؤد نے روایت نہیں کیا ہے، نہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی موجود ہے، نہ اس روایت کے مقابلہ میں انہوں نے طلاق البتہ والی روایت کو صحیح تر بتایا ہے۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ کسی راوی نے غلطی سے "البتہ" کو "ثلاث" کے ہم معنی سمجھ کر البتہ کے بجائے "طلاق ثلاث" کی روایت کر دی ہو۔ کیونکہ یہاں صرف دو لفظوں کا فرق نہیں ہے، بلکہ دو واقعات الگ الگ ہیں۔ ایک روایت کی رو سے رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا کہ میری تیت ایک تھی۔ آپ نے قسم دلائی اور نیت کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ روایت اس باب میں خاموش ہے کہ اگر وہ تین کی نیت بتاتے تو آپ کیا فیصلہ فرماتے؟ — دوسری روایت کی رو سے واقعہ اس کے برعکس ہے کہ رکانہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کس طرح کی طلاق دی؟

کہا: تین طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا، ایک مجلس میں؟ رکانہ نے کہا، ایک ہی مجلس میں۔ آپ نے فرمایا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی۔ تو اگر تم چاہو تو رجوع کر لو۔ تو انھوں نے رجوع کر لیا۔ اس روایت کی رو سے نہ آپ نے نیت پوچھی، نہ رکانہ نے ایک کی نیت بتائی، نہ آپ نے نیت پوچھی، بلکہ رکانہ نے صراحت کی کہ میں نے تین طلاق دی اور ایک مجلس میں دی۔ یہ سُن کر آپ نے اُسے ایک طلاق قرار دیا اور رجوع کرنے کا رکانہ کو حق دے دیا۔ بہر حال یہ دو واقعے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، ان میں سے ایک ہی روایت صحیح ہو سکتی ہے۔ یہ صرف "البیہ" اور طلاق ثلاثہ کے اشتباہ کی بات نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:-

هَذَا الْحَدِيثُ قَالَ فِيهِ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنِي " اس حدیث میں ابن اسماعیل نے کہا، حَدَّثَنِي دَاوُدُ رَجُلٌ مِنْ شَيْخِ مَالِكٍ وَرَجَالُ الْمَعَارِضِ. وَابْنُ إِسْمَاعِيلَ إِذَا قَالَ حَدَّثَنِي فَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَهَذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ -

داؤد نے بیان کیا اور داؤد مالک کے شیوخ میں سے ہیں اور بخاری کے رواۃ میں سے۔ اور ابن اسماعیل جب حدیثی کہیں تو عمدتین کے نزدیک ثقہ ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ اچھی اسناد ہے۔ "

امام ابن قیم "اعلام الموقعین" میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد وحسنه فقال في حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده " أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى بنته علي أبي العاص بمهر جديد ونكاح جديد هذا حديث ضعيف أو قال وإي لم يسمع حجاج عن عمرو بن شعيب وإنما سمعه عن محمد بن عبد الله العزمي، والعزمي لا يساوي حديثه شيئاً -

" امام احمد نے اس سند کو صحیح بتایا ہے اور اس کی تحسین کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اُس حدیث کے بارے میں عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو ابوالعاص کے پاس واپس بھیجائے، ہمسرا اور نئے نکاح سے۔ اس حدیث کو انہوں نے ضعیف یا قوی بتایا اور کہا کہ حجاج نے عمرو بن شعیب سے اسے نہیں سنا بلکہ محمد بن عبد اللہ عزمی سے سنا اور عزمی کی حدیث کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ "

اسی سلسلہ کلام میں مزید فرماتے ہیں :-

والحدیث الصحیح الذی نئی أت
النبی صلی اللہ علیہ وسلم أقرها علی النکاح
الأول وإسناده هو إسناده حدیث
رکانہ بن عبد یزید، ہذا وقد قال
الترمذی فیہ لیس بإسناده بأس فیہذا
إسناده صحیح عند أحمد ولیس بہ بأس
عند الترمذی فهو حجة مال المدعیارضہ
ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده ما هو
نظیره أهما أقوى منه۔

” اور صحیح حدیث وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح
روایت کی گئی ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی اور ان کے شوہر کو
(اسلام لانے کے بعد) پہلے نکاح پر قائم رکھا۔ اور امام احمد کے
پاس اس کی سند بعینہ رکانہ بن عبد یزید کی روایت کی سند ہے۔
اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تو یہ
سند امام احمد کے نزدیک صحیح ہے اور ترمذی کے نزدیک
اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تو وہ حجت ہے جب تک اس سے
قوی روایت اس کے معارض نہ ہو، اور یہاں تو اس جیسے یا
اُس سے قوی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔“

(اعلام الموقعین - جلد ۲، صفحہ ۲۵۲)

ابوداؤد کی ترمذی پر امام ابن تیمیہ کی تنقید بیان کرتے ہوئے امام ابن قیم فرماتے ہیں :-
” ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) نے کہا، ابوداؤد نے اپنی سنن میں
حدیث روایت نہیں کی جو مسند احمد میں ہے یعنی جسے ہم نے
ابھی ذکر کیا ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ حدیث البتہ ابن
جسریج کی روایت سے صحیح تر ہے جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے
اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ کیونکہ اس حدیث کی روایت
کرنے والے رکانہ کے گھر کے لوگ ہیں۔ لیکن حدیث کے بڑے
بڑے امام جو حدیث کی علتوں اور فقہ سے واقف ہیں، مثلاً
امام احمد، ابن حقیل اور بخاری۔ انہوں نے حدیث البتہ کو
ضعیف قرار دیا ہے اور انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس حدیث
کے راوی مجہول لوگ ہیں جن کی عدالت اور انضباط کے بارے میں
معلوماً نہیں، اور امام احمد نے تین حلاق والی روایت کو ثابت
قال شیخنا رضی اللہ عنہ ابوداؤد لما لم
یروی فی سننہ الحدیث الذی فی
مسند أحمد یعنی الذی ذکرناہ انفاً
فقال حدیث البتہ أصح من حدیث
ابن جریج أت رکانہ طلق امرأته ثلاثاً
لأنہ أهل بیتہ ولكن الأئمة الأكابر
العارفون بعلم الحدیث والفقہ كالإمام
أحمد وأبی العقیل والبخاری ضعفوا حدیث
البتہ وبتوا أن رواة قوم مجاہیل لم
تعرف عدالتہم وضبطہم۔ وأحد ثبت
حدیث الثلاث وبتین أنه الصواب وقال

حدیث رکانۃ لایثبت انہ طلق
 امراتہ البتۃ فی روایت چنانہ حدیث
 رکانۃ فی البتۃ لیس بشیئی لأت ابن
 اسحاق یروی عن داؤد بن حصین عن
 عکرمۃ عن ابن عباس ان رکانۃ طلق
 امراتہ ثلاثاً وأهل المدینۃ یستمنون الثلاث
 البتۃ۔ قال الأثرم قلت لأحد حدیث
 رکانۃ فی البتۃ فضغف۔
 ٹھہرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہی روایت صحیح ہے اور انہوں نے
 کہا کہ رکانہ کی وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ
 دی ثابت نہیں ہے اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ رکانہ کی حدیث البتہ
 کوئی وزن نہیں رکھتی کیونکہ ابن اسحاق نے داؤد بن حصین سے انہوں
 کو روایت کیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو
 تین طلاقیں دی تھیں اور اہل مدینہ تین طلاقوں کو مستحکم نہیں انہیں
 کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے رکانہ کی حدیث بتہ کے بار میں
 پوچھا تو انہوں نے اس کی تضعیف کی۔

(اعلام المؤمنین۔ جلد ۲، صفحہ ۲۵)

ایک اور بات قابل ذکر ہے، اور وہ یہ کہ لوگ مُسند احمد کی روایت اور ابو داؤد
 کی ابن جریج والی روایت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں گو یا دونوں ایک ہی روایتیں ہیں اور فرق
 صرف سند کا ہے۔ حالانکہ دونوں میں سند کے علاوہ متن کا کھلا ہوا فرق ہے۔ سب سے
 اہم بات یہ ہے کہ تمام روایات کی رُو سے — البتہ والی روایات ہوں یا طلاق ثلاث والی —
 واقعہ کا تعلق رکانہ اور ان کی بیوی سے ہے۔ پھر اس روایت میں واقعات بالکل دوسرے
 ہیں، جو نہ مُسند احمد کی روایت میں ہے اور نہ ابو داؤد کی البتہ والی روایت میں۔ اس طرح
 ابن جریج کی روایت ایک الگ روایت ہے اور اس کا دوسری روایات سے کوئی معاوضہ
 نہیں ہے۔ اصل معاوضہ ابو داؤد کی طلاق البتہ والی اور مُسند احمد کی طلاق ثلاث والی روایت
 میں ہے اور دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ایک کو دوسرے
 پر ترجیح دی جائے، اور گذشتہ تصریحات کی رُو سے مُسند احمد کی طلاق ثلاث والی روایت
 کو ابو داؤد کی طلاق البتہ والی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ ابو داؤد کی طلاق البتہ والی روایت کی طرح مُسند احمد کی طلاق
 ثلاث والی روایت پر بھی کلام کیا گیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی قطعی اور
 آخری بات کہنا مشکل ہے۔ اب یا تو اختلاف اور اضطراب کی وجہ سے دونوں روایتوں کو

ساقط قرار دیکھئے۔ اس صورت میں صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت رہ جائے گی اور یہ بات کہ قرآن مجید سے تین طلاق کا، طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ آیات کے ظاہر الفاظ اس کے خلاف جاتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مُسنداً حمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت کو ترجیح دیجئے۔ اس صورت میں تنہا اس حدیث سے نہیں — کہ اس کے صحیح ہونے میں کچھ لوگوں کو کلام ہے — بلکہ صحیح مسلم کی روایت سے بل کر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق، طلاقِ مغلظہ بائنہ نہیں ہوتی۔ قرآن مجید سے استدلال اس کے علاوہ ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ابو داؤد کی طلاقِ البتہ والی روایت کو ترجیح دیجئے۔ مگر یہ روایت ایک طرف تو صحیح مسلم کی صحیح روایت سے ٹکراتی ہے — اگر طلاقِ البتہ والی روایت کا یہ مفہوم لیا جائے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے — دوسری طرف ایک ضعیف حدیث سے، خواہ وہ دوسری ضعیف حدیث کے مقابلہ میں راجح ہی کیوں نہ ہو، عورت کی حرمتِ مغلظہ جیسا حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ اس میں یہ بات صراحتاً موجود بھی نہ ہو۔

اوپر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماعِ اُمت سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اس کے برعکس صحیح مسلم اور مُسنداً حمد کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق، طلاقِ مغلظہ بائنہ نہیں ہے۔ وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ ائمہ اور علماءِ حق کی عظیم اکثریت اگرچہ کہ یہ رائے رکھتی ہے کہ یہ طلاق، طلاقِ مغلظہ بائنہ ہے، لیکن علماء کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اس رائے کی قائل ہے کہ یہ طلاق، طلاقِ مغلظہ بائنہ ہے اور یہی ہمارے نزدیک قولِ راجح ہے۔

لیکن اس قول کو قولِ مرجوح بھی قرار دیا جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ کتابِ سنتِ کنیٰ رو سے اس قول کے اختیار کئے جانے کی گنجائش ہے، اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ حالات و ضروریات اور مصالحِ اُمت کے تحت قولِ مرجوح پر فتویٰ دیا جائے۔ علماءِ حق نے بار بار ایسا کیا ہے۔ اس وقت کے حالات میں مسلمانوں کا سب سے

سنگین مسئلہ یہ ہے۔ اور ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ نہ اجماعی ہے نہ کتاب اللہ و سنت ثابتہ کی رو سے صریح و منصوص، بلکہ اختلافی اور اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس میں قولِ مرجوح کو اختیار کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ میں علماء اُمت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات و ضروریات کے تحت اس مسئلہ پر از سر نو غور فرمائیں اور ہزاروں لاکھوں خاندانوں کو تباہی سے بچائیں۔ میری ان معروضات سے سوال مگ اور مگ کا جواب تو واضح طور پر سامنے آگیا۔ اب میں پہلے اور دوسرے سوال کا جواب عرض کروں گا۔

نمبر ۱۔ میرے نقطہ نظر سے تو اس سوال کا جواب واضح ہے۔ طلاق، طلاق، طلاق کہے اور نیت ایک کی رکھے یا تین کی، اگر قائل نے یہ الفاظ ایک ہی مجلس میں کہے ہیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ نیت ایک کی ہو یا تین کی، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ حنفی نقطہ نظر سے بھی اس صورت میں جبکہ طلاق دینے والا کہے کہ میری نیت ایک ایک طلاق کی تھی۔ میں نے تو صرف تاکید کے لئے تین بار طلاق کہا تھا۔ دیانتہ ایک ہی طلاق ہوگی، مگر قضاءً تین طلاق شمار ہوگی۔ وقت آگیا ہے کہ حنفی فقہاء دیانت اور قضا کے اس فرق کو ختم کر کے نیت کے مطابق فتویٰ دینے کا فیصلہ کریں۔

یہ بات تو عربی زبان کی ہے۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ "طلاق، طلاق، طلاق، یا طلاق دی، دی، دی، یا طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" ان سب الفاظ کا تعداد کے لئے نہیں، تاکید کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب تک کوئی واضح قرینہ تعداد کے لئے نہ ہو، ان الفاظ کو تاکید ہی پر محمول کرنا چاہتا اور نیت کی کھوج میں نہ پڑنا چاہئے۔ لیکن اگر طلاق دینے والا صراحتہ کہہ رہا ہے کہ اس کی نیت ایک طلاق کی تھی تو لازماً اس کی بات مان لینی چاہئے۔ کیونکہ یہی بات ظاہر الفاظ کے بھی مطابق ہے۔

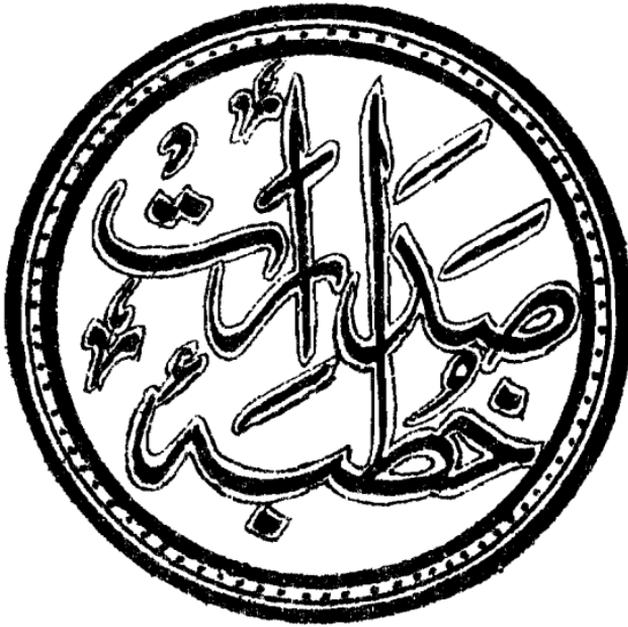
نمبر ۲۔ ہندوستان میں جہالت عام ہے۔ عوام ہی نہیں بہت سے دکلاز تک یہی سمجھتے ہیں کہ طلاق کی ایک ہی شکل ہے اور وہ یہ کہ تین طلاق کے الفاظ بولے یا لکھے

جائیں۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص حلفیہ یہ بیان دیتا ہے کہ اس کی مراد تین طلاق کے الفاظ سے صرف طلاق دینے کی تھی، تعداد مراد نہ تھی، تو اس کے بیان کو باور کر لینا چاہئے۔

جہاں تک میرے نقطہ نظر کا تعلق ہے، آدمی تین طلاق دے یا ہزار۔ اس سے طلاق مغلطہ بائنتہ نہ پڑے گی، صرف ایک طلاق پڑے گی، خواہ وہ تین یا ہزار دینے کی نیت کرے یا اس کا مقصود صرف طلاق دینا ہو۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود نہ فتویٰ دینا ہے، نہ بخت و مناظرہ کا باب واکرنا ہے۔ یہ اہل علم کے غور و فکر کے لئے ہمداد و پیش خدمت ہے۔ شاید اس سے انھیں اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کے سلسلے میں کوئی مدد مل سکے۔

ان أريد إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفيقى إلا بالله
عليه توكلت وإليه أنيب، وأخبر عموماً أن الحمد لله رب العالمين



انا

جناب مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب

صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت

مقالہ نگار حضرات جب اپنے مقالات سنا کر فارغ ہوئے تو مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب نے خطبہ صدارت پیش فرمایا، جو سیمینار کی اب تک کی کارروائی پر ایک مہذب و مہذبہ کی حیثیت رکھتا تھا، نیز جس میں شرکاء سے نقطہ اتفاق اور نقطہ اختلاف تلاش کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ مولانا موصوف کا یہ خطبہ جو تقریر کی صورت میں تھا، افسوس ہے کہ ٹیپ ریکارڈ کی خرابی کی وجہ سے ٹیپ نہ ہو سکا۔ تاہم اس کے جو نوٹ لے گئے تھے ان کے پیش نظر خطبہ صدارت کا خلاصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

حمود شنا کے بعد فرمایا، اس مذاکرہ میں جو مقالات پیش کئے گئے ہیں وہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ درجہ کے مقالے ہیں۔ مقالہ نگار علماء کرام نے نہایت محققانہ انداز میں طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر بحث کی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کچھ مزید اہل علم اس سیمینار میں شرکت فرماتے تو کس قسم کے خیالات کا اظہار فرماتے۔ جہاں تک علماء احناف کا تعلق ہے وہ ان مقالات کو پڑھ کر کیارائے دیتے ہیں، اس پر میں اس وقت کچھ کہنے کے موقف میں نہیں ہوں۔

زمانے کی ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں سے قطع نظر کر کے غور کیا جائے تو طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں دو فقہی مسلک (School of thoughts) ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک فقہی مکتب وہ ہے جو یکجائی تین طلاقوں کو منغلظہ قرار دیتا ہے، لیکن دوسرا ایک کے وقوع کا قائل ہے۔ اول الذکر کے سامنے جدید حالات و ضروریات زمانہ اور اس سلسلہ کی دوسری مشکلات لاکھ بیان کریں، لیکن وہ اپنے فیصلہ میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ شوہر کو کس نے مجبور کیا تھا کہ تین طلاق دے۔ لیکن ہمیں اس وقت ان اختلافات صرف نظر کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ شریعت کا حکم اصلاً اس سلسلہ میں کیا ہے۔

طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر سیمینار منعقد کرنا ایک نہایت جرأت مندانہ قدم ہے جس کے لئے اسلامک ریسرچ سنٹر کے ارکان قابل مبارک باد ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور حالات و زمانہ کی تبدیلی کے باعث اس کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی

ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر مختلف مسالک کے علماء کرام بیٹھ کر غور کریں اور ان مشکلات پر قابو پانے کی کوئی سبیل نکالیں جن سے مسلمان دوچار ہیں۔

بمبئی میں جو بے مثال آل انڈیا مسلم پرسنل لاکونشن منعقد ہوا تھا اس کے سامنے بھی یہ مسئلہ کسی نہ کسی حیثیت سے موجود تھا، لیکن اس وقت ہمیں صرف اس بات پر غور کرنا تھا کہ مسلم پرسنل لایں حکومت کو مداخلت یا ترمیم و تفسیح کا حق ہے یا نہیں۔ لیکن اس وقت تین طلاق کا مسئلہ ابھر کر سامنے آ گیا ہے اور جدید حالات کے کچھ تقاضے بھی سامنے آرہے ہیں، ان میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے، اس پر غور ہونا چاہئے اور مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک ریسرچ سنٹر نے یہ قدم اٹھا کر ایک راستہ کی نشاندہی کر دی ہے۔ میری یہ خواہش ہوگی کہ یہاں جو کچھ طے ہو وہ سب اٹھا کر پرسنل لا بورڈ کے سامنے رکھ دیا جائے۔ اسی طرح اتحاد و تعاون سے کوئی بڑا کام ہو سکتا ہے، ورنہ انتشار پیدا کرنا تو آسان ہے اتفاق و یکجہتی کی نضا بڑی مشکل سے بنتی ہے۔ اس سیمینار میں مختلف مکتبہ فکر کے لوگ شریک ہیں، لیکن کوشش کی جائے تو ایک مشترک نقطہ نظر سامنے آ سکتا ہے۔

یہاں جو مقالات پڑھے گئے ہیں ان کی علمی حیثیت کا جہاں تک تعلق ہے تمام ہی پہلو بظہر کر سامنے آ گئے ہیں۔ ان میں حنفی نقطہ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے، اہل حدیث مسلک بھی سامنے آ گیا ہے اور ایک طرز فکر وہ بھی پیش کیا گیا ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ مولانا عروج قادری صاحب نے حنفی نقطہ نظر کو وضاحت سے پیش کیا ہے، تاہم موصوف نے حالات کے پیش نظر ایک اعتدال کی راہ بھی دکھائی ہے۔ مولانا مختار احمد ندوی اور مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری نے اہل حدیث طرز فکر سے بحث کی ہے۔ مولانا محفوظ الرحمن صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب اور مولانا شمس میرزا دے صاحب نے موضوع پر وسیع نظری کے ساتھ بحث کی ہے۔ نیز مولانا حامد علی صاحب نے بڑی کاوش کے بعد ایک گراں قدر اور مبسوط مقالہ سپرد قلم کیا ہے جس میں اس سلسلہ کی ایک ایک حدیث کی تفسیح و تنقید مناسب انداز پر کی ہے۔

ائمہ اربعہ کی نظروں سے مسئلہ کے یہ پہلو کیسے اوجھل رہے؟ یہ بات سمجھ میں

نہیں آتی۔ خصوصاً امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں جنہیں دس لاکھ حدیثیں اسناد و متن کے فرق کے ساتھ حفظ تھیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زمانہ میں کچھ معاشرتی مسائل کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ مسلم عورتیں اپنے غیر مسلم آشناؤں کے ساتھ اسلام چھوڑ کر چلی جا رہی تھیں۔ اس لئے موصوف نے پیش آمدہ مسائل پر علماء سے مشورہ کیا اور ”الحیلۃ الناجزۃ“ کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں ان مسائل کا حل تجویز کیا گیا ہے۔

ہمارے علماء پوتے کی وراثت کے سلسلہ میں تو کچھ توسع پیدا کرتے ہیں، لیکن تطلیقاتِ ثلاثہ کے باب میں کہا جاتا ہے کہ اس پر اجماع ہے لہذا ترمیم کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ اجماع اس قسم کا نہیں ہے کہ اس کے بعد کلام کی گنجائش نہ ہو، بلکہ یہ اجماع سکتی ہے۔

نئے حالات و مسائل ہی نے فقہ کی تدوین کا احساس دلایا تھا۔ مدینہ میں تو صحابہ کرامؓ کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے کتاب و سنت کافی تھے۔ البتہ جب صحابہؓ آگے بڑھے تو کوفہ و بصرہ وغیرہ میں نئے حالات اور نئے مسائل سامنے آئے۔ چنانچہ علماء مجتہدین نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور فقہ کی تدوین کی اور ساتھ ہی مختلف مسائل کی اصل اور نص واضح کی۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کے مسئلہ میں حنفی نقطہ نظر یہ ہے کہ یکجائی تین طلاق میں ہی پڑیں گی۔ لیکن احناف کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ ایک سے زیادہ طلاق اگر تاکید کے لئے ہے یا نیت تین دینے کی نہیں تھی تو تین واقع نہیں ہوں گی۔ قاضی حان میں ”فانہ کی بحث موجود ہے۔ یعنی ”فانتِ طالوع“ کہنے کا کیا اثر طلاق پر پڑتا ہے۔ لوگ جہالت کی وجہ سے تین طلاق دے دیتے ہیں، لیکن ان کی نیت تین کی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔ طلاقِ بدعی کو اُسوہ حسنہ کی حیثیت نہیں دی جانی چاہئے۔ جو لوگ تین کے قائل ہیں ان کے یہاں بھی ایسی شکلیں ہیں کہ ایک کی گنجائش نکل سکتی ہے ہیں چاہئے کہ یہاں ہم جو بھی فیصلہ کریں، اتفاق رائے سے کریں اور اس بات

کا بھی لحاظ رکھیں کہ کچھ خواتین ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو مرد سے کسی قسم کا تعلق باقی ہی نہ رکھنا چاہتی ہوں۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں جو دشواریاں اُسندہ پیدا ہو سکتی ہیں، نیز جو غلط فہمیاں ہو سکتی ہیں، ان کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

طلاق کے صحیح طریقہ کی تشہیر وسیع پیمانہ پر کی جانی چاہئے۔ اسلامک ریسرچ سنٹر کو چاہئے کہ اس سلسلہ میں جدوجہد کرے۔ اس وقت جو مذاکرہ ہو رہا ہے، ملک میں بہت سے لوگوں کو اس کا علم بھی نہیں ہے۔ اس کی تشہیر ہونے کے بعد جو مسائل کھڑے ہوں گے، اُن کا ہمیں سامنا کرنا ہوگا۔ بہر حال ہم وقت کے مسائل اور ملت کی ضرورتوں سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کے سیمینار اور بھی منعقد کئے جائیں تاکہ مسائل منقح ہوں اور اُن کا حل اُبھر کر سامنے آئے۔

وما علینا الا البلاغ

طلاق کے معاملہ میں احتیاط اور اصلاح کی ضرورت



۱۸۱

شمس پیرزادہ

امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر

رشتہ نکاح کی اہمیت | نکاح وہ مضبوط بندھن ہے جس میں مرد و عورت ایک عہد و پیمانے کے ذریعہ بندھ جاتے ہیں۔ اس بندھن کے معاشرتی زندگی پر

نہایت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس لئے اسلام اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں نکاح کو میثاقِ غلیظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَآخِذْنَ مِنْكُمْ مِّثْقَاً غَلِيظًا (نساء-۲۱) "اور وہ تم سے میثاقِ غلیظ (مختہ عہد) لے چکی ہیں۔"

اس رشتہ کو میاں بیوی کے درمیان محبت و الفت اور مودت و رحمت کا ذریعہ بنایا گیا ہے تاکہ دونوں کو راحت و سکون حاصل ہو اور وہ نہایت خوشگوار زندگی بسر کر سکیں۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (موم-۲۱) "اور اُس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی۔"

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (اعراف-۱۸۹) "اُس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔"

هُنَّ لِيَاسٍ لَكُمْ وَانْتُمْ لِيَاسٍ لَهُنَّ (بقرہ-۱۸۸) "وہ تمہارے لئے لیاس ہیں اور تم اُن کے لئے لیاس ہو۔"

یعنی تمہارے درمیان نکاح کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا جسم اور لیاس کے درمیان ہوتا ہے۔ لیاس جسم سے متصل ہوتا ہے، اسی طرح زوجین کے دل ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں۔ لیاس ستر پوشی کرتا ہے، اسی طرح زوجین ایک دوسرے کی ستر پوشی کرتے ہیں۔ لیاس خارجی اثرات سے جسم کو بچاتا ہے، اسی طرح زوجین ایک دوسرے کو عزت پر اثر انداز ہونے والی باتوں سے بچاتے ہیں۔ لیاس جسم کے لئے زینت ہے، اسی طرح زوجین بھی ایک دوسرے کے لئے زینت ہیں۔

طلاق دینے میں احتیاط | ازدواجی تعلق کی اس اہمیت کے پیش نظر جو مرد و زن رشتہ نکاح میں بندھ چکے ہیں، اُن کو باہم جمع رکھنے کی

انتہائی کوشش کی جانی چاہئے۔ لیکن جب موافقت کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہنے پر اصرار مناسب نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے علحدگی کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ بالفاظ دیگر طلاق ایسی صورت میں دی جانی چاہئے جبکہ ناگزیر ہو۔ بیوی میں اگر کوئی عیب، خامی یا کمزوری موجود ہے تو اس پر طلاق کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَمَعْنَى

اُن کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہو تو ہرگز

اَنْ تَكْرَهُوا نِسَاءً وَتَجْعَلَ لِلَّهِ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء، ۱۹) کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے اُس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔

اگر بیوی میں ایک نقص ہو تو اُس کے بالمقابل خوبیوں کے دوسرے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں۔ مثلاً

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت خوبصورت نہیں ہوتی، لیکن خوب سیرت ہوتی ہے۔ لہذا تنگ نظری سے کام لے کر

محبوب و ناقص کو دیکھنے کے بجائے وسیع النظری سے کام لے کر اُن اچھائیوں اور خوبیوں کو دیکھنا چاہئے جو

ادراجی زندگی کے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا يَفْرَقُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا • كَوْنِيْ مَرْوَسٍ مِنْ عَوْرَتِ سَعْدِ بْنِ عَدِيٍّ • اِذَا نَكَحْتُمُوهُنَّ فَمَعْنَى

عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری عادت ناپسندیدہ ہوگی۔ (مسلم)

اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عورتیں عموماً جذباتی ہوتی ہیں، اِس لئے وہ اُلجھتی زیادہ ہیں۔ اس کا کوئی اثر

قبول کرنے کے بجائے مرد کو معاملہ فہمی سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ قوام ہونے کی حیثیت سے اُس کا کام ہی مسائل کو حل کرنا

اور اُلجھی ہوتی گفتھیوں کو سلجھانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے موثر انداز میں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے:

اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَانْفَنَ خُلُقِنَّ مِنْ ضَلَعِ

مورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو، کیونکہ انہیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔

وان اعوج شئ و فی الضلع اعلاہ فان ذہبت

اور پسلی میں سب سے بڑھ چڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے

قعیعہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج

جاؤ گے تو توڑ کر رکھ دو گے اور اُس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ اپنے حال پر

رہے گی۔ اس لئے عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک ہی کرنا چاہئے۔

فاستوصوا بالنساء (متفق علیہ)

دوسری حدیث میں ہے :-

اِنَّ الْمَرْءَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضَلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلٰی طَرِيقَةٍ

عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کبھی سیدھی نہیں ہوگی، لہذا اگر تم اس سے فائدہ

فان استمعت بہا استمعت بہا و بہا عوج وان

اٹھانا چاہتے ہو تو اسی سال میں فائدہ اٹھا سکتے ہو کہ وہ طبعی طور پر تم سے سیدھی

ذہبت تَقِيْمًا كَسَرْتَهَا وَان كَسَرْتَهَا طَلَّقَهَا •

کرنے جاؤ گے تو توڑ کر رکھ دو گے اور اِس کا توڑنا طلاق دینا ہے :-

طلاق کے اثرات معاشرتی زندگی پر

اسلام نے طلاق کو نہایت ہی ناپسندیدہ چیز قرار دیا ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّهُ كَزَيْدِكَ حَلَالٍ حَبْرًا مِنْ سَبْعِ زَيَادَةٍ نَاطِقَةٍ حَبْرًا طَلَّقَ • (ابوداؤد)

اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے :-

طلاق کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور طلاق کے نتیجہ میں متعدد مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں:-

(۱) اگر بیوی سے اولاد ہے تو اُن کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور ماں باپ کی جلدائی سنے بچوں کی نفسیات پر بُرے اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں۔

(۲) میاں بیوی کے گہرے میل ملاپ کے بعد جلدائی سخت ذہنی کوفت کا باعث بن جاتی ہے اور دل بھی زخمی ہو جاتے ہیں۔

(۳) بیوی کے لئے گندہ سبر کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے ہمارے ملک میں جہاں پہلے سے معاشی حالات خراب ہیں اور روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں، ایک عورت کو طلاق کی صورت میں جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) موجودہ حالات میں عورت کے لئے عقد تانی کرنا آسان نہیں ہے اور عام طور سے اُسے بغیر عقد کئے ہی زندگی گذارنا پڑتی ہے۔ اس لئے طلاق اسی صورت میں دینا چاہئے جبکہ بالکل ناگزیر ہو، لیکن آخری طور سے طلاق دینے کا فیصلہ کرنے سے پہلے مصالحت کی ایک کوشش حکم کے ذریعہ کی جانی چاہئے۔ یعنی عورت اور مرد دونوں کی طرف سے ایک ایک نمائندہ ہو جو باہم موافقت کے لئے کوشش کرے۔ اگر خدا نخواستہ یہ کوشش کامیاب نہ ہو تو پھر طلاق دینے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ | ایسی صورت میں جبکہ طلاق ناگزیر ہو تو طلاق دینے کا شرعی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ: (۱) صرف

ایک طلاق دی جائے۔ یعنی شوہر بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی: یا تجھے طلاق ہے: بس ایک طلاق دینے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ (۲) طلاق دو عادل گواہوں کی موجودگی میں دی جائے۔ (۳) حالتِ طہر میں طلاق دی جائے۔ یعنی اُن دنوں میں جن میں عورت کو ماہواری آئی ہوئی تہہ ہو اور اس حالتِ طہر میں اُس نے مجامعت بھی نہ کی ہو۔ یعنی ماہواری گزرنے کے بعد عورت پاک صاف ہوئی ہو اور اس پاکیزگی کی حالت میں مرد نے مقاربت نہ کی ہو۔ (۴) ایک طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے دی جائے۔ عدت تین ماہواری تک ہے۔ یا اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک ہے اور جس عورت کو ایام نہ آتے ہوں اُس کی عدت تین ماہ ہے۔ یعنی جس دن طلاق دی تھی اُس دن سے تین قمری ماہ تک۔ عدت کے اندر مرد رجوع کر سکتا ہے۔ رجوع کے لئے صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ "میں نے رجوع کر لیا"۔ البتہ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں رجوع کیا جائے۔ (۵) عدت کے اندر اگر رجوع نہیں کیا ہے تو عدت گزرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ یعنی مرد کو اب رجوع کا حق باقی نہیں رہا۔ لیکن مرد اور عورت دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

طلاق کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس لئے اگر غصہ کی حالت میں طلاق کا فیصلہ کیا گیا تھا تو عدت کے گزر جانے کے بعد بھی دوبارہ نکاح کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے اور کچھ سنانے کی نوبت نہیں آتی۔
قرآن و سنت کی رو سے طلاق دینے کا صحیح اور بہترین طریقہ یہی ہے۔

طلاق دینے کا غلط طریقہ | اس کے برعکس طلاق دینے کا غلط اور غیر شرعی طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت میں طلاق دی جائیں چنانچہ عام طور سے یہ بات

سامنے آتی رہتی ہے کہ مرد نے غصہ میں آکر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالیں۔ ایسی طلاق طلاقِ بدعت کہلاتی ہے جو کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ شریعت نے مرد کو طلاق دینے کا جو اختیار دیا ہے، اس کو اسی طریقہ پر استعمال کرنا چاہئے جو طریقہ شریعت نے اس کے استعمال کا مقرر کیا ہے۔ اس طریقہ سے ہٹ کر اس اختیار کو من مانے طریقہ پر استعمال کرنا دین کے ساتھ مذاق کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلاف سنت، بدعت اور صریح گناہ کا کام ہے۔ اس سے پھر ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے اور ایک واقع ہونے کا مسئلہ۔ جو اُمت کے درمیان بڑا اختلافی مسئلہ ہے۔ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس شخص میں آدمی اپنے کو ڈالے ہی کیوں؟ لیکن جو لوگ اپنے کو اس شخص میں ڈالتے ہیں وہ اس سے نکلنے کی بڑی تہیج صورت اختیار کرتے ہیں۔ یعنی بیوی کو ایک دن کے لئے کسی کے نکاح میں دے کر حلالہ کرانے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس کو حدیث میں مستوجب لعنت قرار دیا گیا ہے۔

عام طور سے لوگ دین کے احکام سے عدم واقفیت کی بنا پر یا اس سے بے پروا ہو کر طلاق دینے کا غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں اور نتیجہ صرف اپنے لئے ہی نہیں بلکہ معاشرہ کے لئے بھی مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ معاشرتی زندگی کے ان اُلجھے ہوئے مسائل کو دیکھ کر اسلام کے مخالفین شریعت اور مسلمانوں کے پرسنل لاہی کو نشانہ بنانے اور شرعی قوانین میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ لہذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان طلاق کے معاملہ میں اسلام کے احکام سے واقفیت حاصل کریں اور حالات سے متاثر ہو کر یا جذبات سے مغلوب ہو کر یہ ایک قتلِ تین طلاقیں دینے کا غلط اور غیر شرعی طریقہ ہرگز ہرگز اختیار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کے احکام پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اعتراضات کے جوابات

طلاق بندوق کی گولی نہیں ہے

اَنَا مَوْلَانَا سَيِّدًا أَحْمَدُ عُرُوجٌ قَادِرِي حَبِيبًا
اِيڈیٹر ہانامہ تجلی، دیوبند مولانا مہتممانی صاحب نے اپنے پرچم میں مولانا عروج قادری

صاحب کے مقالہ پر جو تبصرہ کیا تھا، اس کا جواب مولانا عروج قادری صاحب نے انہیں ایک مراسلہ کی شکل میں روانہ فرمایا۔ ذیل میں اسی مراسلہ کی نقل شائع کی جا رہی ہے۔ (محرمیت)

مکرمی و محترمی !
اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهَا

ایک مجلس بابیک کلمہ تین طلاقیوں کے مسئلہ پر رام پور میں آپ نے جو گفتگو کی تھی میں برابر اس پر غور کرتا رہا اور اب طلاق تبرک کے مطالعہ کے بعد بھی اس پر غور کیا۔ آپ نے میرے دونوں مقالوں پر احوالاً جو کچھ لکھا ہے، اس کو بغور پڑھنے کے بعد بھی مجھے اپنے موقف میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں اس خط میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس پر آپ غور فرمائیں (۱) یہ سب تاروالے مقالے میں نہیں ہے جو کچھ لکھا ہے، اس کی دو باتوں پر آپ نے اعتراض کیا ہے، ایک یہ کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ احادیث نبوی اور آثار صحابہ نے پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں تو پھر کس بنیاد پر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ:

”اگر طلاق دینے والے نے اس خیال کے تحت تین کی مراد کے ساتھ طلاق دی ہے، تو اس کے بغیر

طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو اسی تین طلاقیوں کو ایک شمار کیا جانا چاہئے“

اس پر آپ نے جو اعتراض کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قانون سے ناواقفیت دین و دنیا کے کسی قانون میں مدد دینے نہیں اور اگر اس طرح کی مفروضہ جہالت جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے تسلیم ہی کر لی جائے تو لوگوں کا جہل، کسی فعل کی تاثیر میں آخر کار کاوش کیسے بن سکتا ہے۔ اسی بات کو سمجھانے کے لئے آپ نے مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے بھری ہوئی بندوق داغ دے اور گولی کسی انسان کے سینے میں لگ جائے تو وہ زخمی ہو ہی جائے گا۔ بھولے سے داغی ہوئی گولی بے اثر نہیں رہے گی۔

میں پہلے یہ یاد دہانی کرنا چاہتا ہوں کہ احادیث نبوی اور آثار صحابہ کے حوالے سے میں نے جو بات لکھی ہے

اس کا تعلق علم و فہم کے ساتھ طلاق دینے سے ہے۔ میں نے مقالے کے اخیر میں صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے:

”میں اور یہ مقالے میں واضح کر چکا کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے

ڈالے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔“ (سبند مجی، طلاق نمبر ص ۲۰)

میں نے مزید صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

”جو لوگ یہ جان کر اور کچھ کر کو ایک دفعہ و یک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالنے سے تین طلاقیں طرہ

ہو جاتی ہیں، تین طلاقیں دے ڈالیں، ایسے لوگوں کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا میرے

نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص تین طلاقیں دینے کی نیت سے میں نے طلاق دی،

میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی کہے تو تین طلاقیں ہوں گی۔ ان کو ایک قرار دینا میرے نزدیک

صحیح نہیں ہے۔“ (ایضاً، ص ۲۰)

ان صراحتوں سے معلوم ہوا کہ میری وہ دونوں عبارتیں جنہیں آپ نے اپنے تبصرے میں نقل کیا ہے دو صورتوں سے متعلق ہیں اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس یاد دہانی کے بعد اب میں آپ کے اعتراض کے سلسلے میں عرض کرتا ہوں۔

میں نے امارت اور دفعہ کا جو مطالعہ کیا ہے اُس سے یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ طلاق، بندوق کی گولی نہیں ہے۔ یک دفعہ تین طلاقیں دینے والے ”جاہل طلق“ کی طلاقوں کو بندوق کی گولی سے تشبیہ دے کر معارضہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ بندوق کی گولی کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی پاگل بھی کسی شخص کے سینے پر تین گولیاں داغ دے تو تینوں اس کے سینے میں پیوست ہو جائیں گی، لیکن اگر وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو ایک بھی واقع نہیں ہوگی اور اُس پاگل کے الفاظ طلاق ہر اسی تحلیل ہو جائیں گے۔

دوسری مثال :- زید سو یا ہوا ہے اور بھری ہوئی بندوق اُس کے نعل میں رکھی ہوئی ہے۔ نیند میں اس کا ہاتھ سبلی پر پڑھاتا ہے، گولی نکلتی ہے اور اُس کی بیوی کو زخمی کر دیتی ہے۔ اور یہی زید نیند میں اپنی بیوی کو ایک، دو، تین طلاقیں دے ڈالتا ہے۔ کیا تین طلاقیں اُس کی بیوی پر واقع ہو جائیں گی؟ نہیں۔ ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی۔

تیسری مثال :- زید نے ناواقفیت میں گتے کا ایسا رس پی لیا جس میں نشہ پیدا ہو گیا تھا اور اس نشے میں اُس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ یہ طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

چوتھی مثال :- زید نے جان بوجھ کر شراب پی لیکن اس سے اس کے سر میں شدید درد پیدا ہو گیا اور اس نے درد کی شدت میں اپنی بیوی کو طلاق دی۔ یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

فقالت ما قلت شيئاً فقال هات ما استميت
 فقالت سميتي حلية طالق قال فانت
 حلية طالق فجات الى عمر فقالت له
 ان زوجي طلقني فجات زوجها فقطعت
 القصة فاجع عمر اسها وقال له
 خذ بيدها واجع رأسها -
 (فتح القدير ج ۳ - مطبوعه مصر ص ۷۷)

عورت نے کہا یہ تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا، شوہر نے کہا، تو اب تمہیں اپنا کوئی نام بتانا
 اس نے کہا میرا نام حلیہ طالق، رکھو، شوہر نے کہا، تو غلیظ طالق ہے، اس کے بعد
 وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس گئی اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔
 اس کے پیچھے اس کا شوہر پہنچا اور اس نے پورا قصہ سن لیا۔ اس کی بات سن کر حضرت
 عمرؓ نے عورت کے سر پر ضرب لگائی (دُتہ مارا) اور شوہر سے کہا، اس کا
 ہاتھ پکڑو اور عورت کے سر پر ضرب لگائی :-

شوہر نے بیوی سے مخاطب ہو کر اس کو آنت حلیہ طالق کہا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق بائن
 پڑ جاتی ہے لہذا یہی اس عورت کا مقصد تھا۔ حضرت عمرؓ نے دھوکا دے کر کہلوایے ہوئے الفاظ طلاق کو طلاق تسلیم نہیں کیا۔
 شوہر نے نادانی میں دھوکا کھا کر وہ الفاظ کہہ دیئے تھے اس کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ شاید عورت کو یہ غلط فہمی تھی کہ خواہ
 جس طرح بھی ہو شوہر کے منہ سے وہ اپنے لئے طلاق کا لفظ نکلوا دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے دوسرے نے
 اس عورت کو تیار دیا ہو گا کہ اس کا خیال غلط تھا۔ لفظ طلاق بندوق کی گولی نہیں ہے۔

نادانی کی وجہ سے دھوکے میں الفاظ طلاق منہ سے نکلنے کی ایک اور مثال، امام ابن الہمام نے خلاصۃ
 کے حوالے سے لکھی ہے :
 قالت لزوجها اقراصلی - اعتدی أنت
 طالق ثلاثاً ففعل طلقت ثلاثاً فی
 القضاء لا فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ إذا
 لم یعلم الزوج ولم ینو -
 (ایضاً - ص ۴۶)

عورت نے شوہر سے کہا تم مجھے یہ الفاظ سناؤ، قت گزار تھے میں طلاق
 شوہر ایسا ہی کیا تو اگر شوہر الفاظ کا مطلب نہیں جانتا تھا اور اس کی نیت
 بھی طلاق دینے کی نہیں تھی تو قصہ اس عورت پر نیز طلاق پڑ جائے گی لیکن اس کے
 اور اللہ تعالیٰ کے درمیان یہ طلاق واقع نہ ہوگی :-

جہالت کی وجہ سے دھوکا کھا کر شوہر نے جو الفاظ طلاق منہ سے نکالے اس کی وجہ سے قاضی کی عدالت میں تو
 تین طلاق واقع ہو جائے گی لیکن دیانہ طلاق واقع نہ ہوگی یعنی طلاق فی الحقیقت واقع نہ ہوگی لیکن قاضی وقوع طلاق کا
 فیصلہ کر دے گا۔ سوال یہ ہے کہ اسی طرح کا واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا اور انہوں نے
 وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں کیا اور اس کے ثبوت میں ابن الہمام نے یہ واقعہ فتح القدير میں نقل کیا ہے تو پھر فریب دہی کے

اس واقعے میں جس کا ذکر خلاصہ کے حوالہ سے گذرا، قاضی یہ فیصلہ کیوں نہیں کرتے تاکہ طلاق واقع نہیں ہوئی؛ یہ بہر حال فقہ حنفی یہ تو صراحتاً کہہ رہی ہے کہ نادانی کی وجہ سے قصد طلاق کے بغیر تین طلاق کے الفاظ منہ سے نکل جائیں تو ریائتہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ اب اگر ہم یہ فیصلہ کریں کہ ایسی صورت میں قضاء بھی طلاق واقع نہ ہوگی تو حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے پیش نظر اس کو بالکل بے اساس اور بے بنیاد نہیں کہا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ قاضی ظاہر الفاظ پر فیصلہ کرتا ہے، کیونکہ دل کا حال اُسے معلوم نہیں، لیکن اگر قرینہ موجود ہو تو شوہر کے بیان پر فیصلہ کرنے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک اور مثال کتب فقہ میں موجود ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ذخیروہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے:

وإذا قال لامرأة أنت طالق ولا يعلم أنت "اور جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أنت طالق" لیکن اسے یہ نہیں معلوم
 هذا القول طلاقٌ طلقت في القضاء "کہ یہ قول طلاق ہے تو اس کی بیوی پر قضاء طلاق چڑ جائے گی لیکن اس
 ولا تطلق فيما بينه وبين الله تعالى "اور اللہ تعالیٰ کے درمیان طلاق واقع نہ ہوگی۔"

(ج ۱، مطبوعہ مصر، ص ۳۵۲)

اس صورت میں بھی کہنے والے کا عدم علم حقیقتاً اور ریائتہ وقوع طلاق سے مانع بن گیا ہے۔ وہ طلاق کے صریح الفاظ "أنت طالق" ہی کہتا ہے اور اس کے معنی بھی جانتا ہے، لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ اصطلاحی طور پر انہیں الفاظ سے بیوی کو طلاق دی جاتی ہے۔ اس پہل کی وجہ سے اس کی بیوی پر ریائتہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ کتب فقہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہر صورتوں میں ریائتہ طلاق واقع نہیں ہوتی، ان میں منعی تو عدم وقوع کانتوی دے گا البتہ اگر قاضی کے پاس مقدمہ دائر نہ ہو جائے تو وہ وقوع طلاق کا فیصلہ کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو "أنت طالق" کہے اور پھر بیوی سے یہ بیان کرے کہ میری نیت اس جملے سے یہ تھی کہ تو اس تید یا پابندی سے آزاد ہے جو میں نے تجھ پر لگا رکھی تھی تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف قضاء طلاق واقع ہوگی، ریائتہ نہ ہوگی۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی نے لکھا ہے:

أى نصح نيتة فيما بينه وبين ربّه تعالى لأنه
 نوى ما يتعمله لفظه فيقتيه المفتى بعد
 الوقوع. أم القاضى فلا يصدقه ويقضى
 عليه بالوقوع لأنه خلاف الظاهر بلاذنية

(شامی ج ۲، مطبوعہ مصر، ص ۶۶)

ظاہر لفظ کے خلاف ہے اور کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے۔

علامہ شامی کی یہ عبارت اس لحاظ سے خاصی اہمیت رکھتی ہے کہ اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو قاضی بھی طلاق واقع نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اب میں ایک عادیسی مثال پیش کرتا ہوں جس میں نادانی وجہ کی وجہ سے دی ہوئی طلاق کے بارے میں فقہاء احناف کے ایک گروہ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق قضاء بھی واقع نہ ہوگی۔ وہ مثال یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے شوہر سے اپنے لئے طلاق کے الفاظ کہلاوائے اور شوہر کو ان الفاظ کے معنی معلوم نہیں ہیں، اس صورت میں مشائخ اوزجد کا فیصلہ ہے کہ طلاق بالکل واقع نہ ہوگی، نہ دیانۃً اور نہ قضاءً۔ (بحر الرائق - ج ۳ - مطبوعہ مصر ص ۲۵۷)

بحر الرائق پر علامہ شامی نے جو حاشیہ لکھا ہے اس میں تنازعہ خانیہ کے حوالہ سے یہ صراحت کی ہے کہ اوزجد میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور قاضی امام محمد اور جندی نے شوہر کے دوسرے فقہاء و احناف سے اس مسئلے میں مشورہ کیا اور سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اس صورت میں طلاق بالکل واقع نہ ہوگی۔ یعنی اگر مقدمہ قاضی کے پاس جائے تو وہ بھی وقوع طلاق کا فیصلہ نہ کرے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشائخ اوزجد نے شوہر کی جہالت اور قریب خوردگی کو قضاء بھی مؤخر معتبر تسلیم کیا۔

یہ تفصیل اس بات کی وضاحت کے لئے پیش کی گئی ہے کہ جہل فقہ حنفی میں دیانۃً تو عقد معتبر ہے ہی بعض حالات میں قضاء بھی اس کو عقد معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔ اپنے چونکہ مسئلے کا ایک رُخ ملاحظہ کیا ہے اس لئے یہ مثالیں نظر سے اوجھل رہ گئیں یا اپنے انہیں نظر انداز کر دیا میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں میں جس نتیجے تک پہنچا ہوں وہ فقہی نقطہ نظر سے بالکل بے اساس رہے بنیاد نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْغَيْبِ

(۲) ایک مجلس کی تین طلاقوں کے طلاق بائن معتقد ہونے پر اجماع کے دعویٰ کو میں نے اپنے مقالے میں محمل نظر قرار دیا ہے۔ اپنے مجھ سے اس پر گفتگو کی تھی اور طلاق نمبر میں بھی اپنے اس پر گفتگو کی ہے۔ اس کے باوجود اس مسئلے کو اجماعی اور ظنی سمجھا دیا ہے۔ میرے نزدیک دعویٰ اجماع کے عمل نظر ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت اس مسئلے پر اجماع کا انکار کرتی آرہی ہے۔ (اس سلسلے میں میں نے غلطی سے ابن حزم کا نام بھی لکھ دیا تھا میرے حواشی میں "بعض أهل الظاہر" کے الفاظ محفوظ تھے۔ لکھے وقت داؤد ظاہری کے زمانے ابن حزم کا نام تلم بند نہ گیا۔ اس غلطی پر آپ کی تنبیہ کا میں شکر گزار ہوں۔)

علامہ کی جو جماعت دعویٰ اجماع کا انکار کرتی آرہی ہے اس میں ظاہر ابن تیمیہ اور ابن تیمیہ جیسے اساطیرِ نبوت بھی شامل ہیں۔ میں اس کو ایک ثبوت اس لئے لانا ہوں کہ اگر اس مسئلے پر اہل اہلبیت یعنی اہل بیت پر اجماع ثابت ہوتا تو یہ

لوگ اس کا انکار نہ کرتے، کیونکہ کسی مسئلے پر ثابت شدہ اجماع سے انکار گمراہی ہے۔

دعویٰ اجماع کے محل نظر ہونے کا دوسرا ثبوت میرے نزدیک یہ ہے کہ جو علماء و فقہاء ایک مجلس کی تین طلاقوں کے طلاق بائن مطلق ہونے کے قائل ہیں وہ بھی اپنی کتابوں میں اسے اختلافی مسئلہ قرار دیتے آ رہے ہیں اور متعدد صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء کی طرف یہ منسوب کرتے آ رہے ہیں کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک تسلیم کرتے تھے۔ اپنے اس سلسلے میں لکھا ہے:

”میریزندگی کا اجماع میں شبہ ظاہر کرنا ظاہراً معقولیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ مجاہد پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سیکڑوں سال سے اہل علم اپنی کتابوں میں اختلاف کا ذکر کرتے ہی آ رہے ہیں اور علمائے خلف کی کتابیں بھی اس ذکر سے خالی تھیں۔“

واقعی ایسی صورت میں یہ سمجھنا ہی چاہئے کہ مسئلہ کسی درجے میں اختلافی ہے، لیکن ہم نہ انہیں بتایا کہ یہ حقے اور اختلاف کا نتیجہ دراصل خوارج اور وائض کلبویا ہوا ہے۔ دس بارہ نام جو بعض کتابوں میں اختلاف کرنے والوں کے درج ہو گئے ہیں وہ سب دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے ان میں سے تو کسی ایک کی طرف بھی اختلاف کی نسبت کذب و افتراء کے سوا کچھ نہیں، سفید جھوٹ۔ باقی ناموں میں اکثریت ان کی ہے جو اجتہاد و تفسیر کے بازار میں چھوٹی کوڑی کی بھی قیمت نہیں رکھتے۔ رہے ایک دو، وہ نام جن کی واقعی کوئی اہمیت ہے تو ان کی طرف اختلاف کی نسبت ہی درست نہیں۔ قوی سندوں سے نقل کا کہیں پتہ نہیں۔ البتہ اجماع ثابت کرنے والی تھیں قوی ترین اور کثیر سندوں سے مروی ہیں جنہیں جھٹلانا کسی واقعہ تکلیف دہ نہیں ہے۔

(تحتیجی دیوبند، طلاق نمبر، ص ۱۶۶)

گزارش ہے کہ آپ کو اپنی اس عبارت پر دوبارہ غور کرنا چاہئے۔ آپ کی تحریر پر پھر کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن علماء نے اس مسئلے کو اختلافی قرار دیا اور بعض صحابہ و تابعین کی طرف ایک دوسرا قول منسوب کیا ہے، کیا وہ خود افتراء کرتے رہے اور سفید جھوٹ لکھتے رہے ہیں یا وہ اتنے بے خبر رہے ہیں کہ انہیں اس دھوکے کی ٹٹی تکذب و افتراء اور سفید جھوٹ کا احساس تک نہیں ہوا؟ آپ کی یہ عبارت علماء و فقہاء کی کثیر جماعت کو کس پرزیش میں ڈال رہی ہے؟ اب میں ایک اہم بات آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس مسئلے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے، ان کی دلیل کیا ہے؟ ان کی سب سے بڑی دلیل مسلم شریف کی وہی روایت ہے جس کا مقابلہ اسے لال

ہونے پر میں نے مقالہ شائع کیا ہے اور آپ نے بھی اپنے انداز میں اس کی پُر زور تائید کی ہے۔ اجماع کا دعویٰ کوئی دوسرا لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ختم بھی کی جاتی رہی ہوں تو ان کے فیصلے کے بعد اس پر اجماع منقذ ہو گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی، انھیں ایک شمار نہیں کیا جائے گا۔ انعقاد اجماع کی دلیل یہ ہے کہ کسی نے بھی ان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ روایت ہی قابل احتجاج نہیں ہے تو پھر اس سے اجماع ثابت کرنا کس طرح صحیح ہو گا؟ اور جہاں تک مجھے علم ہے اس روایت کے سوا کوئی دوسری ایسی روایت موجود نہیں ہے جو اس مسئلے پر انعقاد اجماع کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہو۔ اس صورت حال میں اگر میں دعویٰ اجماع کو محال نظر قرار دیا ہے تو کیا غلطی کی ہے؟

اس مسئلے پر ایک اور پہلو سے غور فرمائیے۔ اجماع کی اصطلاح تین قسم کے اجماع کے لئے استعمال کی جاتی ہے :-

(الف) ان احکام و مسائل پر اجماع جو کتاب و سنت کے صریح اور قطعی الثبوت دلائل سے ثابت ہوں۔ جیسے نماز پانچ گانہ، زکوٰۃ، صوم رمضان اور حج وغیرہ۔ ان کے لئے بھی علماء و ثقات ثابت بالکتاب و السنۃ والاجماع کے الفاظ لکھتے ہیں۔

(ب) کسی مسئلے میں پہلے کچھ اور حکم تھا اور پھر اس کے خلاف پر اجماع ہو گیا۔ مثلاً پہلے اہم و ولد کی بھیجنا جائز تھی پھر اس کے عدم جواز پر اجماع ہو گیا۔

(ج) کسی آیت یا حدیث سے مستنبط، اجتہادی مسئلے پر اجماع۔ مثلاً نابینا کی نكاح سے مہر

اب قابل غور بات یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر آپ جس اجماع کا دعویٰ یا زور دانا تائید کرتے ہیں وہ اجماع کی کس قسم میں داخل ہے پہلی قسم میں داخل نہیں اس لئے کہ کوئی اس کا قائل نہیں اور غالباً آپ بھی اس مسئلے کو نماز پانچ گانہ کی طرح قطعی ہیں سمجھتے ہوں گے۔ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں، اس لئے کہ آپ یہ نہیں مانتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو بہر حال ایک شمار کیا جاتا تھا اور بعد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تیسری قسم میں بھی داخل نہیں، اس لئے کہ آپ اس کو اجتہادی مسئلہ تسلیم نہیں کرتے۔ تو پھر غور فرمائیے کہ آپ نے جس زور و شور سے اس مسئلے پر اجماع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ کس قسم کا اجماع ہے؟

جہاں تک یہ بے غور کیا ہے، یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ عہد رسالت، عہد صدیقین اور ابتداء عہد فاروقی

میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بہر حال ایک شمار کی جاتی تھیں اور یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کے بعد اس مسئلے پر کوئی اجماع منعقد ہو گیا ہے کہ وہ تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی۔ اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جمہور کے مسلک کے دلائل قوی ہیں، اس لئے ان کا مسلک راجح ہے اور جن لوگوں نے ایک مجلس کی تین طلاقیں کو بہر حال ایک قرار دیا ہے ان کے دلائل ضعیف ہیں، اس لئے ان کا مسلک مردود ہے۔

(۳) مسلم شریف کی روایت پر میرا جو مقالہ شائع ہوا ہے اس کے تعلق سے اپنے میری طرف ایک ایسی بات منسوب کی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں دی ہے۔ زبانی گفتگو میں اپنے مجھے مخاطب کر کے یہ کہا تھا کہ آپ فقہار سے خاکیں نہیں ہیں؟ اپنے میری کسی عبارت کی نشاندہی نہیں کی تھی، اس لئے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میری کس عبارت میں آپ کو فقہار کی تحقیر و تحفیف نظر آئی اور میری کس عبارت سے اپنے یہ معلوم کیا کہ میرے دل میں فقہار کی طرف سے بدظنی اور کدورت موجود ہے۔ فقہار کی تعریف اور ان کے احترام میں آپ کی تقریر و تلقین پڑھ کر احساس ہوا کہ مجھ سے زیادہ خود آپ اس کے مخاطب ہیں۔ زبانی اپنے فرمایا تھا کہ طلاق نمبر اپنے بہت نرمی کے ساتھ مرتب کیا ہے، لیکن آپ کی جارحانہ تنقید کی عادت اپنا کر شرم دکھانے سے باز نہیں آئی ہے۔

جب اپنے مجھے تقلید کو دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دیا تھا اور اپنی تقلید پسندی کا اقرار کیا تھا تو میں نے ہنستے ہوئے عرض کیا تھا کہ آپ کسی مسئلے میں مقلدِ جامد بن جاتے ہیں اور کسی مسئلے میں متہبہ مطلق ہو جاتے ہیں۔ اب مزید عرض کرتا ہوں کہ اگر میں تقلید کو دانتوں سے پکڑے رہتا تو مسلم شریف کی روایت پر وہ مقالہ کبھی تیار نہ ہوتا جس کو اپنے بھی بہت اچھا کہا ہے۔ اور اگر آپ خود تقلید کو دانتوں سے چھوڑتے تو طلاق نمبر مرتب نہ ہوتا۔ میں بھی اپنے آپ کو مجتہد نہیں سمجھتا جس طرح آپ اپنے کو مجتہد نہیں سمجھتے۔ اس حقیقہ کو بھی یہ علم ہے کہ اجتہاد کا درجہ بہت بلند ہے۔

اجماع کا غلط دعویٰ

اَبْنَا بَوْلَانَا نَحْفُوظُ الرَّحْمِيْنَ حَسْبَنَا فَاَصْلُ دِيْوَانِنَا

پہلا اعتراض :- طلاق ثلاثہ کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس میں تو کوئی فرق نہیں کہ یہ دونوں ہی امام وقوع کے قائل ہیں، مگر اس میں اختلاف ہے کہ بیک کلمہ طلاق دینا حرام و معصیت ہے کہ نہیں۔ امام شافعیؒ اس کو حرام و معصیت نہیں مانتے بخلاف امام ابوحنیفہؒ کے کہ وہ اس کو طلاقِ بدعی کہتے ہیں اور اس کو منجیب کو معصیت کا درجہ نہیں دیتے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اگر احناف اس کو معصیت کہتے ہیں تو اس کے دلائل کیا ہیں؟ اس سلسلے میں متفقین علماء و احناف متعدد دلائل و براہین کے علاوہ تین طلاق کے معصیت ہونے پر قرآن پاک کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں: **الطَّلَاقُ مَثَرَاتٍ** کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو یہی مراجعت کے قابل نہیں رہی۔ یہاں لفظ **مَثَرَاتٍ** کا مطلب یہ ہے کہ **مَثَرَاتٍ مَثَرَاتٍ**، یعنی طلاق بیکبار نہ دی جائے۔ بلکہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ اگر ایک ہی مرتبہ میں تین دے دی گئی تو یہی حرام ہوگی مگر طلاق دینے والا قرآن کی اس آیت کی مخالفت کے باعث گتہ کار ہوگا۔ امام شافعیؒ کے اس خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام و معصیت نہیں۔

یہی باتیں سیکڑوں برس سے احناف کے چوٹی کے علماء لکھتے آ رہے ہیں، ملازمان میں یہ بات مسلمہ تھی کیونکہ مقصد امام شافعیؒ کا رد تھا۔ اب جبکہ یہی استدلال ان لوگوں کے حق میں جا رہا ہے جو تین کو الگ الگ رکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ بیک کلمہ تین طلاق کم سے کم تین نہیں بھی جائیں گی، کیونکہ یہ تین مرتبہ نہیں واقع کی گئی ہیں۔ تو اب مولانا مرفعتانی صاحب احناف کی ان مستفقتہ تصریحوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اصرار کر رہے ہیں کہ ان بزرگوں نے جو کجا غلط کھا۔ یہاں بھی یہ آئینہ ہی کے معنی میں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس کا احتمال تھا کہ متن نجات یہاں آئین کے معنی میں ہی ہو سکتا ہے تو آخر اِذَا اجَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطُلَ الدَّيْتِ دَلَالٌ کے باوجود متفقین احناف کیوں لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ قرآن، آئین کے معنی میں نہیں ہے۔ مزید تبخیرات یہ ہے کہ چلے آ رہے آئین کے معنی کا بیڑہ اٹھایا تھا، کوئی حرج نہیں تھا اگر دلائل معقول دیئے ہوتے۔ بعض ایسی باتیں آپ اس سلسلے میں لکھ گئے ہیں جس سے ہمیں سخت حیرت ہوئی۔ مثلاً آپ لعان کا

جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ "وہ تمام احکام جن میں کسی عدد کا ذکر ہوتا ہے، در طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن میں تعدد عملی مقصود ہو اور ایک وہ جن میں مجموعی تعدد مقصود ہو۔ اس کے آگے آپ نے پہلی شکل کی مثال میں اذان و اقامت، رکعت نماز اور پانچ وقت کی نمازوں کی مثال دی ہے اور دوسری شکل کی مثال میں آپ نے مسکینوں کو کھانا کھلانا اور زکوٰۃ کا تذکرہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہاں تعدد عمل مقصود نہیں بلکہ مجموعی تعدد پیش نظر ہے۔ چاہے زکوٰۃ کے ستور پئے ایک ہی شخص کو دیا الگ الگ تو زکوٰۃ بہر حال ادا ہو جائے گی۔ آپ مزید آگے یہ بتلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق والا مسئلہ بھی تعدد عمل کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اُن اعمال کے قبیل سے ہے جن میں مجموعی تعدد پیش نظر ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ۔ اس کے برخلاف طلاق کا معاملہ یہ ہے کہ تعدد عمل کا مقصود ہونا تو دور کی بات ہے، طلاق سر سے اللہ ورسول کو پسند ہی نہیں ہے اور وہ اسے حلال چیزوں میں سب سے خراب چیز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے طلاق مت دو، مغاہمت و مصالحت کرو، صبر و تحمل سے کام لو۔ آخری درجہ میں جب کوئی صورت تباہ کی نظر نہ آئے تب ہی طلاق کا استعمال کر سکتے ہو۔"

ہمارا اصل جواب تو بعد میں آ رہا ہے مگر سب سے پہلے اس لفظ پر غور کر لیجئے کہ طلاق میں تعدد عمل کا مقصود ہونا دور کی بات ہے۔ اگر یہی بات صحیح ہے تو آخر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ایک طلاق طہر کی حالت میں دنیا طریقہ سنت اور امر محمود ہے اور اگر تین طلاق بیک کلمہ یا ایک ہی طلاق بحالت حیض دی جائے تو مصیبت اور گناہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب طلاق میں تعدد عمل مقصود نہیں تو سنت و بدعت کا کیا سوال ہے جس طرح زکوٰۃ چاہے ایک فقیر کو دو یا دس کو، سب یکساں۔ کسی میں بھی گناہ نہیں۔

جواب سے پہلے ہم ناظرین سے عرض کریں گے کہ وہ تجبئی طلاق نمبر ۵۲ سے آگے تک مطالعہ کر لیں، کیونکہ مولانا کا یہ جواب جو انہوں نے لیعان کی قسموں کے سلسلے میں دیا ہے، کئی صفحوں تک پھیلا ہے۔ اس کے بعد ہمارا یہ جواب پڑھ لیں کہ طلاق کا تعلق انہیں افعال و اعمال سے ہے جن میں تعدد مقصود ہوتا ہے۔ افعال و افعال کے ہوتے ہیں، جیسا ابھی آپ نے پڑھا۔ ایک وہ کہ ان واحد میں صرف ایک ہی فعل کا صدور ممکن ہے۔ وقت واحد میں ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ مثلاً کوئی ہم سے کہے کہ تم تتر و تدم ہا کر آؤ۔ ظاہر ہے کہ تتر و تدم جانا آنا واحد میں نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس قسم کے افعال کو تفریق پر ہی محمول کیا جائے گا۔ چاہے قرآن اور قرأت کا لفظ ہو یا نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمیں کہ ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت پڑھو تو چونکہ تین رکعت اور چار رکعت وقت واحد میں محال ہے لہذا اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جائے کہ

چاہے تَلَّتْ مَوَاتٍ یا اَسْبَغَ مَوَاتٍ کا لفظ ہو یا نہ ہو، معمول تفریق پر ہی کیا جائے گا۔ اب رہے وہ افعال جو ان واحد میں ایک بھی واقع ہو سکتے ہیں اور متعدد بھی، تو بحث اسی میں ہوگی کہ شریعت کا آخر منشا کیا ہے؟ آیا ایک مرتبہ میں ادا کیا جائے یا متعدد مرتبہ میں۔ جیسے زکوٰۃ ہے، طلاق ہے، مساکین کو کھانا کھلانا ہے، اذان و اقامت کے کلمات ہیں۔ ان واحد میں ایک فقیر کو ایک روپیہ بھی دیا جاسکتا ہے اور ہزار بھی۔ ان واحد میں ایک عورت کو ایک طلاق بھی دی جاسکتی ہے اور تین بھی۔ اب اگر شریعت مصارفِ زکوٰۃ میں سَبْعَ مَوَاتٍ کا لفظ استعمال کرتی تو لامحالہ تفریق پر ہی معمول کیا جاتا۔ جس طرح اذان و اقامت کے کلمات میں مَوَاتٍ مَوَاتٍ کا لفظ روایتوں میں آتا ہے، مگر چونکہ شریعت نے زکوٰۃ، اطعام مساکین، اداء قرض وغیرہ کے لئے کہیں تخصیص نہیں کی کہ الگ الگ مرتبوں میں دو۔ اس لئے وہاں مجموعی حالت پیش نظر ہوگی۔ بخلاف اس کے طلاق کے سلسلے میں فرمایا گیا الطَّلَاقُ مَوَاتٍ اور کلماتِ اذان و اقامت کے سلسلے میں ابن عمر کی روایت آتی ہے وہ یہ ہے کہ كَانَ الْاَذَانُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوَاتٍ مَوَاتٍ وَالْاِقَامَةُ مَوَاتٍ مَوَاتٍ۔ لہذا طلاق کے معاملے کو کسی طرح بھی ادا و قرض، زکوٰۃ، اطعام مساکین وغیرہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا اعتراض :- جو لوگ اس مسئلے پر غور کرنا چاہتے ہیں وہ اجماع کی بحث کو بھی اٹھائیں، ہمارے علماء اب تک یہی سمجھتے آئے ہیں کہ اجماع سکوتی ہے جو ہر حال اجماع تفریقی سے کم ہوتا ہے۔ حدیث ہے کہ اجماع سکوتی کے تحت ہونے میں ہی سرے سے امام شافعی کا اختلاف ہے، وہ اجماع سکوتی کو حجت نہیں مانتے۔

یہاں ہم علامہ ابن رشد قرطبی کی **بِدَايَةِ الْمُجْتَهِدِ** سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔

وَكَانَ الْجُمْهُورُ غَلِبُوا حُكْمَ التَّغْلِيظِ فِي الطَّلَاقِ "جمہور نے سزا دینے کے طور پر تین طلاق کو منقطع مان لیا سَدَّ الدَّرَجَاتِ وَلَكِنْ تَبَطَّلُ بِذَلِكَ الرُّخْصَةُ" ہے۔ حالانکہ اس سے خلائے پاک کی وہ رحمت و شفقت الشَّرِيعَةِ وَالرَّفْقُ الْمَقْصُودُ فِي ذَلِكَ أَعْنَى فِي اور وہ رُخْصَةٌ بھی ختم ہو جاتی ہے جو اللہ کے اس قول میں ہے: قَوْلُهُ تَعَالَى "لَعَلَّ اللَّهُ يُجِدَّ بِتَعَدُّ ذَلِكَ أَمْرًا" كَعَسَلِ اللَّهِ يَمِزُّ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝

(ج ۲، ص ۶۲ مطبوعہ مصر)

مطلب یہ ہر اک جب اللہ نے الگ الگ طلاق دینے کی مصلحت یہ بتلائی ہے کہ شاید تمہارا دل مل جائیں اور تمہیں اس پر ندامت ہو۔ لہذا پھر سے ملنے کی کوئی شکل باقی رہنی چاہئے۔ ابن رشد کا کہنا ہے کہ اب اگر ایک طہ میں امانی گنتی تین طلاق کو بھی تین مرتبہ کی طلاق کا درجہ دے دیا جائے تو یہ رُخْصَةٌ باطل ہو جاتی ہے۔

گھریاُن کا صاف موجدان اس طرف ہے کہ تین کو ایک کہنے والا قول ہی اللہ کی نصحت اس کی رحمت سے زیادہ قریب ہے۔ علامہ ابن رشد کوئی آٹھویں صدی کے نہیں بلکہ ان کی پیدائش ۱۱۸۵ھ میں ہے اور وفات ۱۱۹۵ھ میں۔ گویا چھٹی صدی ہجری کے عالم اور وہ بھی ایسے کہ جن کا شمار چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے۔

دوسری بات حلالہ کا مسئلہ ہے ہم نے اپنے مقالہ میں اس کے متعلق بھی کچھ معروضات پیش کی تھیں۔ مگر حیرت ہے کہ مولانا عامر صاحب نے تحلیل کے مسئلہ پر ایک نلفظ بھی نہیں لکھا۔ اس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس طرح تین طلاق دینے سے تین پڑ جانے کا مسلک جہود کا ہے۔ اسی طرح بشرط تحلیل کیا ہوا نکاح سرے سے جہود کے نزدیک نکاح ہی نہیں۔ مولانا مردوی بھی صاف طور سے اس کے منکر ہیں۔ ابن آسن اصلاحی بھی اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اگر تین طلاق کو ایک کہنے کا خیال جہود کی مخالفت ہے تو بشرط تحلیل کئے ہوئے نکاح کو درست کہنا بھی جہود کی مخالفت ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلعون طریقہ فرمایا کرتے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی۔ اس کو ہمارے مفتیان کرام ماجورعت دائرہ کافتوی دیں۔ جو اہل تعالیٰ کے اندر وہ فتا دوسے مذکور ہیں۔

تیسرا اعتراض۔ اب آئیے اجمالاً اس طرف کہ مولانا عامر عثمانی صاحب نے پہلا اعتراض ابوداؤد والی روایت پر جو حکم سے منقول ہے کیا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ ہماری اتنی بڑی غلطی ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور انصاف پسند عالم ہمارے مقالے کو بادل ناخواستہ ہی پڑھے گا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے انہوں نے ابوداؤد کی وہ سب تشریحات نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل تھے۔ اس کے بعد وہ اصل قابل بحث عبارت نقل کرتے ہیں: "حماد ابن زید نے ایوب سے، ایوب نے یحیرم سے اور یحیرم نے ابن عباس سے یہ نقل کیا کہ جب تو ایک زبان میں بیوی سے یوں کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوگی۔ لیکن اسمعیل بن ابراہیم، ایوب سے یہ بات نقل کرتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس کا نہیں، یحیرم کا ہے۔ یحیرم نے اسے ابن عباس کا قول کہہ کر بیان نہیں کیا۔ ابن عباس کا اس طرح کا قول جو کچھ ہے وہ تو اس سے مختلف ہے۔ ملخصاً:

اس کے بعد مولانا عامر صاحب لکھتے ہیں: "دیکھا اپنے، خود امام ابوداؤد مرحمت کر رہے ہیں کہ یہ قیاباً و اجراً والا قول ابن عباس کا نہیں ہے، لیکن محفوظ الرحمن صاحب پوری بے تکلفی سے ابن عباس کا فرمودہ کہہ کر نقل فرما رہے ہیں اور پوری روایت صحیح صحیح کر جو کچھ کہہ رہی ہے، اس کی ہدایاں کے کاؤں میں نہیں پہنچ رہی ہے۔ اس طرز عمل کو دہی کچھ نام دیں۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ یہاں پہنچ کر ناظرین ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ

مولانا فامر صاحب کا کہنا ہے کہ تین طلاقوں کے ایک سمجھنے کا خیال اٹھویں صدی کے قبل تک کسی بھی قابل ذکر فرد کا نہیں، مگر ابوداؤد کی اس عبارت کو غور سے پڑھ جائیے، مان لیا کہ کیم و احمید والاقول ابن عباس کا نہیں ہے، مگر اسی عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ یہ حال اس کے قائل تھے۔ چنانچہ اسمعیل بن ابراہیم خود ایوب سے یہ بات نقل کر رہے ہیں اور خود امام ابوداؤد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جی ہاں، ابن عباس تو نہیں مگر حکمرمہ اس کے قائل تھے اور جس روایت میں حکمرمہ کا انتساب ابن عباس کی طرف ہے، وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح بات وہ ہے جو اسمعیل بن ابراہیم، ایوب سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حکمرمہ کا اپنا قول ہے۔ اگر ابوداؤد حکمرمہ کا مسلک یہ نہیں سمجھتے تو ایسی روایت ہی کیوں ذکر کرتے جس سے ابن عباس کی طرف انتساب تو غلط ہو جائے مگر حکمرمہ کے لئے ثابت ہو جائے۔ مولانا فامر عثمانی صاحب حکمرمہ پر نہزرت فقید کر گزریں، مگر اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ ان کی انتہائی محبوب شخصیت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی حکمرمہ کو الجھاد فی الاسلام میں امام المفسرین لکھا ہے اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے اعیان المحتاج میں فقہ کا امام بتایا ہے۔

اب آئیے اصل بات کی طرف۔ ہم نے ابوداؤد کی مذکورہ بالا عبارت کا حوالہ اس لئے دیا ہے کہ جس سے پیچیدگی کو ابوداؤد رفع کرنا چاہتے ہیں، وہ جوں کی توں ہے۔ انھوں نے ابن عباس کی طرف منسوب شدہ فہم واحد والے قول کا جو مطلب بیان کیا ہے، وہ درست نہیں۔ یعنی کہ یہ غیر مدخول بہا عورت کے لئے ہے۔ جیسا کہ خود فامر صاحب نے بھی تشریح کی ہے۔ یعنی ابن عباس تین طلاق کو اس وقت ایک مانتے تھے، جبکہ وہ ایسی عورت کو دی گئی ہو جس سے ابھی خلوت صحیح نہ ہوئی ہو۔ چلے مان لیا کہ ابن عباس غیر مدخول بہا کی تین طلاق کو ایک سمجھتے تھے۔ مگر کیا فامر عثمانی صاحب غیر مدخول بہا والی روایت کو جسے ابوداؤد نے پیش کیا ہے، صحیح سمجھتے ہیں؟ اگر صحیح سمجھتے ہیں تو ہمارے ان اعتراضات کا جواب لائیں جو اوپر اس روایت کی بابت ہم نے کیا ہے۔ اسی روایت میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بار بار یہ حرکت کرنے لگے ہیں تو انہوں نے حکم جاری کیا کہ اب یہ تین، تین ہی مانی جائیں گی۔ آخر وہ کون سی تین طلاق تھی جسے حضرت عمرؓ نے تین کا درجہ دیا؟ اگر متفرق چلے والی تین طلاق مراد ہے یعنی اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ غیر مدخول بہا کی ایک طلاق بائنہ ہوتی ہے۔ بائنہ ہونے کے بعد اب عورت محل طلاق میں نہیں رہی، لہذا باقی دو طلاقیں لغو ہو گئیں۔ جیسا کہ امام صاحب کا مسلک ہے، تو آخر حضرت عمرؓ نے لغو طلاق کس طرح نافذ کر دی؟

اور اگر تمین طلاق سے مراد اُنْتِ طَالِقٌ تَلَکَّتَا ہے تو آخر حدیث نبوت اور دور صدیقی کے تعامل کو حضرت عمرؓ نے کس مصلحت سے بلاوا، وہ کوئی شارع اور قانون ساز تو تھے نہیں۔ پھر قانون سازی بھی ایسے مسئلے میں کہ جس میں دور رسالت اور دور ابو بکرؓ کا تعامل موجود ہو۔ جب مسلم شریف کی روایت ابوالقہیبہ کے متعلق ہم کچھ عرض کرتے ہیں تو فوراً وہی اعتراض ہم سے کیا جاتا ہے۔ پھر آخر آپ اس غیر مدخول بہاولی روایت کا کیا جواب رکھتے ہیں کسی حدیث کو مخالف کے خلاف پیش کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں، جب ہی تو پیش کر رہے ہیں، ورنہ اگر خود آپ کے نزدیک وہ روایت غلط ہو تو کیا حاصل اس کے پیش کرنے کا ہے۔ آپ ہیں واضح طور سے دونوں کا انداز میں یہ بتائیے کہ حضرت عمرؓ کے لئے دور رسالت اور دور صدیقی کے تعامل کا بلانا اس روایت سے بالکل واضح ہے۔ آخر حضرت عمرؓ نے ایسا کیوں کیا؟

خود اپنے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک اور خود ابن عباسؓ کے نزدیک بھی اگر صریح حد کے ساتھ دی جائیں تو غیر مدخول بہاولی بھی پڑیں گی۔ (تحقیقی، ص ۴۹)۔ سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی جمہور علماء اور خود آپ کیوں اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں؟ کیا حدیث کے خلاف بھی کسی کی رائے کا کچھ اعتبار ہے؟ یا تو جمہور علماء کا مسلک غلط ہے، یا آپ حضرت کی یہ توضیح غلط ہے کہ تم واحد والا جو قول ابن عباسؓ سے منسوب ہے، وہ غیر مدخول بہاولی کے لئے ہے۔

یہ سچ ہماری وہ بنیاد جس کی وجہ سے ہم نے حوالہ دیا ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ ابوداؤد دونوں ہادوں کی تطبیق میں ناکام رہے ہیں۔ آپ حضرات کہیں گے کہ عجیب تماشے کی بات ہے کہ آج کے معمولی پڑھے لکھے لوگ اُٹھتے ہیں اور محدثین کبار کی رائیوں سے اختلاف کرتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ اختلاف پہلے ہی سے آ رہا ہے، ہم تو محض وضاحت اور شرح کرنے والے ہیں۔ آخر ناظرین بھی تو جانتے ہوں گے کہ عامر عثمانی صاحب نے امام بخاریؒ پر بھی تنقید کی ہے کہ ان سے چوک ہوئی، امام مسلمؒ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ ابوالقہیبہ اولی روایت کا مسلم میں لانا ان کی غلطی ہے۔ حالانکہ وہی روایت ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ لہذا یہ الزام ان سب پر عائد ہوگا، علامہ ابن حجرؒ کے خلاف بھی آپ بولے ہیں۔ لہذا اگر امام ابوداؤد کے خلاف ہم نے ایک رائے نقل کر دی تو کون سی قیامت آگئی۔

امام ابوداؤد ہی نے لکھا ہے۔ لَا طَلَّاقَ فِي إِغْلَاقٍ کہ اس حدیث میں جو لفظ إِغْلَاقِ ہے اُطْلُقْتُ فِي النِّصْبِ، میرا خیال ہے کہ إِغْلَاقِ کے معنی یہاں غضب کے ہیں۔ مطلب اس حدیث کا

امام ابو داؤد کے نزدیک یہ ہے کہ غضب میں دی گئی طلاق، طلاق ہی نہیں کبھی جائے گی۔ حالانکہ خود اخصاً کما مسلک اس تصریح کے خلاف ہے۔ احناف کے نزدیک طلاق چاہے غصہ میں ہو یا ہنسی مذاق میں یا جہالت اور انجانے میں، سب واقع ہو جاتی ہیں۔ معلوم کیا ہوا کہ امام ابو داؤد کی ہر رائے کو خود علامہ عثمانی بھی نہیں مانتے گے لہذا یہ توقع ہر ایک سے کیوں کی جائے کہ امام ابو داؤد کی ہر تصریح اور وضاحت کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لے۔
چوتھا اعتراض :- اس کے بعد مزید اعتراض کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے :

”مولانا (محموظ الرحمن) اب حدیثِ رکاز کا بھی ذکر فرماتے ہیں اور بلا تکلف فرماتے ہیں کہ رکاز نہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور حضور نے اُن کو مراجعت کا اختیار دیا۔ ہم اس حدیث پر گفتگو کرتے ہیں، دیکھ لیجئے معاملہ صحیح کیا ہے اور دکھلایا کیا جا رہا ہے۔ مولانا معاف کریں، جس بات کو خود وہ بے تکلفی سے صحیح قرار دیتے ہیں وہ اتنا صریح نہیں ہے۔ اُسے ہم اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے کچھ گوشے رکھ دیں۔

مسند احمد میں ہے کہ رکاز بن عبد بن زید مطلقاً نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دیں پھر بہت ہی غلغلی ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا کہ کس طرح تم نے طلاق دی؟ عرض کیا کہ میں تو تین طلاقیں دے چکا۔ آپ فرمایا، ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں حضور نے فرمایا، تمہیں صرف ایک کا اختیار تھا۔ اگر چاہو تو رجوع کر لو۔ چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔

امام احمد اس کی سند کو صحیح اور حسن بتلاتے ہیں، چنانچہ جس روایت میں ہے کہ حضور نے اپنی صاحبزادی کو حضرت ابوالعاص پر نئے نکاح اور نئے مہر سے لوٹایا اسے آپ ضعیف کہتے ہیں۔ ہاں اُس حدیث کی امام احمد نے تصحیح کی ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضور نے انہیں پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا۔ جبکہ یہ حدیث اور رکاز بن عبد بن زید کی جو حدیث اور پر مذکور ہوئی، دونوں کی سند ایک ہے۔ خود امام ترمذی اس کی سند کی بابت فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ ڈراور خوف نہیں۔ اسی حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابنِ قسیم فرماتے ہیں: یہ حجت و دلیل ہے جس کے خلاف اس سے زیادہ قوی روایت کوئی نہیں۔

مزید یہ کہ اس کی تائید کچھ ایسی روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو سند میں اسی جہی ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد نے فرمایا ہے کہ رکاز نے اور اُس کی بہنوں کے باپ عبد بن زید نے اُمّ رکاز کو طلاق دی اور قبیلہ خزیمہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ وہ آنحضرت کے پاس آئی ہے اور کہتی ہے، یہ شخص مجھے صرف اتنا ہی فائدہ دیتا ہے جتنا میرے سر کا یہ بال۔ آپ مجھ میں اور اُس میں علیحدگی کر دیجئے۔ آنحضرت کو حمت آگئی۔ رکاز نے اور اُس کے بھائی بہنوں کو

یوایا اور مجلس کے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ دیکھو یہ عبد زید سے مشابہت رکھتا ہے اور اس میں
 فلاں فلاں بات اس کے مشابہ ہے۔ سب نے کہا: بیشک یہ لڑکے اپنے باپ کے مشابہ ہیں۔ پھر حضور نے
 عبد زید سے فرمایا: تم سے طلاق دیدو۔ انہوں نے تعمیل کی۔ پھر حضور نے فرمایا: اپنی پہلی بیوی ام رکانہ سے رجوع
 کر لو، تو انہوں نے کہا: حضور میں تو تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، تم اس سے رجوع کر لو۔
 پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِقُوهُنَّ لِأَعْدَائِهِنَّ
 ذالے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں دو یعنی تین طلاقوں کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ہر طرف میں ایک
 ایک طلاق دے۔

ابوداؤد میں یہ روایت بھی مل جائے گی کہ عبداللہ بن علی بن زید بن رکانہ اپنے باپ سے اور وہ
 اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ پھر حضور نے انہیں ان کی طرف لوٹا دیا۔ امام
 ابوداؤد نے طلاق بتہ والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کی ترجیح میں یہ الفاظ کہے ہیں کہ یہ روایت ان کی اطوار
 کی ہے اور ان کو اپنے خاندان کا پورا علم ہوتا ہے۔ مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد نے
 چونکہ وہ روایت نہیں بیان کی جو مسند کے حوالہ سے ابھی ہم نے اپنے نقل کیا۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ حدیث بتہ
 زیادہ صحیح ہے۔ حالانکہ حدیث بتہ کے سلسلے میں حدیث وفد کی قلتوں کے ماہرین اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔
 مثلاً امام احمد، امام ابو یوسف، امام بخاری رحمہ اللہ ان سبوں نے بتہ والی حدیث کو ضعیف کہا ہے اور بیان کیا ہے
 کہ اس کے راوی مہول ہیں جن کی عدالت و ضبط معلوم نہیں۔ امام احمد نے تین طلاق والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کا
 درست ہونا بیان کیا ہے۔ وہ تو صاف کہتے ہیں کہ جس روایت میں ہے کہ طلاق بتہ دی گئی وہ ثابت نہیں، بلکہ
 امام احمد تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ بتہ کی روایت کوئی چیز نہیں ہے۔

اشرم نے جب امام احمد سے طلاق بتہ کے سلسلے میں استفسار کیا تو اپنے فرمایا یہ ضعیف ہے۔
 علامہ شوکانی جن کا حوالہ مولانا عاقل عثمانی صاحب نے دیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ وہ طلاق بتہ والی روایت کو ثابت
 مانتے ہیں، مگر ساتھ ہی رد بھی کر دیتے ہیں دو وجہوں سے، ایک تو مضطرب ہونے کی وجہ سے، دوسرے صحیح
 حدیثوں کے معارض ہونے کی وجہ سے۔ اضطراب کے لئے وہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس حدیث کی نسبت
 امام بخاری سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا، یہ حدیث مضطرب ہے۔ (انتہی)۔ علامہ شوکانی زید فرماتے ہیں
 اس بتہ والی حدیث کی سند میں زبیر بن سعید ملوثی ہیں اور ایک سے زیادہ محدثین نے اسے ضعیف ہی نہیں

بلکہ متروک الحدیث بتلایا ہے۔ مزید وہ فرماتے ہیں کہ مضطرب اس لئے بھی ہے کہ بترہ کے طلاق ثلاثاً کی روایت بھی آتی ہے اور وہی حدیث مسند احمد کی نقل کی ہے جو اوپر گندری، ابن اسحق عن رکانہ کا یہ روایت بھی انہوں نے تعارض کے سلسلے میں ذکر کی ہے۔ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اتَى طَلَقَهَا ثَلَاثًا قَالَتْ قَدْ عَلِمْتُ أَرْجِعُهَا ثُمَّ تَلَا: إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ رَخًا -

یہ وجہ تو انہوں نے مضطرب ہونے کی نقل کی ہے، معارض اس طرح ثابت کیا ہے کہ یہ بترہ والی حدیث مسلم کی روایت ابو الصہبار کے خلاف بھی پڑتی ہے جو صحت میں اس سے زیادہ بڑھ کر ہے اور میں حدیث اس کا اُس سے بہت واضح اور صاف ہے، کوئی حینلی نہیں۔ محمود بن یسید کی وہ روایت جو نسائی میں ہے، اس سے بھی اس کا معارض ہونا ثابت کیا ہے۔ یعنی وہ مشہور حدیث ایلکب بکتاب اللہ وانا بیت اظہرکم اس روایت کے متعلق شوکانہ فرماتے ہیں، قال ابن کثیر اسنادہ جیداً وقال الحافظ فی بلوغ المرام ورواۃ موثوقون -

فرضیکہ البتہ والی روایت کو اصرح بتانے کے بعد بھی ان وجوہات سے انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ بہر حال اس تصریح سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ بات اتنی واضح اور صریح نہیں جتنا عامر عثمانی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں۔ بات اتنی واضح ہوتی تو ائمہ حدیث اس قدر ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوتے۔ آپ کو بیشک حرج ہے کہ جس روایت کو اپنے مفید مطلب جانیں ترجیح دینے کی کوشش کریں، مگر اس سلسلے میں دیگر لوگوں کو ایک دم جاہل اور اہل نہ فرض کر لیں۔

پانچواں اعتراض ہے رہا ابن تیمیہ والے استدلال لعان پر اعتراض، تو اس کا جواب مابقی میں عرض کیا جا چکا۔ مولانا کے سارے استدلال کا مبنی یہ ہے کہ طلاق میں تعدد عمل مقصود نہیں، لہذا ایک ساتھ بھی تین طلاقیں دی جاسکتی ہیں۔ جس طرح ہزار روپے زکوٰۃ کے ایک ہی وقت میں ایک ہی فقیر کو دیئے جاسکتے ہیں حالانکہ کھلی بات ہے کہ بحت تین طلاقوں میں چل رہی ہے کہ آیا اسے ایک ساتھ دیا جائے یا نہیں؟ تسلان و حدیث میں واضح طور سے فرمایا گیا کہ تین طلاق ایک ساتھ نہ دی جائے بلکہ الگ الگ طہروں میں دی جائے تو آخر تعدد عمل مقصود کیوں نہیں ہوا؟ لہذا جس طرح لعان کی قسموں وغیرہ کے معاملے میں تعدد عمل کے مقصود ہونے کی وجہ سے اس طرح کہہ دینے سے کہ میں چار قسم کھاتا ہوں، چار نہیں ہوگی، تو اس طرح یہ کہہ دینے سے کہ میں تین طلاق دیتا ہوں، کس طرح تین پڑ جائے گی۔ جبکہ قَدْ طَلَقْتَهَا فَلَا تَحِلُّ لَكَ اَنْ يَأْتِيَ بِهَا لَيْتِي اِذَا

طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ الخ میں تفریق ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چھٹا اعتراض :- رہا علامہ آلوسی کی عبارت ہذا کہ مسئلۃً اجتماعیۃ کانت علی عہد الخ اس میں واقعی غلطی ہوئی ہے۔ ہذا کہ کامشاورۃ الیہ وہ طلاق مدخول بہا نہیں بلکہ غیر مدخول بہا ہے۔ اس تفریح سے ہمارا حوالہ غلط ہو گیا۔ مگر ہم مولانا سے ایک بات پوچھنے کی جرات چاہیں گے کہ مدخول بہا کی جب تین طلاقیں حضرت عمرؓ نافذ کریں تو اجماع ہو جائے اور اجتہاد کی گنجائش ختم۔ مگر جب وہ غیر مدخول بہا کی تین طلاقیں نافذ کریں تو وہ مسئلہ اجتہادی ہی رہے حضرت عمرؓ کی بات اجماع نہ بن سکے۔ آخر ایک ہی طرح کے دو مسکوں میں بیزرق کیوں ملحوظ رکھا جاتا ہے؟

ساتواں اعتراض :- اس کے بعد مولانا کا اعتراض اس حدیث طحاوی پر ہے جس کا ایک حصہ ہم نے حذف کر دیا ہے۔ اس حدیث کے نقل میں اصل موضوع نہیں صرف اتنا ثابت کرتا ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ معصیت ہیں۔ اس کے لئے ہم نے ابن عباسؓ کے جواب کا وہی حصہ نقل کیا جو اس سے متعلق تھا یعنی "تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا ارتکاب کیا اللہ شیطان کی پیروی کی"۔ آگے کا جملہ ہے "فَلَمْ یَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا" (یعنی وہ اس کے لئے اللہ نے کوئی راہ نہیں چھوڑی، تین طلاقیں پڑ گئیں، یہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کو بھی مولانا نے ہماری خیانتوں میں شمار کیا ہے۔ مولانا کا شاید خیال ایسا ہو کہ میں تین طلاقوں کے ثبوت کو سرے سے مانتا ہی نہیں اس لئے انھوں نے اس ٹکڑے کو اہم بنا کر پیش کیا حالانکہ مقالہ کے شروع ہی میں میں نے کہہ دیا ہے کہ تین طلاقوں کے تین ہونے کا مسلک اس سے ہے، مگر اس کے باوجود وہ آنکھیں بند کر کے جو مجھ میں آ رہا ہے، لکھ رہے ہیں۔ حدیث ہے کہ مقالہ کھول کر دیکھ لیجئے، اسی کے نیچے لکھا ہوا ہے "وَعَلَّاهُ بن عمرؓ کے حصے میں واقطنی اور ابن ابی شیبہ نے جو تفصیل لکھی ہے کہ حضورؐ نے جب عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے پوچھا کہ اگر میں اس کو تین طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا تھا۔ فرمایا: لا کانت تبین منک وکانت معصیۃ (نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ فعل معصیت ہوتا ہے۔ آخر یہ کونسا لازمی طریقہ ہے کہ آدمی اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کسی حدیث کا حوالہ دے تو لامحالہ اول تا آخر پوری حدیث نقل کرے اور جبکہ بالکل وہی مفہوم آگے کی حدیث میں آ رہا ہو۔

مدیر تجلی کے اعتراضات کا بے لاگ جائزہ

از:- شمیم پیرزادہ

ماہنامہ تجلی، دیوبند کے فاضل مدیر نے سیمینار کی کارروائی پر تنقید کرتے ہوئے راقم الحروف کے مقالہ پر بھی معارضہ فرمایا ہے۔ اس کے پیش نظر ذیل میں چند تصریحات پیش کی جا رہی ہیں:-

(۱) میں نے اپنے مقالہ میں رفاعۃ القرظی والی روایت نقل کر کے لکھا تھا:

”صحیح مسلم کی حدیث طلاق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں“

وَطَلَّقَهَا اِخْرَاصًا لَاتِ تَطْلِيقَاتٍ“ (مسلم۔ کتاب الطلاق)

اس پر مدیر تجلی نے طلاق نمبر میں یہ اعتراض کیا ہے کہ:

”اب مسلم شریف کھول کر بغور ملاحظہ فرمائیے، اس میں امام مسلم نے سرے سے رفاعہ کی

بیوی کا قصہ لیا ہی نہیں ہے۔ اس قصہ کی کوئی اچھی بڑی روایت ہی مسلم شریف میں موجود

نہیں کہ اس کے الفاظ کی بحث پیدا ہو۔ قصہ ہے تو فاطمہ بنت قیس کی طلاق کا ہے۔ اس کی

ہی ۲۴ روایتوں میں ایک روایت کے اندر راوی نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں آپ نے

نقل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی تعلق رفاعہ قرظی والے قصے سے ہو ہی نہیں سکتا، لہذا

خود انصاف فرمایا جائے کہ بہرین شان ذمہ داری آپ جیسے نیکو نام صاحبان حدیث

قرآن حدیث میں گفتگو کریں گے تو اس غریب فن کا کیا حلیہ بنے گا؟ یعنی حد ہے کہ مسلم

میں سرے سے کوئی روایت ہی زیر بحث قصے کی موجود نہیں اور آپ استدلال کر رہے

ہیں اس کے ایک خاص جملہ سے!“ (تجلی، طلاق نمبر ص ۱۳۸)

یہ رفاعہ قرظی والی روایت جس کا میں نے حوالہ دیا ہے، صحیح مسلم میں موجود ہے۔ البتہ سہواً کتاب النکاح

کے بجائے کتاب الطلاق کا حوالہ دیا ہو گیا۔ ذیل میں مکمل حوالہ درج کر رہا ہوں تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے:-

”صحیح مسلم کتاب النکاح میں باب لا تَحْتَلِ الْمَطْلُوقَةُ ثَلَاثًا الْمَطْلُوقَةُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“

کے تحت حضرت عائشہؓ سے رفاعہ قرظی والی روایت درج ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں،

انہا کا تحت رفاعۃ فطلقھا الخ ثلاث تطلقا ت فتزوجت بعد ما عبد الرحمن بن الزبیر
اس کے متضلاً بعد ہی دوسری روایت بھی رفاعہ قرظی کے بارے میں دوسری اسناد کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اس میں
بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ ات رفاعۃ فطلقھا الخ ثلاث تطلقا ت۔ (صحیح مسلم شرح نووی، جلد ۱ ص ۱۰۰، مطبوعہ المطابع دہلی)
حوالہ دینے میں مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ کتاب النکاح کے بجائے کتاب الطلاق کا حوالہ دے دیا
لیکن مدیر تحسلی نے قطعیت کے ساتھ دعویٰ کیا کہ یہ حدیث سرسے سے صحیح مسلم میں موجود ہی نہیں ہے اور میں نے اصل
کتاب دیکھے بغیر ادھر ادھر سے جو جی میں آیا حوالہ قلم کر دیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت مجھ سے سرزد نہیں ہوئی۔ میں نے مذکورہ روایت کا حوالہ صحیح
مسلم کا مطالعہ کر کے ہی دیا تھا اور یہ بات ثابت بھی ہو گئی کہ مذکورہ روایت صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اب مدیر تحسلی ہی
فیصلہ فرمائیں کہ ان کا یہ ریما رک کہاں تک صحیح ہے؟ اور اپنی بات کو مالمانہ سمجھنا اور دوسروں کی باتوں کو جہالت
معمول کرنا کہاں تک قرین انصاف ہے؟

(۲) دوسری بات مدیر تحسلی نے طلاقِ بستہ کے بارے میں فرمائی ہے۔ میں نے رفاعہ والی روایت نقل
کر کے لکھا تھا کہ اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ تین طلاقیں یکجا طور پر دی گئی تھیں اور شارح بخاری
علامہ ابن حجرؒ کی یہ عبارت نقل کی تھی کہ اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں پر استلال کرنا صحیح نہیں ہے۔
اس پر مدیر تحسلی نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

”ابن حجر کو آپ لوگ فرشتہ یا پیغمبر نہ سمجھیں مان سے استلال کی جوہری نوعیت سمجھنے میں

غلطی ہوئی۔“ (طلاق غیبی، ص ۱۲۸)

سوال یہ ہے کہ اگر ابن حجر سے غلطی ہو سکتی ہے تو ان فقہار سے کیوں نہیں ہو سکتی جن کی تقلید کو وہ
دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دے رہے ہیں؟ جس طرح ابن حجر کو فرشتہ یا پیغمبر سمجھنا غلط ہے اسی طرح فقہار
اور ائمہ کو بھی فرشتہ یا پیغمبر سمجھنا غلط ہے۔ پھر آپ دلیل کی بجائے تقلید کی بات کیوں کرتے ہیں؟
مدیر تحسلی مزید لکھتے ہیں:

”یہاں ابن حجر کا ایک سہو تو یہ ہے کہ وہ محاورے کو نظر انداز کر کے ڈکٹنری کھول

بیٹھے۔ طلاقِ بستہ خود ان کے علم میں ہے کہ تین بدعی طلاقوں کو کہا جاتا تھا یعنی جو

خلاف سنت طریقے پر دی گئی ہوں۔“

طلاق بستہ کیا ہوتی تھی، اس کے بارے میں کوئی بات واضح نہیں ہے مشکوٰۃ میں رکاز کی روایت پر
 لَمَعَاتٍ سے جو حاشیہ نقل کیا گیا ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ :

• وطلاق البتۃ عند الشافعی رجعیۃ
 لہذا الحدیث وإن نوى اثنين أو
 ثلثۃ فهو علی مانوی وعند مالک
 ثلثت وعند أبي حنیفة بیئۃ
 فتأویل الرد عندہ لا تجدیدہ التکلیح -
 (مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۲۸۴)

• طلاق بستہ امام شافعی کے نزدیک اس حدیث کی رو سے رجعی ہے۔
 اور اگر دو یا تین طلاقوں کی اس نے نیت کی تھی تو نیت کے مطابق
 واقع ہوں گی۔ اور امام مالک کے نزدیک (طلاق بستہ) تین
 طلاقیں ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک (طلاق بستہ) بائیں ہوتی ہے
 اس لئے ان کے نزدیک (حدیث میں رکاز کی بیوی کے کومانے کی جو بیٹا
 بچی گئی ہے تو وہ ان) کو پانے سے مراد تجدید نکاح ہے۔

ترجمی میں طلاق بستہ کے بارے میں درج ذیل صراحت موجود ہے:

وقد اختلف أهل العلم من أصحاب النبي
 صلّى الله عليه وسلم وغيرهم في طلاق البتۃ
 فروى عن عمر بن الخطاب أنه جعل البتۃ
 واحدة وروى عن علي أنه جعلها ثلاثاً، و
 قال بعض أهل العلم فيه نية الرجل إن
 نوى واحدة فواحدة وإن نوى ثلاثاً فثلاث
 وإن نوى نيتين لم تكن إلا واحدة وهو
 قول الشورى وأهل الكوفة وقال مالك بن
 انس في البتۃ إن كان قد دخل بها فهي
 ثلاث تطليقات وقال الشافعي إن نوى
 واحدة فواحدة وإن يملك الرجعة وإن نوى
 نيتين فنيتين وإن نوى ثلاثاً فثلاث

• طلاق بستہ کے بارے میں صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کی رائیں
 مختلف ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت عمر نے طلاق بستہ کو ایک
 قرار دیا تھا۔ حضرت علی کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں
 نے تین قرار دیا تھا اور بعض اہل علم حضرت کا قول ہے کہ طلاق
 بستہ میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر ایک کی نیت کی تھی تو
 ایک واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تھی تو تین واقع ہوں گی
 اور اگر دو کی نیت کی تھی تو صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ یہ ثوری اور
 اہل کوفہ کا قول ہے اور مالک بن انس کا قول طلاق بستہ کے
 بارے میں یہ ہے کہ اگر نہ دخول بہا کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوگی
 اور امام شافعی کا قول ہے کہ اگر ایک کی نیت کی تھی تو ایک واقع
 ہوگی اور رجوع کا اختیار باقی رہے گا اور اگر دو کی نیت کی تھی تو
 دو واقع ہوں گی اور اگر تین کی نیت کی تھی تو تین واقع ہوں گی۔

(ترجمی، ابواب الطلاق)

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق بستہ کسی متعین شکل کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی مختلف شکلیں ممکن ہیں۔

اس کے بعد مدیر تجلی کے اس دعوے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ طلاق بتہ کا محاورہ تین طلاقوں کے لئے تھا۔ (طلاق نمبر ۱۰۲)؟ مزید برآں اُن کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ طلاق بتہ، طلاق بدعی کو کہا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے متعدد واقعات جو تری صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے، ان میں طلاق بتہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قاعدہ کا واقعہ، فاطمہ بنت قیس کا واقعہ وغیرہ۔ اگر اس کا اطلاق طلاق بدعی ہی پر ہوتا تھا تو ماننا سنا پڑے گا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کثرت اس بدعت کا ارتکاب ہو رہا تھا اور آپ کے سامنے جب یہ واقعات پیش ہوئے تو آپ نے اس بدعت پر تنبیہ بھی نہیں فرمائی! اتنی غیر معقول بات کس طرح تسلیم کی جاسکتی ہے؟

درحقیقت طلاق بتہ کے معنی طلاق بائن کے ہیں۔ چنانچہ لغت حدیث کی مشہور کتاب نہایت میں ابن اثیر نے میتوۃ کے معنی ہی المطلقة طلاقاً یا ثنائاً دیاں کئے ہیں۔ یعنی وہ مطلقہ جسے طلاق بائن دی گئی ہو جس طرح بائن کا لفظ طلاق کی کسی ایک شکل کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب ہر وہ طلاق ہے، جس میں رجوع کا حق باقی نہیں رہتا اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ وہ غیر مدخول بہا کی ہو، مختلفہ کی ہو، یا سنت طریقہ پر دی ہوئی تیسری طلاق ہو۔ اسی طرح بتہ کا لفظ بھی بائن ہی کے مفہوم میں ہے۔ اس کو طلاق بدعی کے لئے خاص سمجھنا صحیح نہیں۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ بتہ کا لفظ محتمل المعنی ہے تو احتمالات کی موجودگی میں محبت کس طرح قائم ہو سکتی ہے، لہذا جن حدیثوں میں طلاق بتہ کا ذکر آیا ہے اُن سے یکایک تین طلاقوں کا وقوع ثابت نہیں ہوتا۔ (۳) راقم الحروف نے اپنے مقالہ میں آیت فَطَلِقُوهُنَّ لِئَلَّا يَكُنَّ لِلْمَلَائِكَةِ مُرْسَلًا سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدت کا لحاظ نہیں کرتا۔

مدیر تجلی نے اس پر معارضہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیت کا مدعا سمجھنے میں کیں ناکام رہا اور یہ کہ ایک دو تین کے فرق سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ مدیر تجلی کے اس بیان کی تردید کے لئے مؤطا مالک کی درج ذیل روایت ہی کافی ہے:

عن عبد الله بن دينار قال سمعت عبد الله بن عمر قرا (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِقُوهُنَّ لِقُبْلِ عَدَّتِهِنَّ) قال مالك يعني بذلك أن يطلق في كل طهر مرة واحدة. (مؤطا مالک - باب جامع الطلاق)

حضرت عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر کو پڑھتے ہوئے سنا یا ایُّھا النبی الخ یعنی اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو آغاز عدت کے لئے دو۔ مالک کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک مرتبہ طلاق دی جائے۔

یکجائی تین طلاقوں کے بارے میں امام مالکؒ کا مسلک خواہ کچھ ہو اتنی بات تو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عدت کا لحاظ کرنے کا مطلب ایک طہر میں ایک ہی طلاق دینا ہے لیکن مدیرِ تعلیمی فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے یا تین۔

قرآن مجید میں طَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ عدت کے لئے طلاق دو، کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی طرح ایک مجمل حکم ہے جس طرح اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوْلِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے کے وقت سے رات کے اندھیرے تک۔ اس مجمل آیت کی صراحت سنت ہی سے ہوتی ہے کہ مراد طہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ اسی طرح عدت کے لئے طلاق دینے کا مطلب بھی سنت ہی سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینا ہے۔ پھر اس کو آیت سے یہ تعلق کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر کوئی شخص آیت اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوْلِ الشَّمْسِ سے استدلال کرتے ہوئے مغرب کی نماز عصر کے وقت ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ ایسی حرکت کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ مذکورہ آیت کے منشاء کے خلاف ہے۔ اسی طرح جو شخص طہر کا لحاظ کے بغیر یک وقت کئی طلاقیں دیتا ہے وہ آیت فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ کے منشاء کے مترجح خلاف کرتا ہے۔

(۴) میں نے اپنے مقالہ میں آیت قَبْلَهُنَّ أَجَلَهُنَّ فَأَعْسَكَوْهُنَّ بِمَعْرِفٍ أَوْ مَسْرِحُوْهُنَّ بِمَعْرِفٍ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا،

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقے پر ردو کیا جاسکتا ہے یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، کس نے ساقط کیا؟

اس کے جواب میں مدیرِ تعلیمی نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں: ایک یہ کہ خود قرآن ہی کی نص موجود ہے:

”پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق ملے دی تو اس کے بعد عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی تا وقتیکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے“

اس کے بعد مدیرِ تعلیمی نے سوال قائم کیا ہے:

”زید نے یکم جون سن ۱۹۸۰ء کی صبح چھ بجے بیوی کو ایک طلاق دی، دوسری دوپہر کو بارہ بجے دی، تیسری شام کو سات بجے دی۔ کیا یہ تین مرتبہ میں تین طلاقیں نہیں ہوئیں؟“

ہے وہ انلازف کر ہے جس نے نہ صرف طلاق کے احکام کو بندہ پڑی شریعت کو پیچیدہ اور مشکل بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب اس طرح کی فقہی موشگافیوں پر اعتراض کیا جاتا ہے تو جواب میں اہل حدیث ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان فرضی باتوں کا واقعات سے کیا تعلق؟ راقم الحروف کے پاس آج تک جتنے بھی اسنٹے تین طلاق کے سلسلہ میں آئے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں تھا کہ کسی نے صبح پہلی دوپہر میں دوسری اور شام میں تیسری طلاق دی ہو اور نہ اس قسم کا کوئی واقعہ کبھی سننے ہی میں آیا۔ اس لئے تین طلاق کے مسئلہ کو فرضی باتوں میں الجھائیا جی اسرائیلیں کی گلے ثابت کر دکھانے کی بجائے واقعیت پسندانہ نقطہ نظر سے اس کا جائزہ لینا چاہئے۔

واقعہ یہ ہے کہ لوگ اسلام کے معاشرتی احکام سے عدم واقفیت اور جذبات سے مغلوبیت کے نتیجہ میں بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھے ہیں اور بعد میں اپنے اس کئے پر پوچھتے لگتے ہیں اس کا صاف ظاہر ہے کہ یہ وہ تین طلاقیں نہیں ہیں جو سوچنے سمجھنے کا موقع اور رجوع کا حق حاصل ہوجانے کے بعد دی جاتی ہیں اس لئے اس کا حکم بھی وہ نہیں ہو سکتا جو تین طلاقوں کا ہے۔ اس میں چند مجلسوں، چند گھنٹوں یا چند دنوں کے وقفے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک مجلس کی تین طلاق کے الفاظ تو تین نے ایک عام فہم اصطلاح ہونے کی حیثیت سے استعمال کئے تھے۔ لیکن مدیرِ تعلیمی نے اس میں بھی فقہی نکتے پیدا کر دیئے، حالانکہ اس سے مراد ایک طہر کی تین طلاقیں تھیں۔

قرآن کی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ والی آیت پوری پڑھ جائیے۔ صاف معلوم ہو گا کہ تیسری طلاق کو جو منقطع قرار دیا گیا ہے وہ کوئی ایسی طلاق نہیں ہے جس سے پہلے رجوع کا حق ساقط کر دیا گیا ہو۔ مذکورہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے، پھر معروف طریقہ پر روک رکھتا ہے یا بھلے طریقہ پر رخصت کر دینا: اس کے بعد رجوع کا ذکر ہے جو ایک طلاق بائن ہوتی ہے۔ اس کے بعد فائے تعقیب کے ساتھ تیسری طلاق کا حکم بیان فرمایا ہے: معلوم ہوا کہ اس حکم نے طلاق منقطعہ سے پہلے عورت کے لئے رجوع کا موقع اور مرد کے لئے دو مرتبہ کی طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا موقع باقی رکھا ہے۔ ایک سانس میں تین طلاقیں دینے سے حکم کا منشا رکیونکر پورا ہو گا اور قرآن کی بیان کردہ تیسری طلاق کا حکم اس پر کس طرح چسپاں ہو گا؟ — اگر مذکورہ آیت میں ایک طہر میں ایک طلاق دینے کے لئے عبارتہ النقص موجود تھیں ہے تو کیا اشارۃ النقص بھی موجود نہیں ہے؟ یہ فائے تعقیب کس طرف اشارہ کر رہی ہے؟ بیک وقت زبان سے تین طلاق کے الفاظ نکل جانے پر یا تیسری مرتبہ طلاق کا فیصلہ کر دینے پر؟

آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ بتاتی ہے کہ دو مرتبہ رجوع کرنے کا موقع حاصل ہے، جب ہی تو یہ یا تو بھلے طریقہ سے روک رکھتا ہے: فرمایا گیا ہے۔ ایک وقت کی تین طلاقوں کو نافذ مان لینے کے بعد رجوع کا موقع کہاں

باقی رہتا ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں وہ مصلحت فوت نہیں ہوتی جو شریعت نے تیسری طلاق کے سلسلہ میں ملحوظ رکھی ہے؟ کیا قرآن کی اس آیت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ تیسری طلاق وہ طلاق ہے جو دروغی طلاقوں کے بعد دی جائے؟ اور یہ کہ اس تیسری طلاق سے پہلے خلع کا موقع بھی حاصل ہے۔ ایک کلمہ دی جانے والی تین طلاقوں کے بعد خلع کا موقع کہاں باقی رہتا ہے؟ کیا آیت مذکورہ کے تمام متضمنات سنت طریقہ پر دی جاوالی طلاق کی طرف کھلا اشارہ نہیں کر رہے ہیں؟ اس آیت سے مشروع طلاق کا حکم نکلتا ہے یا بدعی طلاق کا؟ اگر مشروع طلاق کا حکم نکلتا ہے تو کیا مشروع طلاق کے لئے ایک ٹہر میں ایک طلاق دینے کی قید نہیں ہے؟ آیت کے ان تمام متضمنات اور ان تمام مصالح سے جو اسلام نے اپنے منابطہ طلاق میں ملحوظ رکھے ہیں، صرف نظر کر کے تیسری طلاق کے اس حکم کو ایک سانس میں دی جانے والی تین طلاقوں پر چسپاں کر دینا اس عاجز کے لئے جو نہ مقلد ہے اور نہ کسی مسلک کا پابند، بالکل ناقابل فہم ہے۔

دوسری بات مدعیہ تجلی نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ :

”جب قرآن ہی سے معلوم ہو گیا کہ عدت میں رجوع کا استحقاق مرد کو صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ طلاقین دینے میں جلد بازی نہ کرے۔ اگر جلد بازی کرے گا تو تین زمان عست میں استحقاق سلب ہو جائے گا، تو کیا آپ کا نص کا مطالبہ اب یہ معنی رکھتا ہے کہ کوئی اور قرآن آسمان سے نازل کرایا جائے؟“ (طلاق نمبر ۱۲۷)

معاذ اللہ! گویا تین یکساں طلاقوں کے تین واقع ہونے پر نص قطعاً موجود ہے، لیکن میرا سہ تسلیم نہیں کر رہا ہوں! جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو آدمی اپنی بات منوانے کے لئے اسی طرح کی جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نص قطعاً موجود ہے تو کیا وہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیمؒ کو بھی دکھائی نہیں دی یا انھوں نے دانستہ اس سے انکار کیا؟ زاویر نظر کی یہ سچی اختلافات کی تبلیغ کو پیشہ و وسیع ہی کرتی رہی ہے۔ کاش ہمارے فقہیان حرم بحث و تحقیق کے آداب سے آشنا ہوتے! اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی بات کو ہرگز محرف آخر قرار نہ دیتے بلکہ نصوص کی تعبیر اور اجتہاد کے معاملہ میں آراء کا جو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس کے لئے گنجائش تسلیم کر لیتے۔

مدعیہ تجلی نے جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ہر بات محض شہوت ہے۔ بتایا جائے قرآن میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ جلد بازی کی صورت میں رجوع کا حق ساقط ہو گا، یا زمان عدت میں رجوع کا استحقاق سلب ہو جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ آیت قرآنی کی یہ ایک تعبیر ہے، لیکن دوسری تعبیر وہ ہے جو

فریبت مانی کرتا ہے۔ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا کہ اس کی اختیار کردہ تعبیر ہی نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے؟ گویا جو کچھ اس نے مجاہدہ قرآن اور دین ہے اور جو دروس و مسائل مجاہدہ جہل مرتکب! (۵) مدیرِ تجلّی نے اگست و ستمبر ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں تین یکبارگی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر احادیث اور صحابہ کرامؓ کے متعدد فتوے نقل کئے ہیں۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ان میں سے بیشتر حدیثوں پر میں اپنے مقالہ میں گفتگو کر چکا ہوں کہ تین کے وقوع پر کوئی بھی حدیث ایسی موجود نہیں ہے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی۔ رہی دارقطنی وغیرہ کی حدیثیں تو اولاً اتنے اہم مسئلہ میں دارقطنی جیسی تیسرے درجہ کی کتاب کسی حکم کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ ثانیاً اس قسم کی حدیثوں کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

ولم یقتل احدًا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 باسناد منقول ات احدًا اطلق امراتہ
 ثلاثًا بکلمۃ واحدۃ فانزله الثلاث
 بل روى فی ذلک احادیث کما کذب
 باتفاق اهل العلم ولکن جاء فی
 احادیث صحیحۃ ات فلانا طلق
 امراتہ ثلاثًا ای متفرقة
 (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۲، ص ۷۸)

کسی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسناد کے ساتھ
 کوئی ایسا واقعہ نقل نہیں کیا ہے کہ کسی شخص نے بیک کلمہ
 تین طلاقیں دی ہوں اور آپ نے ان تین طلاقوں کو
 لازم کر دیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں جو حدیثیں بھی مروی
 ہیں وہ باتفاق اہل علم مجھوتی ہیں۔ ہاں احادیث صحیحہ میں
 اس بات کا ذکر ہے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین
 طلاقیں دیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے متفرق طور سے
 تین طلاقیں دی تھیں۔

علامہ ابن تیمیہ دارقطنی کی حضرت معاذ بن جبلؓ والی حدیث الزمناہ بعد عتہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد میں اسمعیل بن اُمیہ ہیں جن کو دارقطنی نے خود ضعیف اور متروک الحدیث کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی تصنیف کی ہے۔

ابن تیمیہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہزار طلاقوں والی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دارقطنی نے اس حدیث کو بیان کر کے خود لکھا ہے کہ اس کے راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کہ اگر انھوں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو بیوی ان سے جدا ہو جاتی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صحیح اور مستحسن کی حدیثوں میں یہ اضافہ مذکور نہیں ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس کے ایک راوی شعیب بن جویرین ہیں اور ان پر کلام کیا گیا ہے۔

حضرت حسن کی حدیث کے بارے میں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی عائشہ کو تین طلاقیں دی تھیں، ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس کے ایک کلمہ محمد بن حمید الرازی ہیں جن کو ابو زرہ نے کتاب اور الہاتم نے منکر الحدیث کہا ہے۔

(ملاحظہ ہو إغاثة اللمعات، ج ۱، ص ۲۱۷ تا ۲۱۹)

اس قسم کی ضعیف روایتیں سب مل کر بھی ایک ایسے اہم مسئلہ میں جس کا تعلق نکاح کے لازماً ٹوٹ جانے سے ہو، محبت نہیں بن سکتیں اور احکامِ دین کے بارے میں ضعیف حدیثوں کا سہارا لینا صحیح نہیں۔
رہے صحابہ کرام کے فتوے جو مدیہ تجلی نے تین کجیائی طلاقوں کے وقوع کے حق میں نقل فرمائے ہیں، تو ان کے بارے میں عرض ہے کہ:-

آقلا، صحابہ کرام سے جو فتوے منقول ہیں ان میں سے متعدد فتوے بغیر اسناد کے ہیں، اس لئے ثبوتِ اجماع کے لئے یہ ناکافی ہیں۔

ثانیاً، صحیح مسلم کی حضرت ابن عباسؓ والی حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے تعامل کا ذکر ہے، اگر قابلِ احتجاج سمجھی جائے تو اس سے اجماع کے دعوے کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں اور اگر قابلِ احتجاج نہ سمجھی جائے جیسا کہ مدیہ تجلی کا خیال ہے تو اجماع کا دعویٰ بے بنیاد ہو جاتا ہے، کیونکہ ثبوتِ اجماع کے لئے حضرت عمرؓ کا فیصلہ پیش کیا جاتا ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔

ثالثاً، جن روایتوں میں صحابہؓ کے فتوے بیان ہوئے ہیں، ان میں سے متعدد روایتوں کے بارے میں درایتِ کلام کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ یہ روایتیں بتلاتی ہیں کہ ان کے زمانہ میں لوگ بیک وقت سونو اور ہزار ہزار طلاقیں دینے لگے تھے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ اس طرح بھی طلاق دی جاتی کہ آسمان میں جتنے تارے ہیں اتنی طلاقیں۔ یہ اکاد کا واقعات نہیں بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات بہ کثرت پیش آتے رہے ہیں۔ اس لئے ان روایتوں کو قبول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ قرنِ اول کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ اُس وقت شدید معاشرتی بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، لوگ کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے لگ گئے تھے اور بدعی طلاق کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں تو

ہمارا موجودہ معاشرہ بسا فضیلت معلوم ہوتا ہے کہ لوگ صرف تین طلاقیں دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک سوا اور ایک ہزار طلاق کی بات تو کبھی سننے میں بھی نہیں آتی۔ ظاہر ہے جو روایتیں قرآن اولیٰ کی اتنی غلط تصویر پیش کرتی ہوں وہ نہ قابل قبول ہو سکتی ہیں اور نہ لائق محبت اور نہ اس قسم کی روایتوں کا ڈھیر لگانے سے اجماع ثابت ہوتا ہے۔

رابعاً، صحابہ کرامؓ کے کتنے فتوے ایسے ہیں جن کو متعدد فقہاء نے تسلیم نہیں کیا۔ مثلاً حضرت علیؓ کو مجھ پر حرام ہے؛ کو تین طلاق قرار دیتے تھے، لیکن حضرت ابن عباسؓ اس صورت میں کفارہ کی ادائیگی کو کافی خیال کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کہنے والے کی نیت اگر طلاق کی تھی تو طلاق ہوگی، اور اگر ظہار کی تھی تو ظہار ہوگا اور اگر مطلقاً یہ الفاظ کہے ہیں تو وہ طلاق ہوگی اور نہ ظہار، بلکہ مرفقہ قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ کی شرح موطا کتاب الطلاق)

میراث کے مسئلہ میں ذوی الفروض پر رد (بقیہ مال کو لانے) کا طریقہ حضرت علیؓ نے صحابہ کے مشورے سے رائج کیا تھا، لیکن امام شافعیؒ اور امام مالک رحمہما اللہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ لہذا تین بیجائی طلاقوں کے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے فتووں سے بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ**۔ اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

خامساً، صحابہ کے یہ فتوے اجتہاد پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے معاشرتی حالات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا تھا جبکہ معاشرہ شدید بگاڑ سے دوچار نہیں ہوا تھا، لیکن بعد میں جب بگاڑ میں اضافہ ہونا چلا گیا تو نظرِ ثانی کی ضرورت ابھر کر سامنے آئی۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں از سر نو غور فرمایا۔

آج ہمارے معاشرہ کا جو حال ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مسلمانوں کے موجودہ معاشرتی حالات تقاضا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے اور قوتِ اجتہاد سے کام لے کر اس کا حل نکالا جائے۔ اجتہاد کے لئے اہلیت یقیناً شرط ہے، لیکن یہ شرط ایسی نہیں کہ اس کو پورا کرنا ممکنات میں سے نہ ہو۔

موجودہ دور کے مقلد علماء و اجتہاد کو اتنا مشکل بنا کر پیش کرتے ہیں کہ نہ تو من تسیل ہوگا
والی بات کے مترادف ہو جاتا ہے۔ اور مفتی حضرات کا کام بس یہ رہ گیا ہے کہ حالات سے آنکھیں
بند کر لیں اور پیش آمدہ مسائل پر کتاب و سنت کی روشنی میں غور کرنے کے بجائے شامی اور دُرِّ ممت از صبی
فقہی کتابوں کے حوالے نقل کر کے پیش کریں اور اگر اجتہاد ناگزیر ہی ہو جائے تو تخریج درخت سراج کا
طریقہ اختیار کریں۔

آخری بات یہ ہے کہ تین یحجائی طلاقوں کے وقوع کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جمہور علماء و
فقہاء کا قول ہے۔ مجھے بھی اس سے انکار نہیں ہے، لیکن یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ جمہور کی ہر رائے صحیح ہو
اور گروہ قلیل کی ہر رائے غلط۔ کبھی گروہ قلیل کی رائے ہی صائب ہوتی ہے۔ وَكَمْ مِّنْ فِتْنَةٍ
قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةَ كَثِيرَةٍ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ اور دین نے ہیں جمہور علماء کا نہیں بلکہ صوف کتاب و سنت کا
پابند مینا یا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَلٰهِنِ قِرَانَ وَسُنَّتِ كِي صَحِيحٍ طَوْرَسے اشباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ۔ ایڈیٹر مجلی نے اگست و ستمبر ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں مولانا عروج قادری صاحب کے سلسلہ کا جواب
دیتے ہوئے حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ سے استدلال کو غلط ثابت کرنا چاہا ہے۔ اس سلسلہ کی لمبے
بات موصوف نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ حضرت عمرؓ حاکم وقت تھے نہ کہ قاضی، نیز یہ کہ اُن کا فیصلہ کسی
عدالت میں بطور نظریہ بھی پیش نہیں ہونا تھا، کیونکہ عدالت میں عدالتی نظائر کام آتے ہیں، محاکم کے اعتدالی
یا سیاسی یا اصلاحی اقدامات اور فیصلے کام نہیں آتے۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کے مذکورہ فیصلہ کی حیثیت عدالتی نہیں بلکہ سیاسی اقدام کی تھی تو
حضرت عمرؓ کے تین یحجائی طلاقوں کو نافذ کرنے کی جو علماء و ریو توجیہ کرتے ہیں کہ اس کا نفاذ محض تعزیراً
کیا گیا تھا، اُن کی یہ توجیہ کیوں غلط قرار دی جائے؟ مزید یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت
عمرؓ کا فیصلہ عدالتی نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے تو صحابہؓ کے فتوے
جن کی حیثیت بھی عدالتی فیصلوں کی نہیں ہے، حجت کس طرح بن سکتے ہیں؟

دعوتِ فکر و نظر

از رسم

جناب مولانا محمد کرم شاہ زہری مدیرِ "وضیاءِ حرم" ہندسہ دراز العلوم محمد خونیہ پھیر

رکنِ اسلامی نظر بانی کونسل مرکزی رویتِ ہلالِ کمیٹی پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضروری گزارش

(ع ۱ ح)

صاحبِ مقالہ مولانا پیر کرم شاہ صاحب انیسویں پاکستان کے علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ موصوفہ علمائے حنفیہ پاکستان کی بریلوی شاخ سے متعلق ایک سربراہ اور شخصیت اور علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

محترم پیر صاحب کا زیرِ نظر سالہ مسئلہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں ہے یعنی وہی مسئلہ بیک وقت تین طلاق دینے کا جس میں عوام کو پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور جس کے لیے وہ بسا اوقات سرگردان پھرتے نظر آتے ہیں۔

مولانا موصوفہ نے اس مسئلہ میں سب مذاہب اور ان کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ”دھوتِ فکر“ کے لیے خصوصاً فقہ حنفیہ کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے احناف کے سامنے پیش کیا تھا۔ نجزاہ اللہ احسن الجزاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین واطیب الصلاة واذکی السلام علی قائد
الفر المجلین شفیع المذنبین سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ
وصحبہ و من تبعہ باحسان الی یوم الدین

اسلام اپنی صداقت کی خود دلیل ہے۔ اس کی تعلیمات، عقائد اور احکام شریعہ کی طویل
فہرست سے کوئی سے کوئی سا عنوان لے لیجئے۔ اور اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے۔ آپ
بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔ (اِنَّ هُوَ اِلَّا وَحْدُیُّ یُحْسِیْ دَالِجِیْم)۔
مندرجہ سطور میں مجھے آپ کی خدمت میں اسلام کے نظامِ طلاق کے متعلق کچھ عرض
کرنا ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کا وجود منظریت کا مجسمہ تھا۔ یہ فرائض کے بارگراں کے بچنے
دہلی چلی جا رہی تھی۔ لیکن جہاں تک اس کے حقوق کا تعلق تھا۔ کسی کو ان کا احساس تک نہ تھا۔
طلاق کے سلسلے میں اسلام نے جو عادلانہ اصلاح کی اور اس اصلاح پر جو خوشگوار دور رس تاریخ
برآمد ہوئے اگر انہیں پر انسان مُصفا نہ نگاہ ڈالے تو اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام کسی انسانی
دماغ کی اختراع نہیں بلکہ حکیم و عظیم خدا کا نازل کردہ دین ہے۔ اس وقت مشرق میں ہندوستان
کے نیم براعظم میں بسنے والے لوگوں کے نزدیک ایک دفعہ شادی ہو جانے کے بعد یہ رشتہ ٹوٹ
نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح سچی دنیا میں بھی جو سائے مغرب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے۔ یہ تعلق اتنا
مقدس تھا کہ اس کو توڑنا سخت گناہ تھا۔ چنانچہ انجیل میں ہے: "جسے خدا نے جوڑا اسے آدی جدا
نہ کرے" (متی ۱۹: ۶)

اس کے برعکس عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو ان گنت بار طلاق دے سکتا تھا
چنانچہ مفسر کبیر ابن جریر لکھتے ہیں کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی۔
اور ہر بار عدت گزرنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی
کو دھکی دی۔ لاقربک ولا تخلیں منی کہ نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا۔ اور نہ تو مجھ
سے آزاد ہو سکے گی! اس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا اَطْلَقْتُکِ حَتّٰی اِذَا اَدْنَا
اَجْلُکِ رَاجَعْتُکِ ثُمَّ اَطْلَقْتُکِ یَا اَدْنَا اَجْلُکِ رَاجَعْتُکِ (میں تجھے طلاق دوں گا

پھر جب قدرت گزرنے کے قریب ہوگی تو میں رجوع کروں گا، پھر طلاق دوں گا اور پھر عدت گزارنے سے پہلے پہلے رجوع کروں گا۔ اسی طرح طلاق دینا اور رجوع کرنا ہر دوں گا۔) وہ اپنے تاریک مستقبل کا تصور کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہ رسالتاً رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی۔ پروردگار عالم نے اپنے حبیب محرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وہ آیت نازل فرمائی جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ اور عالمی قانون میں وہ تاریخی انقلابی لیکن عادلانہ اصلاح فرمائی جس نے بڑے بڑے دانشمندیوں کو محو حیرت کر دیا۔

اسلام کے نزدیک رشتہ ازواج ایک مقدس رشتہ ہے۔ یہی وہ خشتِ اول ہے جس پر تمدن و عمران کا قصرِ رفیع اٹھایا جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی وحدت ہے جس سے قرین معروض وجود میں آتی ہیں۔ اس کا بقینا احترام کیا جائے اتنا کم ہے لیکن بعض اوقات حالات اتنے سنگین ہو جاتے ہیں کہ میاں بیوی کامل کر رہنا دونوں کے لیے متفاوت کا باعث ہوتا ہے۔ مزاجوں میں باہمی اتنا بعد ہوتا ہے۔ کہ ان کو باہم جکڑے رکھنا دونوں کے لیے وبال جان بن جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اس تعلق کو اس کے تقدس کے باوجود منقطع کرنا دونوں کے لیے بلکہ سارے معاشرہ کے لیے بھی خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے اس لیے اسلام نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت دی لیکن ساتھ ہی تنبیہ بھی کر دی کہ اِنْ فَضِّ الْحَلَالِ عِنْدَ اللَّهِ الطَّلَاقُ (”طلاق حلال تو ہے لیکن اس کا استعمال اللہ کے نزدیک بہت منحوس ہے۔“) اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ طلاق دینے کا وہ حکیمانہ طریقہ سکھایا جس کے مطابق حمل کرنے سے اسلحہ حال کا کوئی امکانی موقعہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اب آپ وہ طریقہ ملاحظہ فرمائیے:-

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَاِمْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْحُ بِاِحْسَانٍ وَّلَا يَحِلُّ
لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا بِمَا اَتَيْتُمْوَهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَنْخَافَا اَلْاَيْقِيْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلْاَيْقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَاجِنَاْحَ عَلَيْهِمَا فَاِنَّمَا اَنْتُمْ
بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَاتُعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْاَقْلَامُوْنَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ
حَتٰى تَنْكِحَ سَاوِجَا غَيْرَهَا (الْبَقَرَةُ)

علامہ ابوبکر الجصاص علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے

کہتے ہیں۔

قد ذکرت فی متناہ وجوہ احدہا انه بیان للطلاق الذی تثبت
معه الرجعة والثانی انه بیان لطلاق السنة والثالث انه امر
بانہ اذا اسر اذ ان یطلقہا ثلاثا فعلیہ التفریق والدلیل علی
ان المقصد فیہ الامر بتفریق الطلاق و بیان حکم ما یتعلق
بایقاع ما دون الثلاث من الرجعة انه قال (الطلاق مرتان)
وذلك یقتضی التفریق لاحالة لانه لو طلق اثنتین معاً لهما
جانہ ان یطلقہا مرتین وكذلك لو دفع امر رجل الی آخر درہمین
لم یجن ان یقال اعطاه مرتین حتی یفرق المدفع... تثبت
بذلك ان ذکرہ للمرتین انما ہوا امر بالیقاعہ مرتین
ونہی عن الجمع بینہما فی مرة واحدة (احکام القرآن ج ۸ ص ۲۳۶)
اب زرارہ فیصلہ اوہ طریقہ جسے قرآن نے بیان نہ کیا۔ اور حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس
کی وضاحت نہ فرمائی درج ذیل ہے۔

علماء احناف کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ احسن۔ بحسن اور بدعی۔

(۱) طلاق احسن تو اس کو کہتے ہیں۔ کہ جب عورت ایام حیض سے فارغ ہو تو فاوند اس سے
مقاربت کرنے سے پہلے صرف ایک طلاق دے اور اس کے بعد اسے کوئی طلاق نہ دے یہاں تک
کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔

(۲) طلاق حسن :- جب عورت ایام حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت
کو ایک طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایام حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے
پہلے مرد عورت کو دوسری طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایام حیض سے فارغ
ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو تیسری طلاق دے۔ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت
اس پر قطعی حرام ہو جائے گی۔ جب تک دوسرے فاوند سے نکاح نہ کرے بالکل ایسا نکاح
جیسے اس نے پہلے فاوند سے بستہ کی نیت سے کیا تھا۔ اور پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق
نہ دے۔ اس وقت تک وہ دوبارہ پہلے فاوند کے عقد میں نہیں آ سکتی۔

اگر آپ طلاق کے اس طریقہ پر غور فرمائیں۔ تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ زوجیت

کا رشتہ اسلام کے نزدیک گناہم ہے اور اسلام اس کی سلامتی اور بقا کا گناہنا خراباں ہے۔ خاوند
 کو سوچ بچار کے لیے ایک طویل وقت دیا جاتا ہے کہ تم اپنے آشیانے کو درہم برہم کرنے کا قطعی فیصلہ
 کرنے سے پہلے ایک بار نہیں۔ بار بار خوب سوچ لو۔ تم اپنے ایک ایسے ساتھی کو چھوڑ رہے ہو۔
 جو تمہارا جیون ساتھی ہے۔ تم اپنے بچوں کو بہر باری سے محروم کر رہے ہو۔ تم ان سے وہ گود چھین
 رہے ہو۔ جو ان کے لیے تخت طاؤس اور قصر ابيض سے زیادہ عزیز ہے۔ اسلام چاہتا ہے۔
 کہ اس عرصے میں ہنگامی وجوہات کے باعث جذبات میں جو تیزی، تعلقات میں جو تلخی اور مزاج
 میں جو برہمی پیدا ہو گئی ہے وہ فرو ہو جائے اور اپنی رفیقہ حیات سے مفارقت کا جو فیصلہ آپ نے
 کیا ہے اس پر خوب غور کر لیں تاکہ پھر کفِ افسوس نہ ملتے رہیں۔ اور اشکِ ندامت نہ بہاتے رہیں۔
 یہ نعلتِ عورت کے لیے بھی بڑی قیمتی ہے۔ وہ بھی اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل پر غور کر لے۔
 اور اگر زیادتی یا قصور عورت کا ہے تو وہ بھی اگر اپنی اصلاح کرنا چاہے تو کر لے۔ اور اپنی وفاداری
 اور فرمانبرداری کا اپنے شریکِ حیات کو یقین دلادے اور اس کے ائینہ دل پر کدورت کا جو غبار
 جم گیا ہے۔ اسے اپنی سلیقہ شعاری سے اس مدت میں دور کر لے۔ لیکن اگر اتنی مدت دراز میں بھی
 دونوں میں صلح نہ ہو سکے اور خاوند اپنے فیصلے پر اڑا رہے تو پھر بہتری اسی میں ہے کہ اس رشتہ کو کاٹ
 دیا جائے تاکہ یہ بھائی کا پھندہ بن کر دونوں کے گلے میں نہ لٹکتا رہے۔ اس کے باوجود بھی یہ ہدایت فرمائی۔
 کہ طلاقِ حیض کے ایام میں نہ ہو۔ کیونکہ ان ایام میں طبعی منافرت پیدا ہوتی ہے۔ اور اڑھڑ میں بھی
 تعارت سے پہلے طلاق دینے کی ہدایت کی تاکہ رغبت میں فتور پیدا نہ ہو جائے۔ اور یہ دونوں
 عوامل کہیں مفارقت کے جذبہ کو تعویث نہ پہنچائیں۔ اس طریقہ کار سے عورت نہ تو بازو بچہ
 طفلان نبی رہتی ہے۔ کہ آپ جب تک چاہیں۔ اس کی قسمت کے ساتھ کھیلتے رہیں چاہے
 پیچاس طلاقیں مے دیں۔ اور ہر بار عدت گزارنے سے پہلے رجوع کر لیا کریں اور اسے اپنے
 نکاح کی زینچ میں جکڑے رکھیں۔ اور زندہ پابندی کے میاں میں لاکھ چاہیں کہ ہم جدائی اختیار کریں۔
 اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔ لیکن قانون کا ڈنڈا ان کے سروں پر لٹک رہا ہو۔ اور انہیں بتا
 رہا ہو کہ تم مرو یا جھوٹاب تمہیں زندانِ زوجیت سے رہائی نہیں مل سکتی۔ خواہ تمہاری تخلیقی
 قوتوں کا دم گھٹ جائے خواہ تمہاری تعمیری صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جائیں پریم کا جو بیلا مرمت
 سمجھ کر فتنے خوشی سے ہزٹوں سے لگا یا تھا۔ بوں سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔ خواہ حالات نے اس
 میں زہرِ بلاہل گھول دیا ہو۔

قرآن حکیم میں طلاق کا جو قانون مذکور ہے۔ اور اس کا جو طریقہ بیان فرمایا گیا ہے۔ وہی ہے۔ تقریباً تمام مفسرین نے اس آیت کا مفہوم ہی بیان فرمایا ہے حنفی علماء میں امام ابو بکر جصاص کی جو شان ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کی نایہ ناز تفسیر احکام القرآن کا ایک اقتباس آپ پہلے ملاحظہ فرمائیے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس خیال کو کہ تین طلاقیں اگر ایک ساتھ ہی دی جائیں تو جائز ہیں کا رد کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں۔ حکم الطلاق ماخوذ من ہذہ الآیات لولاھا لم یکن الطلاق من احکام الشرع فلم یجزئنا اثباتہ مستوناً الا علی ہذہ الشریطة وبہذا الوصف وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ادخل فی امرنا مالیس منه فہورد۔ (طحاوی)

یعنی "طلاق کا حکم ان آیات سے ماخوذ ہے اگر یہ آیات نازل نہ ہوتیں تو طلاق کو احکام شرعیہ سے شمار ہی نہ کیا جاتا۔ اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ان مذکورہ شرائط اور صفات کے بغیر مسنون طریقہ پر اس کا اثبات کریں۔"

امام مذکور دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں۔ قدماوی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم فی التہمی عن ایقاع الثلاث مجموعۃ بالامسأ لتا ویل فیہ۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۵)

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقال آخرون انما انزلت ہذہ الآیۃ علی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلہ یفہم من اللہ تعالیٰ ذکرہ عبادہ سنۃ طلاقہم نساءہما اذا اداوا طلاقہن رجوعاً ان عبارتوں میں سنت کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے، ممکن ہے کسی صاحب کسفت کا معنی متعین کرتے ہیں کوئی غلط فہمی ہو اس لیے لفظ سنت جس معنی میں یہاں مستعمل ہوا ہے۔ اس کے تعلق صاحب روح المعانی کی یہ تفسیر پیش نظر رہے۔ وانما السنۃ التفریق لما روی فی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لہ انما السنۃ ان تستقبل الطہر استقبالا لتطلقہا کل قرعۃ تطلیقۃ فانہ لم یرد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من السنۃ انہ یتعقب الثواب لکونہ امرا باحاً فی نفسہ لامند و بابل کونہ من الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین (ج ۲ ص ۱۳۶)

طلاق کی میسری قسم۔ طلاق بدعی۔ یہ اس طلاق کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ بالا طریقہ کے خلاف دی گئی ہو۔ اب اگر کوئی شخص تین طلاقیں ایک ساتھ ہی دے دیتا ہے۔ تو اسے طلاق بدعی کہیں گے۔ کیونکہ طلاق کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا اس نے اس کے خلاف طلاق دی۔

تمام علماء احناف (حنبلہ، مالکیہ و شافعیہ) اس بات پر متفق ہیں کہ طلاق بدعی حرام ہے لیکن علماء اسلام کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ اگر کوئی اس طرح طلاق دے تو کیا تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ یا ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں۔ کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور جب تک حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ کی شرط پوری نہ کرے اس کے عقد میں نہیں آسکتی اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس طرح صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ باقی لغو ہوتی ہیں۔ علماء مصر نے جن میں علماء اہل ہرم بھی شامل ہیں زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر قول ثانی کو ترجیح دی ہے اور اب مصر اور کئی دوسرے اسلامی ممالک میں شرعی عدالتیں اسی قانون پر عمل پیرا ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم کسی فیصلے تک پہنچیں۔ پوزی فراخدی، انتہائی خلوص اور لہجیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر فریقین کے دلائل کا جائزہ لینا چاہیے۔

اس امر میں تو سب متفق ہیں کہ قرآن حکیم نے طلاق کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ یہی ہے۔ کہ ایک ایک طلاق تین طہروں میں دی جائے اور تینوں طلاقیں ایک طہر میں دینے کا قرآن میں کوئی ثبوت نہیں۔ بعض حضرات نے مندرجہ آیات سے تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا جواز نکالا ہے۔

(۱) وَ لَمَّا طَلَّقَاتٍ مَّتَّاعٌ بِالْمَعْرُوفِ (۲) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ (۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ۔ ان کی وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں ہر آیت میں طلاق کا ذکر ہے لیکن یہ تصریح کسی میں نہیں کہ طلاقیں جدا جدا دی گئی ہیں۔ تو پتہ چلا کہ ایک ساتھ بھی اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ تو اس کے جواب میں یہ عرض کیا جاسکتا ہے کہ یہ آیتیں مطلق ہیں۔ دوسری آیات اور سنت نبوی نے ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے۔ اور ان کے احکام اور شرائط کو بیان کر دیا۔ نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاقیں دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں۔

اب ہمیں سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور اس ذاتِ اقدس و اطہر کے ارشاداتِ طیبہ سے اس مشکل کا حل طلب کرنا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تفسیر و تشریح کے لیے مبعوث فرمایا۔ اور یہی وہ درگاہِ بیکس پناہ ہے جہاں گم کردہ راہوں کو ہدایت کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ سپہرِ علم و حکمت کا یہی وہ مہر درخشاں ہے جس کے سامنے انسانی عقول کے سائے تباہی سے ماند پڑ جاتے ہیں۔

وہ احادیثِ حن سے جمہورِ علماءِ اسلام نے استدلال فرمایا

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّ عُمَیْرَ الْعَجْلَانِیَّ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَلَاثًا بِحَضْرَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (دشمنین)
تو معلوم ہوا کہ اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو حضورؐ اسے منع فرماتے جنھوں نے اس کو سکوت فرمانا ان کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ لیکن کیا اس حدیث سے استدلال درست ہے۔ تو بہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ خود ابو بکر الجصاص اور خمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب عومیر اپنی بیوی کے خلاف زنا کا الزام لگاتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور لعان کی آیت نازل ہوئی۔ جب لعان ہو چکا۔ تو اس کے پیشتر کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی تفریق کا حکم صادر فرماتے اس وقت عومیر نے تین طلاقیں دیں۔ جصاص فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جب صرف لعان سے ان کا نکاح ٹوٹ گیا تھا۔ تو اب اگر وہ طلاق دے رہے تھے۔ تو وہ لغو اور بے اثر تھی کیونکہ طلاق کا اثر تو فسخ نکاح ہے۔ جب نکاح پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ تو اب اس طلاقِ ثلاث کا کوئی مقصد نہ تھا۔ کیونکہ یہ بے اثر اور لغو تھی۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکوت اختیار فرمایا۔ جصاص فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی پوچھے کہ تمہارے حنفی مذہب کے مطابق تو جب تک قاضی فسخ نکاح کا فیصلہ صادر نہ کرے صرف لعان سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ تو جس وقت اس نے تین طلاقیں دیں۔ نکاح موجود تھا۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سکوت تو صحت و وقوع اور بوازی پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس کے وہ دو جواب فرماتے ہیں۔

قيل له جأئن ان يكون ذلك قبل ان يسنن الطرق للعدة و منع
الجمع بين التطلقات في طهر واحد فلذا لك لم ينكر الشارع
صلى الله عليه وسلم وجأئن ايضا ان تكون الفارقة لما
كانت مستحقة من غير جهة الطلاق لم ينكر عليه ايقاعها
بالطلاق -

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں اس کا ایک اور جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ عویمرؓ اس وقت سخت غم کی حالت میں تھے۔ اگر انہیں کچھ کہا جاتا تو ممکن تھا کہ بارگاہ رسالت میں کوئی نازیبا کلمہ ان کے منہ سے نکل جاتا اور ایمان بھی سلب ہو کر رہ جاتا۔ حضور کریم نے عویمرؓ پر رحم فرماتے ہوئے سکوت فرمایا۔

عن القاسم بن محمد عن عائشة رضی اللہ عنہا

ان رجلا طلق امرأته ثلاثاً فأتت زوجت فطلق

فَسئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبَّ لِلأَوَّلِ قَالَ لِأَحْتَى يَدُوقُ
عَسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاكَ الأَوَّلُ

(بخاری)

وجہ استدلال :- یہاں بھی تین طلاقوں کا ذکر ہے۔ اگر ان سے حرمت غیظتہ ثابت نہ ہوتی تو رسولؐ کی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیوں ایسا ارشاد فرماتے تو معلوم ہوا کہ تین طلاقیں اگر ایک ساتھ دی جائیں تو وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ دوسرے علمائے نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تھیں۔ بلکہ طَلَّقَ ثَلَاثًا کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے تین بار طلاقیں دیں۔ اس لیے اس حدیث سے بھی استدلال درست نہ ہوا۔

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن ان فاطمة بنت

تیسری حدیث تیس اخبارتہ ان رُوِجَهَا اَبَا حَفْصِ بْنِ الْمُخَيَّرَةِ

المنخزومي طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلَى الْيَمَنِ فَاَنْطَلَقَ خَالِدُ بْنُ وِلِيدٍ

فِي نَفْسِ فَاَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ

أَمْرَ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالُوا إِنَّ أَبَا حَفْصٍ طَلَّقَ أُمَّكَ
تَلَا تَأَنَّهُلْ لَهَا نَفَقَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَيْسَ لَهَا نَفَقَةٌ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ -

وجہ استدلال :- اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

اس کا جواب | **اس کا جواب** | طلاق ثلاثاً کے الفاظ مجمل ہیں۔ ان کا بیان دوسری حدیث میں موجود ہے۔ جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ان ابا عمرو بن حفص بن المغيرة خرج مع علي بن ابي طالب الى
اليمن فامر سئل الى امرأته فاطمة بنت قيس بتطيقة كانت
بقيت من طلاقها الخ
(مسلم ص ۴۸۸)

اس سے صاف واضح ہو گیا کہ اس نے پہلے دو طلاقیں دے دی تھیں یہ آخری طلاق بعد میں تین سے بھیجی۔ یہ الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہیں دی گئی تھیں۔ نیز اس حدیث میں جو حکم صراحتاً مذکور ہے کہ وہ عورت جسے طلاق مغلفہ دی گئی ہو اس کا نفقہ اور سکونت خاوند کے ذمہ نہیں اس حکم صریح کو کسی امام نے بھی تسلیم نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

چوتھی روایت | **چوتھی روایت** | روای عبد الرزاق فی مصنفه عن يحيى بن العلاء
عن عبید الله بن الولید الوصافی عن ابراهیم

بن عبید الله بن عباد بن الصامت عن داود عن عباد بن الصامت
قال طلق جدی امرأة له ألفت تطيقة فأنطلق إلى رسول الله
صلى الله عليه وسلم فذكر له ذلك فقال النبي صلى الله عليه
وسلم ما أتقى الله جدك أما الثلاث فله وأما ۹۹۷ هـ وان
وظلم ان شاء الله عذبه وان شاء غفر له -

وجہ استدلال :- یہ بھی صریح ہے کہ اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو واقع ہر جاتی ہیں۔ لیکن ایک ساتھ دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔

اس کا جواب | **اس کا جواب** | اس کے راویوں کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی رائے ملاحظہ فرمائیے اور

کے بعد در فیصلہ کیجئے کہ کیا ایسے راویوں کی روایت سے استدلال درست ہے۔

(۱) یحییٰ بن العلاء:- قال ابو حاتم ليس بالقوى وضعفه ابن معين قال

الدارقطنى متروك - وقال احمد كذاب يضع الحديث ميزان الاعتدال للذهبي

(۲) عبید اللہ بن الولید الوصافی :- عن یحییٰ لیس بشیئ - قال ابو ذرعة

والدارقطنی وغیرھا ضعیف قال النسائی متروك ميزان الاعتدال

(۳) ابراہیم بن عبید اللہ - (مجهول)

نیز اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عبادہ کے والد اور دارے کا شریعت باسلام ہونا کسی صحیح یا نفیہم روایت سے کبھی ثابت نہیں۔

عن سوید بن عقلة قال كانت عائشة الخنثية
پانچویں روایت عِنْدَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَلَمَّا قَتَلَ عَلِيٌّ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَتْ لِنَهْنِيْدِكَ يَعْنِي ثَلَاثًا قَالَ فَلَفَعَتْ بِثِيَابِهَا وَقَعَدَتْ

حَتَّى نَضَتْ عَدَّتْهَا نَبَعَتْ إِلَيْهَا بِمَقِيَّةٍ بَقِيَتْ لَهَا مِنْ صَدَاقِهَا

وَعَشْرَةَ آلَافٍ صَدَقَةٌ فَلَمَّا جَاءَهَا الرَّسُولُ قَالَتْ (متاع قليل من

من حبيب مفارق) فلما بلغه قولها بكى ثم قال لولا انى سمعت جدى

اوحدثنى ابى انه سمع جدى يقول اياما رجل طلق امراته ثلاثا

عند الاقراء او ثلاثا مبهمه لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره

راجعتها - (السنن الكبرى للبيهقى ج ۷ ص ۳۳۶)

وجہ استدلال :- ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔

اس روایت کو علامہ بیہقی نے دونوں سے ذکر کیا ہے۔ ان کے رجال کے

متعلق علی جرح و تعدیل کی آراء سن لیجئے اور پھر فرمائے کہ کیا ایسی روایت

محبت بن سکتی ہے؟

(۱) محمد بن حمید الرازی :- قال البخاری

پہلی سند کے بعض رجال فيه نظر وكذبه ابو ذرعة وعن الكوفي

قال اشهد انه كذاب قال صالح ما روایت اجراً: على الله منه كان ياخذ

احاديث الناس فيقلب بعضها بعضا - (ميزان الاعتدال للذهبي)

(۲) سلمہ بن الفضل القرشی :- قال ابو حاتم منكر الحديث وقال ابو ذر
 لا عرفه (ميزان) قال علی خرجنا من الری حتی رمینا بجد یشہ (تذیب القزلبان بجمہر)
 دوسری سند کے ایک راوی کا حال بیان کرنا ہی کافی ہے۔ عمران بن مسلم: قال ابو
 احمد الزبیری لافضی کا نہ جا و کلب۔ جرو کا معنی ہے پر اور کلب گتے کو کہتے ہیں۔ نقرہ آپ
 خود بنایا لیجئے۔

اُن علماء کے دلائل

جن کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے
 اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا جو طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہی ہے کہ ایک ایک طلاق
 پہلی دلیل ہر طہر میں دی جائے۔ الطلاق مرتان الخ
 اور ابوبکر جصاص کی یہ عبارت آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حکم الطلاق ماخوذ من هذه الايات لولاها لم يكن الطلاق
 من احكام الشرع الخ

اس آیت کی تفسیر میں انہوں نے لکھا ہے۔

انه امر بانہ اذا امر اذ ان يطلقها ثلاثا فاعليه التفریق الخ

قرآن کریم میں ہے۔ سنعد بهم مرتھن ہم ان کو دوبارہ عذاب دیں گے۔
 اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے ہم انہیں ایک دفعہ عذاب دیں گے۔
 اس کے بعد دوبارہ پھر عذاب دیں گے۔

یا حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نخت جگر خاتون جنت سے فرمایا تھا
 کہ بیٹی نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ۔ ۳۳ بار الحمد للہ۔ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔ یہ
 نو بیٹیوں سے بہتر ہے۔ اب اگر کوئی شخص سبحان اللہ تینتیس بار ایک دفعہ کہے تو کیا وہ
 اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

یا مثلاً ترمذی کی حدیث ہے :-

عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال فی دبر صلاۃ
 الفجر وهو ثمان رجلیہ قبل ان یتکلم لاله الا اللہ وحده لا شریک لہ

له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو على كل شئ قدير عشر مرات
کتب له عشر جنات الخ

اب اگر کوئی ایک بار یہ الفاظ کہہ کر دس کا عدد ساتھ بڑھا دے تو کیا نفع حاصل ہو جائے گا۔

الطَّلَاق مرتان کے متعلق عمدة النحاة والبلغاء اثیر الدین ابی عبد اللہ
محمد بن یوسف المعروف بابن حیان کا اقتباس ملاحظ فرمائیے وقیل
المعنى بذلك تفریق الطلاق اذا اسرأ ان يطلق ثلاثا وهو يقتضيه
اللفظ لانه لو طلق مرتين معًا في لفظ واحد لما جاز ان يقال طلقها
مرتين وكذلك لو رفع الى رجل درهمين لم يجزان يقال اعطاه
مرتين حتى يفرق الدفع فيمنه يصدق عليه هكذا بحثوا في هذا
الموضع وهو بحث صحيح وما زال يختلف في خاطري انه لو قال انت
طالق مرتين او ثلاثا انه لا يقع الا واحدة لانه مصدر للطلاق و
يقتضى العدد فلا بد ان يكون الفعل الذي هو عامل فيه يتكرر
وجودا كما تقول ضربت ضربتين او ثلاث ضربات لان المصدر
هو مبين لعدد الفعل فمتى لم يتكرر وجودا استحال ان يكرر
مصدره ان يبين رتبة العدد فاذا قال انت طالق ثلاثا فهذه لفظ
واحد ومدلوله واحد والواحد يستحيل ان يكون ثلاثا واثنين
(البحر المحيط ص ۱۹۲ ج ۲)

والمطلقات يترصن. بالفهم من ثلاثه تسره و...
ويعولتھن احق بردهن في ذلك ان اسرأوا

دوسری دلیل

اصلاحاً - (البقرہ)

یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ تیسری آخری طلاق سے پہلے دو زوجی طلاقیں دی گئی ہوں۔

تیسری دلیل | محمود بن یسید سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی خدمت اقدس میں عرض کی گئی کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں

ایک ساتھ دے دی ہیں۔ تقام مغضبا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين
اظهر کم۔ یعنی "یہ سن کر حضور فرط غضب کھڑے ہو گئے اور ختم کیں لہجہ میں فرمایا کہ کیا اللہ

کی کتاب کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔
 وجہ استدلال: حضور کا ایسے شخص پر ناراض ہونا جس نے تینوں طلاقیں ایک بار دی
 تھیں۔ اس امر پر ملاحظہ دلائیے کہ ایسا کرنا حکم الہی کے سراسر خلاف ہے۔

حدیثنا سعد بن ابراہیم حدثننا ابی عن محمد بن
چوتھی دلیل اسحق حدثنی داؤد الحصین عن عکرمہ مولیٰ

ابن عباس عن ابن عباس قال طلق رکاتہ بن عبد بنید اخو بنی مطلب
 امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد فخرن علیہا حزنا شدیدا قال
 فسالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقہا قال طلقہا
 ثلاثا قال فقال: فی مجلس واحد قال نعم قال انما تلک واحد
 فارجمہا ان شئت قال فرجمہا۔ (رواہ احمد و اسنادہ صحیح)
 علامہ ابن حجر فتح الباری شرح البخاری میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔
 واخرجه احمد و ابو یعلیٰ و صححه من طریق محمد بن اسحق و
 هذا الحدیث نص فی المسئلة لا یقبل التاویل۔

جمہور علماء نے اس حدیث پر جو رد و قدح کی ہے۔ اس کو
اس حدیث کا جواب علامہ ابن حجر نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا
 ہے اور ساتھ ساتھ اپنی بے لاگ رائے بھی ذکر کر دی ہے۔

اس کے راویوں میں محمد بن اسحاق ہے۔ ان کے متعلق اور ان
جمہور کا پہلا اعتراض کے استاد کے متعلق علماء جرح و تعدیل کا اختلاف ہے۔ اس لیے
 یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ اس کے جواب میں ابن حجر لکھتے ہیں۔

واجب بانہما احتجوا فی عده من الاحکام بمثل هذا الاسناد
 كحدیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رد علی ابی العاص
 زینب بنتہ بالنکاح الاول و لیس کل مختلف فیہ مردودا۔

ابن عباسؓ کی یہ روایت ان کے فتویٰ کے خلاف ہے اس
جمہور کا دوسرا اعتراض لیے آپ کے فتویٰ کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے
 کہ ابن عباسؓ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت کریں۔ اور پھر اس کے

مخالف فتویٰ دیں علامہ ابن حجر نے یہ کہہ کر اس اعتراض کا بھی اصولی جواب دے دیا۔

اجیب بان الاعتبار بر رواية الراوى لا برأيه ۛ

تیسرا اعتراض | اس واقعہ کے متعلق جو روایت ابو داؤد میں ہے اس میں تین طلاق کے

تین طلاقیں سمجھ لی ہوں۔ اور اپنی سمجھ کے مطابق بیان کر دیا ہو۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے اس حدیث کا جواب ہو سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض | یہ مذہب شاذ ہے اس لیے اس پر عمل نہ ہوگا اس کے متعلق صحابہ
فتح الباری رقمطراز ہیں۔

واجیب بانہ نقل عن علی و ابن مسعود و عبد الرحمن بن عوف
والزیر مثله نقل ذلك ابن مغيث في كتاب النوازل له وعن اه
لمحمد بن و مناح و نقل الغزوى ذلك عن جماعة من مشائخ
قرطبة ك محمد بن تقى بن مخلد و محمد بن عبد السلام الحسنى
و غیرهما و نقله ابن المنذر عن اصحاب ابن عباس ك عطاء و طاؤس
و عمرو بن دینار و یعجب من ابن التین حیث جز مر بان لزوم
الثلاث لا اختلاف فيه و انما الاختلاف فی التحریر مع ثبوت
الاختلاف كما ترى ۱۲ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۶)

پانچویں دلیل | عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد البوركانة و

اخوته امركانة و نكح امرأة من مزينة
فجاءت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم فقالت ما یغنی
عنی الا كما تغنی هذه الشعرة لشعرة اخذتها من راسها
ففرق بینی و بینہ فاخذت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم
حمية فدعا بركانة و اخوته ثم قال لجلسائہ اترون فلانا یثین
منہ کذا و کذا من عبد یزید و فلانا یثین منہ کذا و کذا قالوا
نعم قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم لعبد یزید طلقها ففعل
قال راجع امر انك امركانة و اخوته فقال انی طلقتهما ثلاثا

یا رسول اللہ قال قد علمت ما جمعها وتلا یا ایہا النبی اذا طلقتم
النساء فطلقوهن لعدتھن۔ (رواہ ابوداؤد)

بالکل ظاہر ہے۔ اور یہ بھی نص صریح ہے۔ کہ بیک وقت دی گئی تین
وجہ استدلال | طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی ہیں۔

اس کا جواب | امام ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ اس سے اصح
وہ حدیث ہے۔ جسے نافع بن عجمیر اور عبداللہ بن علی بن زبیر بن رکانہ

نے اپنے باپ اور اس نے اس کے دادے سے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔ ان
زکانۃ طلق امرأۃ ابنتہ اور اس کے اصح ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔ لانہم
ولد الرجل واهلہ اعلم بہ۔ یعنی یہ روایت رکانہ کی اولاد سے ہے۔ اور اولاد اپنے
باپ کے حالات سے زیادہ خبردار ہوتی ہے۔

یہ دو روایتیں دو علیحدہ علیحدہ واقعات کے متعلق ہیں۔ پہلی روایت
سوا ابوالجواب | رکانہ کے باپ عبدزید کی طلاق کے متعلق ہے۔ اور دوسری رکانہ

کی اپنی طلاق کے متعلق ہے۔ اس لیے یہاں کوئی تعارض نہیں۔

اور اگر انہیں ایک واقعہ سے ہی متعلق کیا جائے۔ جس سے حدیث کے الفاظ بالکل انکار
کرتے ہیں۔ تو پھر بھی ابوداؤد کے الفاظ سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک ابن عباس کی روایت
کی سند بھی صحیح ہے۔ اور کسی راوی پر انہیں اعتراض نہیں ورنہ وہ منور اس کی تصریح فرماتے
صرف گھر والوں کے روایت کرنے سے اصح ہونا عمل نظر ہے۔ کیونکہ یہ کوئی گھر بیلا اور نجی معاملہ تو ہے
نہیں کہ اس سے صرف گھر والوں کو ہی دلچسپی ہو یہ تو احکام شرعیہ سے متہم بالشان حکم ہے۔ اور
مسائل فقہیہ اور امر شرعیہ کے سمجھنے میں جو مقام حضرت ابن عباس بجالامہ کو حاصل ہے۔
اس پر حضرات ابن عجمیر و علی کی رسائی کہاں۔ اب آپ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ حضرت ابن
عباس کی قبیر میں جو وقت اور صحت ہوگی کیا اس کا مقابلہ وہ صاحبان کر سکتے ہیں۔ اس لیے
بجائے اس کے کہ اول الذکر روایت میں تاویل کر کے اسے آخر الذکر کے مطابق کیا جائے۔ اصول
حدیث کا تقاضا یہی ہے کہ غیر فقہہ کی روایت میں تاویل کر کے اسے فقہہ کی روایت کے مطابق
بنایا جائے۔ علیٰ اصول حدیث نے تصریح کی ہے۔ اور اگر دو حدیثیں متعارض ہیں۔ تو مذکورہ
مرحمت میں سے جس میں کوئی ایک مزج پایا جائے۔ اسی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

پنچاچھ علامہ جلال الدین السیوطی تدریب الراوی میں ان مرجحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
ثالثها نقه الراوی سواء كان الحديث مرويا بالمعنى او اللفظ
لان الفقيه اذا سمع ما يمتنع حمله على ظاهره بحث عنه حتى

يطلع على ما يزول به الاشكال بخلاف العامى - (تدریب الراوی ص ۱۹۱ مطبع خیر بیومر)
نیز اہل مدینہ کا عرف یہ تھا کہ طلاق ثلاث کو طلاق البتہ کہا کرتے۔ نہ یہ کہ طلاق البتہ کو طلاق ثلاث۔
اس لیے اہل مدینہ کے عرف کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی معنی درست ہے۔ کہ جن روایتوں میں
البتہ کا لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں اس کا معنی ثلاث ہے۔ اور یہ فرض کر لینا کتنا تعسف ہے
کہ ابن عباس جیسے فقیہ اور بکر الامت نے عرف کے خلاف البتہ کو طلاق ثلاث سمجھ لیا ہو۔

حدثنا اسحق بن ابراهيم ومحمد بن رافع واللفظ
چھٹی دلیل | لابن رافع قال اسحق اخبرنا وقال ابن رافع حدثنا

عبد الرزاق قال اخبرنا محمد عن ابن طاووس عن ابيه عن
ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم وعهد ابى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث
واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فى امر كانت
لهم فيه اناة فلوا مضينا عليهم فامضاه عليهم (مسلم)

انہیں الفاظ کو امام احمد بن حنبل نے عبدالرزاق سنی سند میں روایت کیا ہے۔ نمبر حدیث ہے۔
اس حدیث کے راویوں کے متعلق بھی علماء جرح و تعدیل کی شہادتیں سن لیجئے۔

(۱) اسحق بن ابراہیم بن مخلد - احد الاثمة الاعلام ثقة حجة
وسئل ابو عبد الله عن اسحق فقال هل اسحق يسئل عنه - اسحق
عندنا امام من ائمة المسلمين (ميزان الاعتدال)

قال النسائي اسحق احد الاثمة ثقة مامون - قال ابن حبان كان
اسحق من سادات اهل زمانه فقهياً وعلماً وحفظاً - (تذیب التہذیب)

(۲) محمد بن رافع :- قال البخارى كان من خيار عباد الله وقال النسائي ثقة

المأمون - قال مسلم بن الحجاج ثقة مامون - (تذیب التہذیب)

(۳) عبد الرزاق بن همام :- احد اعلام الثقات - قال ابو ذرعة

قلت للاحمد كان عبد الرزاق يحفظ حديث معمر قال نعم۔
 قيل له من اثبت في ابن جرير عبد الرزاق او البرساني قال عبد الرزاق
 ابو بكر بن زنجويه سمعت عبد الرزاق يقول الرافضي كافر۔ و
 قال احمد بن صالح قلت لاحمد بن حنبل هل رايت احسن حديثا
 من عبد الرزاق قال لا۔ (ميزان الاعتدال)

- (۴) معمر بن راشد بن ابي عمر البصري:- الامام المحدث المشهور۔ و
 قال احمد بن حنبل لا يضمن معمر الى احد الا و معمر اطلب للعلم
 منه و اتفقوا على ثوثيقه و جلالتہ (تنزيب الاسماء للزودي مثلاً)
- (۵) ابن طاؤس:- قال ابو حاتم و النسائي ثقة و قال العجلي ثقة
 و ذكره ابن حبان في الثقات و قال كان من خيار عباد الله
 فضلاً و نسكاً و ديناً و تكلم فيه بعض الرافضة (تنزيب التهذيب)
- (۶) طاؤس اليماني التابعي:- هو من كبار التابعين و العلماء و الفضلاء
 الصالحين و اتفقوا على جلالتہ و فضيلتہ و وفور علمه و صلاحه
 و حفظه و تثبته و قال عمر بن دينار ما رايت احد اقسط مثل
 طاؤس۔ (تنزيب الاسماء)

حدثنا اسحق بن ابراهيم قال اخبرنا روح بن
 عبادة قال اخبرنا ابن جريح و قال و حدثنا
 ابن رافع و اللفظ له حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابن جريح قال
 اخبرني ابن طاؤس عن ابيه ان ابا الصهباء قال لابن عباس تعلم
 انهما كانت الشاهث تجعل واحدة على عهد النبي صلى الله
 عليه وسلم و ابى بكر و ثلاثا من امارة عمر فقال ابن عباس
 نعم (مسلم)

اس حدیث کے روایت کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی آراء بھی درج ذیل ہیں۔

- (۱) اسحق بن ابراهيم:- ان کا ذکر پہلے گذر چکا
 (۲) روح بن عبادة:- القيسي ثقة مشہور حافظ۔ و قال ابن معين وغيره صدوق

قال يحيى صدوق ثقة - قال البزار في مسنده ثقة ما مودع من (بزاز) (بزاز)

(۳) ابن جرير - قال عطاء بن ابي سباح سيد اهل الحجاز ابن جرير - وذكر متابعيه

اكثر من ان تحصى - (تذويب الاسماء)

(۴) (۵، ۶، ۷، ۸) محمد بن رافع - عبد الرزاق ابن طائوس اور طاووس ان سب کا ذکر گزر چکا۔

حدثنا اسحاق بن ابراهيم قال اخبرنا سليمان
المطهون حديث بن حرب عن حماد بن زيد عن ايوب السخيتاني

عن ابراهيم بن مغيرة عن طاووس ان ابا الصهباء قال لابن عباس
هات من هنا تاك الم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله

صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وابي بكر واحدة فقال قد كان
فلما كان في عهد عمر تناهت الناس في الطلاق فاجازه عليهم سلم

اس حديث کے راویوں میں جن کا ذکر پہلے نہیں آیا۔ ان کے احوال پیش خدمت ہیں۔

(۱) سليمان بن حرب - قال ابو حاتم اما من الائمة - قال يحيى ابن اكرم

ثقة حافظ الحديث - قال يعقوب كان ثقة ثبتا صاحب حفظ -

(تذويب التهذيب)

(۲) حماد بن زيد - هو الامام البارع المجمع على جلالته قال يحيى بن -

يحيى ما رايت احدا من الشيوخ احفظ من حماد (تذويب الاسماء)

(۳) ايوب السخيتاني - والفقوا على جلالته وامامته وحفظه وثوثيقه

ووفور علمه وفهمه وسيادته (تذويب الاسماء)

(۴) ابراهيم بن ميسرة - تابعي جليل والفقوا على انه ثقة ما مودع -

قال ابن عيينة كان من اوثق الناس واصدقهم (تذويب الاسماء)

یہ جلیل الشان حدیث اپنی تین سندوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے اور اس کے راویوں کی جلالت

شان بھی آپ کے ملاحظہ فرمائیے۔ یہ حدیث صراحتاً دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں ایک

ساتھ دیتا تھا تو اسے عہد رسالت تا اب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اور خلافت صدیق اکبرؓ

ایک طلاق تصور کیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کے پہلے دو سال تک جاری

رہا۔ تیسرے سال آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اب خلافت کتاب و سنت تین طلاقیں ایک ساتھ دینے

لگے ہیں۔ تو آپ نے حکم صادر فرمایا کہ اب اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو اس کی عورت اس پر حرام ہو جائے گی (یہ بحث بعد میں آئے گی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی نوعیت کیا تھی)۔
 جمہور علماء کرام کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔
اس کا جواب اگرچہ ان جوابات اور ان پر جو کلام کیا گیا ہے۔ اس کے ذکر میں تطویل ہے لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔

پہلا جواب یہ حکم غیر مدخول بہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی اگر غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دی جائیں تو ایک ہی تصور ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک طلاق ہے ہی جدا ہوتی۔ اور اس جواب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابوداؤد نے ایوب سختیانی سے روایت کی ہے۔ کیونکہ وہاں تصریح ہے کہ یہ حکم غیر مدخول بہا کا تھا۔ اب یہ حکم جو مخصوص ہے اس کو عام حکم بنا نا ہرگز درست نہیں۔

اس کا رد۔ جس حدیث سے آپ نے استدلال کیا ہے۔ اس کے متعلق امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ ”ہذہ الروایۃ لابن داؤد ضعیفۃ رواہ ایوب سختیانی عن قوم مجہولین عن طاؤس عن ابن عباس فلا یحتج بہا فان اللہ اعلم۔“ (النوری شرح مسلم ص ۲۸)

قرطبی نے بھی اس جواب پر اعتراض کیا ہے۔

یہ حدیث منسوخ ہے۔ بعض علماء نے اس جواب کو بہت پسند کیا ہے۔
سرا جواب اور بعض نے اسے ناپسند کیا ہے۔ امام نووی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

قال المازری وقد زعم من لا خیرۃ لہ بالحقائق ان ذلک کان ثم نسخ قال و ہذا غلط فاحش لان عمر رضی اللہ عنہ لا ینسخ ولو نسخ و حاشاہ لبادرہت الصحابۃ الی انکارہ وان اراد ہذا القائل انہ نسخ فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذلک غیر متنع و لکن یخرج عن ظاہر الحدیث لانہ لو کان کذلک لم یجز للرافی ان یخبر ببقاء الحکم فی خلافتہ الی بکر و بعض خلافتہ عمر فان قیل لعل النسخ انما ظہر لہم فی زمن عمر قلنا ہذا قلط ایضاً لانہ یکن قد حصل الاجماع علی الخطأ فی زمن ابی بکر

والمحققون من الاصوليين لا يشترطون انقراض العصر في
صححة الاجماع والله اعلم۔ (النوري شرح مسلم ص ۴۷۲)

میزاگر یہ حکم منسوخ ہوتا۔۔۔۔۔ تو منسوخ حکم پر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد
ہمایوں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں میں اس پر
عمل کیوں کر جاری رہتا۔ اور یہ کوئی معمولی بات تو تھی نہیں کہ اس کی پروا نہ کی جاتی بلکہ اس
کا تعلق تو حلت و حرمت سے تھا۔

مزید برآں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ اس جواب کو قبول
نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوْا فِى شَيْئِىْ كَاَنْتَ لَمْ تَسْمَعْ
فِيْهِ اَنَاةٌ۔ ان الفاظ پر غور کیجئے اور بتائیے کہ کیا منسوخ حکم میں بھی کوئی مہلت ہوا
کرتی ہے۔ حکم منسوخ تو ختم ہو چکا۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا گیا۔ اب اس
میں مہلت کا کیا معنی؟ تو معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہ تھا۔ ورنہ حضرت فاروقؓ یہ نہ فرماتے۔
قرطبی نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ ایسا اہم حکم ہو۔ اور صرف ابن عباس رضی
اللہ عنہما کا جواب اس کی روایت کریں۔ یہ تعجب کی بات ہے۔ لیکن قرطبی خود ہی اس
جواب کی تضعیف بھی کر دیتے ہیں۔ قال هذا الوجه يقتضى التوقف عن العمل
بظاهره ان لم يقتض القطع بطلانه۔

امام محمد بن اسماعیل البیہقی الصنعانی سبیل السلام شرح بلوغ المرام میں لکھتے ہیں :-

هذا مجرد استبعاد فانه كم من سنة وحادثة انفرد ذبها

سرا وولا يضر سيما مثل ابن عباس بحج الامة وسبيل السلام كتاب ۳

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اب جو لوگ تین طلاقیں دینے

چوتھا جواب لگے ہیں حضور کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگ تین کی بجائے
ایک طلاق ہی دیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں حکم کا ذکر نہیں بلکہ واقعہ کا بیان ہے۔
یعنی لوگ عہد رسالت میں یوں کیا کرتے تھے۔

حدیث کے الفاظ اس جواب کے مشتمل نہیں :- اتعلم انما كانت اثلاثا

س کا رد :- تجعل واحدة۔ قال نعم کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاقوں

ایک طلاق بنا دیا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں! اگر تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں۔

تو ایک کس کو بنا یا جاتا تھا۔ صاحبِ روح المعانی اس جواب کے متعلق تبصرہ فرماتے ہیں۔
 و اعترض عليه بعدم مطابقتہ للظاهر المتبادر من كلام عمر
 لا سيما مع قول ابن عباس فهو تاويل بعيد لا جواب حسن فضلا
 عن كونه احسن - (روح المعانی مؤرخ ۲)

اس حدیث میں یہ تصریح کہیں نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کو بھی اس بات کا علم تھا۔ دلیل تبہر سکتی تھی کہ حضور کو علم ہوتا
 اور حضور اس سے نہروکتے۔

اس جواب کے متعلق علامہ ابن حجر نے لکھا ہے۔

بان قول الصحابي كذا نفع كذا في عهد رسول الله صلى الله عليه
 وسلم في حكم الرفع على الراجح حملا على انه اطلع على ذلك فاقره
 لتؤفروا واعيهم على السؤال عن جليل الاحكام وحقيرها۔

اجماع۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس
 بات پر اجماع ہو گیا کہ ایک بار دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی تصور ہوں گی۔
 اور ان سے بینونت کبریٰ ثابت ہوگی۔ اس لیے اب اس اجماع کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔
 کہ وہ اس کے خلاف عمل کرے۔ کیونکہ اجماع دلائل یقینہ قطعہ سے ہے۔

اگر اجماع ثابت ہو جائے۔ تو بلاشبہ وہ دلیل قطعی ہے لیکن اجماع کا ثبوت عمل نظر
 ہے۔ اس سے پہلے رکنا کی حدیث کے ضمن میں نفع الباری کا جو اقتباس درج کیا گیا ہے۔
 اس میں علامہ ابن حجر نے ان لوگوں پر اظہارِ تعجب کیا ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ اس باب میں کوئی
 اختلاف نہیں۔ بلکہ اختلاف موجود ہے۔ ابن حجر کئی جلیل القدر صحابہؓ تا بعدینؒ اور ان کے بعد
 ائمہ اور علماء کے اسناد ذکر کرتے ہیں۔ جو ایک وقت میں دی گئی۔ تین طلاقیں کو ایک طلاق
 شمار کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔

علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں ایک مستقل فصل کے عنوان سے اس چیز کا ذکر کیا ہے۔
 وہ لکھتے ہیں:-

وذكر احمد بن محمد بن محمد بن مغيث الطيبي في هذه المسئلة في
 وثالقه ثم اختلف اهل العلم بعد اجماعهم على انه مطلق لم

يلزمه عن الطلاق۔ فقال علي بن ابي طالب وابن مسعود يلزمه
 طلقة واحدة وقاله ابن عباس — وقال الزبير بن العوام
 وعبد الرحمن بن عوف وسروينا ذلك كله عن ابن وضاح
 فوبه قال من نسيوخ قرطبة ابن زبناح شيخ هدى ومحمد
 بن تقى بن منحلد ومحمد بن عبد السلام فريد وقتة وبقية
 عصره واصبغ بن الحباب وجماعة سواهم۔

جن مسئلوں میں ہر زمانہ کے ائمہ اسلام اختلاف کر رہے ہوں۔ اسے کہنا کہ یہ مجمع علیہ ہے۔
 بڑے دل گردے کا کام ہے۔

علامہ نظام الدین حسن بن محمد انبیا پوری اپنی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان
 میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم من هؤلاء من قال لو طلقها ثنتين او ثلاثا لا يقع الا واحدة
 وهذا هو الاقوى واختاره كثير من علماء اهل البيت لان
 التهمي يدل على احتمال المنهى عنه على مفردة راجحة والقول
 بالوقوع سعي في ادخال تلك المفسدة في الوجود تفسیر نیا پوری علی ہاشم
 ابن جریر ص ۲۰۲

اس سے بھی اجماع کی نفی ثابت ہوئی۔

بالکل اسی طرح علامہ ابن چیان الاندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں تحریر کیا ہے۔

ساتواں جواب۔ اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام

حضرت ابن عباسؓ راوی حدیث کا توڑی بھی اس کے خلاف ہے۔ تو اس روایت پر عمل
 کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔

ان ابن عباس و اباهم یرة و عبد الله بن عمر و رضی الله عنهم سئلوا
 عن البكر يطلقها زوجها ثلاثا فكلهم قال لا تحل له حتى تنكح
 زوجا غيره۔

ایک روایت میں ہے۔ جاء رجل الى ابن مسعود فقال اني طلقت

امراتی تسعد تسعين فقال له ابن مسعود ثلاث تبينها منك و
سائرهن حدوان -

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں جو اس قول کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس لیے اس حدیث پر عمل کرنا اور سارے صحابہؓ کے عمل کو چھوڑ دینا خلافت انصاف ہے۔ اس کے متعلق مختصراً یہ گزارش ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالیشان کے سامنے کسی کا قول حجت نہیں۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے بھی دو روایتیں آئی ہیں۔ ایک وہ جو اوپر گزری دوسری وہ جسے مسند میں امام احمد نے نقل کیا ہے۔ نکان ابن عباسؓ یرى انما الطلاق عند كل طهر حديث ۲۳۸۶ مت دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کا ذکر پہلے جا بجا گزر چکا ہے۔ نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے۔ ان الاعتبار لرواية الراوى لا براهيه۔ اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے کا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں رائے کے مقابلے میں روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔ تو ہم آپ کو فقہ کے بیسیوں مسائل دکھا سکتے ہیں۔ کہ فقہاء نے راوی کی روایت پر عمل کیا ہے۔ اور اس کی رائے کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی سی ایک مثال ملاحظہ فرمادیں۔

عن ابن عباس ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امر اعبادان
يرملوا الاشواط الثلاثة -

اور آپ کا قول یہ ہے کہ لیس الرمل بسنتہ۔ اب عمل روایت پر ہے ان کی رائے پر نہیں اس روایت کے خلاف اور اس کے حق میں جو کچھ علماء کرام نے کہا وہ آپ کے سامنے ہے اور آپ آسانی سے فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ اور حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

لیکن ایک خلیجان ابھی تک موجود ہے۔ جن کا ازالہ از خدا ہم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب طلاق ثلاث ایک طلاق شمار کی جاتی تھی تو الناطق بالصدق والصواب انذروق بین الحق والباطل حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے برعکس حکم کیوں دیا۔

تو اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ لوگ طلاق ثلاث کی حرمت کو جانتے ہوئے اب اس کے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو آپ کی سیاست حکیمانہ نے ان کو اس امر حرام سے باز رکھنے کے لیے بطور سزا حرمت کا حکم صادر فرمایا۔

اور خلیفہ وقت کو اجازت ہے۔ کہ جس وقت وہ دیکھے کہ لوگ اللہ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں کی قدر نہیں کر رہے اور ان سے استفادہ کرنے سے رک گئے ہیں۔ اور اپنے لیے عمر و شدت پسند کر رہے ہیں۔ تو بطور تعزیر انہیں ان رخصتوں اور سہولتوں سے محروم کرنے کے بعد وہ اس سے باز آجائیں۔

حضرت امیر المومنینؑ نے یہ حکم نافذ کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لیل ارشاد کرامی ہے۔ بلکہ کہا۔

فلو انا امضیناہ علیہم۔ (”کاشس ہم اس کو ان پر جاری کر دیں“)

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آپ کی رائے تھی اور امت کو اس فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے یہ تعزیریں قدم اٹھایا گیا تھا۔ اس تعزیریں حکم کو صحابہ کرام نے پسند فرمایا۔ اور اسی کے مطابق فتوے دیئے۔

لیکن حدود کے علاوہ تعزیرات اور سزائیں زمانہ کے بدلنے سے بدل جایا کرتی ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی مقررہ تعزیر سے بجائے فائدہ کے اٹانہ نقصان ہو۔ اور مصلحت کی جگہ فساد روپزیر ہونے لگے۔ تو اس وقت اس تعزیر کا بدلنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔

غیر شادی شدہ زانی کی حد کا ذکر تود آج حکم میں موجود ہے۔ کہ اسے سو ڈرے لگانے جائیں۔ لیکن حدیث میں ہے۔ مائتہ جلدہ و ستریب عاچر یعنی سو ڈرے لگانے جائیں اور ایک سال جلا وطن کر دیا جائے۔ جب چند آدمیوں کو جلا وطن کیا گیا تو وہ کفار کی صحبت سے متاثر ہو کر مرتد ہو گئے۔ اور علماء احناف نے یہ کہہ کر جلا وطنی کی سزا کو ساقط کر دیا۔ کہ یہ تعزیر ہے اور اب اس سے بجائے اصلاح کے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اس لیے آج تک تعزیر ساقط کرنی ضروری ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس تعزیر کو آج باقی رکھنے سے جو مفاسد اسلامی معاشرہ میں رونما ہو رہے ہیں کون سی آنکھ ہے جو اسکیا نہیں اور کون سا دل ہے جو درد مند نہیں۔

لوگوں میں شرعی احکام کے علم کا فقدان ہے۔ انہیں یہ پتہ ہی نہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا کتنا بڑا جرم ہے۔ اور یہ تلعب بکتاب اللہ کے مرادف ہے۔ وہ غیظ و غضب کی حالت میں منہ سے بک جاتے ہیں۔ انھیں تب ہر ش آتا ہے۔ جب انھیں بتایا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے ایک جنبش لب اپنے گھر کو برباد کر دیا۔ اس کی رقیقہ حیات اور اس کے ننھے

بچوں کی ماں اس پر قطعی حرام ہو گئی اس کی نظروں میں دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ یہ ناگہانی مصیبت اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ پھر وہ علماء صاحبان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو باتشناہ چند حضرات بڑی معصومیت سے انہیں حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں۔ اس وقت انہیں اپنے غیور رسولؐ کی وہ حدیث فراموش ہو جاتی ہے لَعْنَةُ اللَّهِ الْمُحْتَلِّ وَالْمُحْتَلَّةُ۔
 وہ حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی لعنت اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر بھی اللہ کی لعنت۔“

اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی سن لیں۔ اس کا ترجمہ حلالہ کی اجازت دینے والے علماء خود کر لیں۔ (عوام کی تفہیم کے لئے ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے۔ ناشر)

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسله إلا أُخْبِرَكُمْ بِاللَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ هُوَ الْمُحْتَلُّ لَعْنَةُ اللَّهِ الْمُحْتَلِّ وَالْمُحْتَلَّةُ لَهْ۔ (رواه ابن ماجه) دیکھیں تمہیں کرائے کے سائڈ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے کہا ضرور اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر بھی ہو اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے؟“

ان علماء ذی شان کے بتائے ہوئے حل کو اگر کوئی بد نصیب قبول کر لیتا ہوگا۔ تو اسلام اپنے کرم فرماؤں کی ستم ظریفی پر حیح اٹھتا ہوگا۔ اور دین بسز گنبد کے مکس کی دہائی دیتا ہوگا۔

ایک حالات دن بدن بدتر ہو رہے ہیں۔ جب بعض طبیعتیں اس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشہ عافیت کی ویرانی بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ پریشان اور سراسیمہ ہو کر ہر دوازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنجان کی طرف بڑھاتے ہیں۔ اور انہیں اپنے دام تزویر میں بھی پھنسا لیتے ہیں۔ اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے لیکن دولت ایمان لوٹ لی جاتی ہے۔ میرے پرچشم دید و اتعات ہیں کہنے کے کہنے مرزائی اور رافضی ہو گئے۔ جب حالات کی سنگینی کا یہ عالم ہو۔ جب یہ تعزیر بے غیرت کی محرک ہو بلکہ اس کی موجودگی سے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہر ان حالات میں کیا علماء اسلام کا یہ فرض نہیں کہ امت مصطفیٰ علیہ التیمتہ والنساء پر در رحمت کشادہ کریں۔ اسی ستم کے حالات سے مجبور ہو کر حکومت مصر نے حلالہ کی ایک کمیٹی تشکیل کی جس کے ارکان مندرجہ ذیل حضرات مقرر ہوئے۔

صدر الاستاذ الاكبر شيخ الجامع الازهر

الركان (۱) رئيس المحكمة العليا الشرعية

(۲) شيخ المالكية

(۳) مفتي الديار المصرية

(۴) نائب السادة المالكية

(۵) ان کے علاوہ دیگر علماء کرام

اور ان کے مشورہ اور تحقیق کے مطابق احوال شخصیہ کے قوانین میں مناسب اصلاحات کر کے ۱۹۲۰ء میں قانون ۲۵ شائع کیا گیا۔ یہ سلسلہ تحقیق جاری رہا۔ اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں ایک دوسرا قانون ۲۵ منظور ہوا جس میں طلاق کے احکام میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ جسے علماء مصر نے منظور کیا شرعی حدتوں میں اب اسی قانون کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ اور جامع ازہر کے کلمۃ الشریعہ کے درجہ تخصص القضاء میں داخل نصاب ہے۔ اس قانون کی دفعہ ۳ یہ ہے۔

الطلاق المقترن بعد دلفظا واثارة لا يقع الا واحدة (الدلیل المرشد

فی القوانين والاوامر للمحاكمة الشرعية ۳۸۲)

اسی کتاب کے صفحہ ۳۸۶ پر اس قانون کے متعلق ایک توضیحی نوٹ (مذکرۃ ایضاحیتین)

درج ہے جس میں اس قانون کے دلائل مذکور ہیں۔

طلاق کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔

نالایمة الکریمة «الطلاق مرتان» الخ تکا دتكون صریحیة فی ان

الطلاق لا یسکون الامرة بعد مرة و جعلت دفعات الطلاق ثلاثا

لیجرب الرجل نفسه بعد المرة الاولى والثانية ویروة بها علی الصبر

والاحتمال و لیجرب المرأة نفسها ایضاحی اذا لم تقعد التجارب و وقعت

الطیقة الثالثة علما انه لیس فی البقاء حیروان الانفصال البایث

بینهما حق واولی — ولوان الناس لزموا حد و الله واتبوا شریعته

سما وقعت الشکوی من قواعد الطلاق ولبقیت العائلة الاسلامیة

متینة العری یدرفر علیها الجواز و لكن ضعفت الاخلاق و تراخی عری

المروءات ووجدت فی العائلة الاسلامیة وهتا و جعل هنا نؤها نزول

بنزقذ من طيش

والمرأة المسلمة مهتدة على الدوام بالطلاق لا تدرى متى يحصل
وقد لا يدري الرجل متى يجهل — ومن الواجب حماية الشريعة
المطهرة وحماية الناس من الغرور عليها وقد تكفلت بسعاد
الناس ديناً واخيراً وانها باصولها تسع الامم في جميع الازمنة
والامكنة متى فهمت على حقيقتها وطبقت على بصيرة وهدي
ومن السياسة الشرعية ان يفتح للجماهير باب الرحمة من
الشريعة نفسها —

لهذا افكرت الوضاعة في تضييق دائرة الطلاق بما يتفق مع
اصول الدين وقواعد و يوافق اقوال الائمة واهل الفقه فيه
ولو من غير المذاهب الاربعة فوضعت مشروع القانون
بما يتفق مع ذلك -

وليس مانع شرعي من الاخذ باقوال الفقهاء من غير المذاهب
الاربعة خصوصاً اذا كان الاخذ باقوالهم يؤدي الى جلب صالح
عام او رفع ضرر عام بناء على ما هو الحق من آراء علماء الاصول
(الدليل المرشد ۳۸۶-۴)

ابھی ایک سوال جواب طلب باقی ہے وہ یہ کہ کیا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد
ہوتے ہوئے اصول شریعت میں اجازت دیتے ہیں کہ ان ناگزیر مجبور یوں میں ہم کسی دوسرے
امام کے قول پر عمل کریں؟

اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد علی وجہ البصیرت کہا جاسکتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔
علامہ محقق کمال بن نہام الحنفی اپنی کتاب التحریر اور امیر الحاج المحریر کے شرح التقریر والتجیر
میں تحریر فرماتے ہیں -

فلوا التزم مذہبنا معینا کابی حنیفة والشافعی فهل یلزمہ
الاستمرار علیہ فلا یعدل منه فی مسئلة من المسائل دفیل یلزم
لا تہ بالتزامہ یصیر متفوما بہ کما لو التزم مذہبہ فی حکم

حادثة معينة ولأنه اعتقد ان المذهب الذي انتسب اليه هو الحق
فعلية الوفاء بموجب اعتقاده (وقيل لا) يلزم وهو الاصح -

(التقريب والتجسير على التحرير من ج ۳ ص ۲)

اب کتب فقہ پر غور فرمائیے وہاں آپ کو تصریحات ملیں گی۔ کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے
ائمہ کے اقوال کے مطابق فقہاء احناف نے تیسے دیئے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔
علامہ شامی زوجہ مفقودہ انجبر کے متعلق لکھتے ہیں۔

قال القهستاني لو افتمى يقول مالك في موضع الضرورة لا بأس به
على ما اظن. وقلت نظير هذه المسئلة عند ممتدة الطهر
التي بلغت برؤية الدم ثلثة ايام ثم امتد طهرها فانها تبقى في
الغدة الى ان تحيض ثلاث حيض وعند مالك تنقضي عدتها
بتسعة اشهر وقد قال في البزائرية الفتوى في زماننا هلى قول
مالك رشامى ص ۳۶۲ ج ۲

اسی طرح طوطاوی میں مذکور ہے -

فتاویٰ مولانا عبدالحی سے بھی دو مثالیں سن لیجئے۔

سوال :- زید نے اپنی عورت سے عقدہ کی حالت میں کہا۔ میں نے طلاق دی۔ میں
نے طلاق دی۔ میں نے طلاق دی۔ اس تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں اور
اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی مذہب میں واقع نہ ہوں۔ تو حنفی کو شافعی مذہب
پر اس خاص صورت میں عمل کرنے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟

جواب :- اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ مگر بوقت
ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو۔ اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو۔ اگر تعلقہ
کسی امام کی کرے گا۔ تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا۔ اس کی نظیر سنہ نکاح زوجہ مفقودہ عدت عمدۃ الطہر
موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنے کو درست رکھتے
ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار میں مفصلاً مذکور ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے۔ کہ وہ شخص کسی شافعی عالم سے
پوچھنے کے اس کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔ دحرہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی
مجموعۃ الفتاویٰ اردو ص ۶۸ ج ۲

دوسری مثال :-

سوال :- زید کو عمر ودھو کہ دے کر اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ اور چند آدمیوں کو بلا کر زید سے اس کی بیوی کو جبراً تین طلاقیں دلائی۔ چونکہ زید اور اس کی بی بی میں محبت بہت ہے۔ اب جدائی از حد شاق ہے۔ لہذا البصورت یہ تعلیم مذہب شافعی نکاح جائز ہے یا نہیں۔

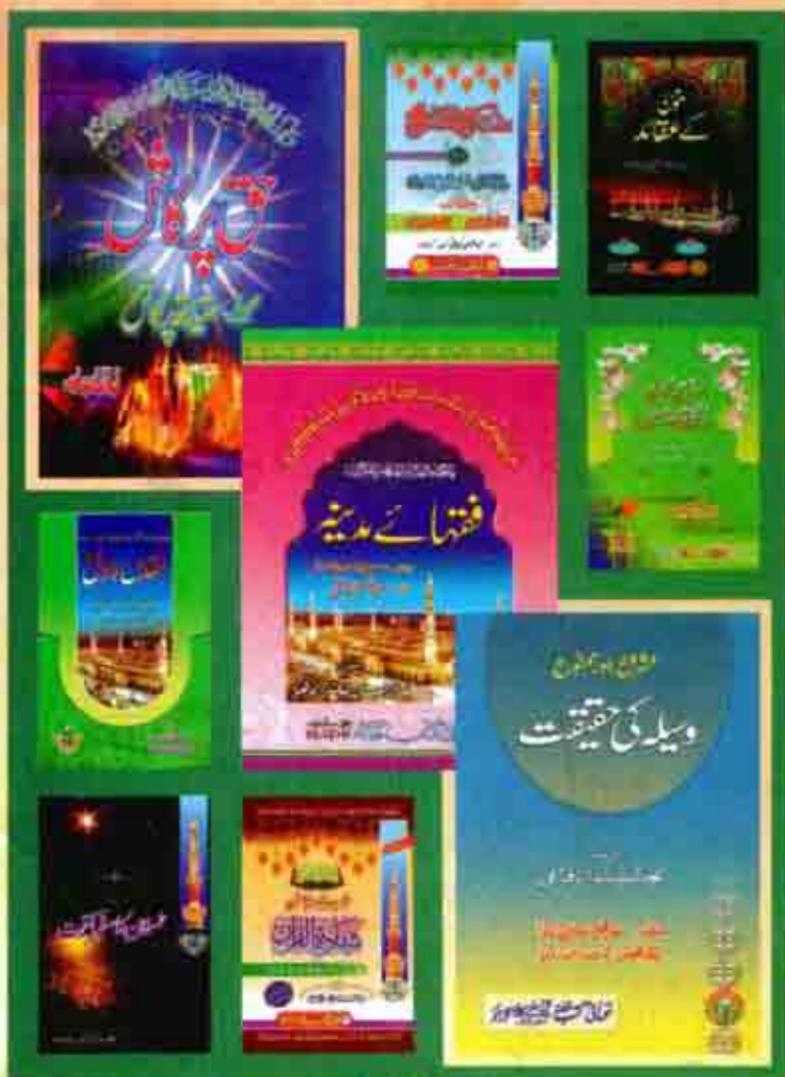
جواب :- ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی تطہیر درست ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ من ۲۳ ج ۳)
ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

ان المتأخرین اختلفوا بتحلیف الشہود ما قامہ لہ موقع التزکیۃ
علی مذہب ابن ابی لیلی۔

مسئلہ کے سارے پہلو آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی عقلی اور نقلی دلیلیں اور ان پر ہر طرح کی رد و قدح بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اب آپ خود اس کے متعلق فیصلہ فرما سکتے ہیں اس ناچیز کی ناقص رائے میں تو ان حالات میں علماء مصر اور علماء جامع ازہر کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا ازیح ہے۔



معیاری اور خوبصورت جدید مطبوعات



لا جواب کتب



بازوق قارئین کیلئے